

آل پارٹیز کانفرنس

۱۹۲۸

رپورٹ کمیٹی

جو

ہندوستان کی دستور اساسی کی اصول متعین کرنی کی لئی
کانفرنس فی مقرر کی تھی

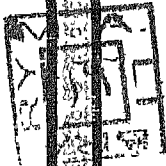
مع

کاروائی اجلاس کانفرنس منعقدہ لکھنؤ

۲۸ لغایہ ۳۱ اگست سنہ ۱۹۲۸ ع

ترجمہ اردو

شائع کردہ مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی



پورسی

آل پانیر کا نفرس

۱۹۲۸ء

— (ترجمہ اردو) —

اصل رپورٹ جنرل سکرٹری آل انڈیا کانگریس کمیٹی الدہ آباد نے
شائع کی، اردو ترجمہ مکتبہ جامعہ علیہ سلامیہ ملی نے شائع کیا



M.A.LIBRARY, A.M.U.



U47960

فہرست مضامین

۵	خط بنام صدر
۷	تہنید
۲۲	باب اول (کلیٹی)
۳۷	باب دوم (مسئلہ کا فرقہ دارانہ پہلو)
۴۴	باب سوم (مسئلہ کا فرقہ دارانہ پہلو گذشتہ سے پیوستہ نشتوں کا تحفظ)
۷۴	باب چہارم (صوبوں کی دوبارہ تقسیم)
۸۳	باب پنجم (ہندوستانی ریاستیں اور سیاست خارجہ)
۱۰۴	باب ششم (دوسری تجاویز)
۱۱۷	باب ہفتم (سفارشات)
۱۴۷	نجی کانفرنس اور اس کے بعد کے حالات پر ایک نوٹ
۱۵۰	نقشہ نمبر ۱ (امور متعلقہ مرکزی حکومت)
۱۵۴	نقشہ نمبر ۲ (امور متعلقہ حکومت صوبہ)
۱۵۹	ضمیمہ (الف) (مذہب کے اعتبار سے پنجاب کی آبادی کے اعداد کا تخمینہ)
۱۸۱	ضمیمہ (ب) (مذہب کے اعتبار سے بنگال کی آبادی کے اعداد)
۱۹۳	ضمیمہ (ج) (بنگال کے ڈسٹرکٹ بورڈوں میں منتخب شدہ اراکین کی کیفیت)
۱۹۵	خلاصہ کارروائی آل پارٹیز کانفرنس منعقدہ لکھنؤ

بخدمت جناب ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری
صدر آل پارٹیز کانفرنس

جناب صدر۔

میں آپ کی خدمت میں اُس کمیٹی کی رپورٹ پیش کرتا ہوں جو کہ آل پارٹیز
کانفرنس نے ۱۹ مئی ۱۹۶۸ء کو یہی میں اس غرض سے مقرر کی تھی کہ ہندوستان
کے دستور اساسی کے اصولوں کو غور کر کے متعین کرے۔ اس رپورٹ کی پیش
کرنے میں جو تاخیر ہوئی اُس کا مجھے افسوس ہے۔ اس تاخیر کے وجوہ کی اطلاع
آپ کو اس سے پہلے دی جا چکی ہے۔ اور آپ نے اذراہ مہربانی اس رپورٹ
کو پیش کرنے کی مدت میں توسیع فرمادی تھی۔

آپ کا مخلص

موتی لال نہرو۔ صدر کمیٹی

الہ آباد۔

۱۰ اگست ۱۹۶۸ء

تہمید

ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ آل پارٹیز کانفرنس کے سامنے جس نے اس کی سیٹی کا تھر کیا تھا، اپنی رپورٹ پیش کرتے وقت شروع ہی میں اس طرف توجہ منعطف کر انہیں کہ ہمیں ہدایات دی گئی تھیں کہ ایسا دستور مرتب کریں جس سے کامل ذمہ دار حکومت قائم ہو۔ اس ہدایت کا مطلب یہ سمجھنے کے وجہ کہ ہمیں خود مختار نوآبادیوں کے نمونہ کی اتباع کرنی چاہیے ہم نے پہلے باب میں بیان کئے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ رپورٹ کے متن میں ہم نے ”ذمہ دار حکومت“ اور ”نوآبادیوں کے طرز کی حکومت“ میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ اور شروع سے آخر تک یہی فرض کیا ہے کہ یہ دونوں بالکل ایک ہی چیز ہیں۔ ہمارے حدود و استصواب ہم پر یہ فرض عائد نہیں کرتے کہ ہم ذمہ دار حکومت کی موافقت میں لائل پیش کریں اور اسکی بین وجہ یہ کہ جب تک اس کانفرنس کا تعلق ہر اسکی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اس کانفرنس میں جو جماعتیں شامل ہیں انہیں بعض ایسی ہیں جو اپنی مطالبہ کو کامل آزادی کی بلند سطح پر کھتی ہیں لیکن ہمیں کسی ایسی جماعت کے وجود کا علم نہیں جو کامل نوآبادیوں کے طرز حکومت سے کم پر رضامند ہو جائے ہندوستان کے تمام سیاسی طبقوں میں اس مسئلہ پر شکل ہی سے کوئی اختلاف رائے ہے کہ ہندوستان کو برطانوی دولت مشترکہ میں ایک رکن کی حیثیت حاصل ہونی چاہئے۔ جائز طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کی منظم سیاسی جماعتوں میں اتفاق رائے کا بڑے سے بڑا مشترک عنصر یہ ہے کہ ہندوستان کی حیثیت کسی حال میں خود مختار نوآبادیوں مثلاً گنیڈا، اسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور دولت آزاد آئرلینڈ سے کم نہ ہونی چاہئے۔ مختصر یہ کہ نوآبادیوں کا سادرجہ حاصل کرنے کو ہم اپنے سیاسی ارتقاء کی ایک بعید منزل نہیں سمجھتے بلکہ نوری اگلا قدم۔ جب یہ خیال ہے تو معمولی حالات میں یہ غیر ضروری ہو گا کہ ہم اپنی سفارشوں کو حق بجانب ثابت کر کے لے

دجہ بیان کریں۔

غلط تفتیات | لیکن سرکاری حلقوں میں حال میں بعض غلط تفتیات اس غرض سے اٹھائی گئی ہیں کہ ہندوستان میں کسی قسم کی ذمہ دار حکومت کے قیام کو روکیں یا ایسے دیگر کرائیں۔ اس کا بہت احتمال ہے کہ ان معترضین کے دلائل مختلف مقامات سے مختلف شکلوں میں دہرائے جائیں گے۔ اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ اس تہید میں ان بادلوں کو منتشر کر دیں جو اصل مسئلہ کے گرد جمع ہو گئے ہیں معترضین کے دلائل کا خلاصہ یوں کیا جاسکتا ہے:-

(۱) ذمہ دار حکومت کے معنی لازمی طور پر نوآبادیوں کے درجہ اور حیثیت کے نہیں ہیں اور یہ اس درجہ کو کم حیثیت کی چیز بھی ہو سکتی ہے۔

(۲) پارلیمنٹ نے (ہندوستان کو) نوآبادیوں کا درجہ دینے کا کبھی وعدہ نہیں کیا۔

(۳) اقلیتوں کا مسئلہ اور ضروری جماعتی حالات کی عدم موجودگی کا بل ذمہ دار حکومت کو نظام پر عمل کرنے میں حائل ہیں۔

(۴) ہم میں (دشمنوں کے خلاف فوجی) مداخلت کی صلاحیت نہیں۔

(۵) ہندوستانی ریاستوں کا مسئلہ حل نہیں ہوا۔

(۶) یورپین تجارتی حلقوں اور ملازموں میں ایک طرح کی بے اطمینانی پھیلی ہوئی ہے۔

درجہ نوآبادیات | قانون دستور میں ”درجہ نوآبادیات“ ایک سمجھی بوجھی اصطلاح ہے اور اگرچہ پوری صحت کیساتھ اس کی تعریف کرنا مشکل ہے تاہم ہر شخص جو نوآبادیوں کے سیاسی اداروں کی تاریخ اور انکی نشوونما سے واقف ہو وہ سمجھتا ہے کہ اس کا کیا مفہوم ہے۔ ۱۹۲۶ء کی امپیریل کانفرنس میں خود مختار اقوام کی اس جمعیت کی حیثیت جس میں برطانیہ عظمیٰ اور نوآبادیات شامل ہیں یوں بتلائی گئی تھی

”یہ سلطنت برطانوی کے اندر خود مختار جماعتیں ہیں، ان سب کا درجہ برابر ہے،

اگرچہ تاج برطانیہ کی مشترک دفا داری ان سب کو باہم متحد کرتی ہے تاہم اپنے

اندرونی، یا بیرونی معاملات میں کسی طرح ایک دوسرے کی ماتحت نہیں؛ اور آزادی کے ساتھ بحیثیت رکن برطانوی دولت مشترکہ میں شریک ہیں۔“ (ملاحظہ ہو مکتبہ

کی کتاب (Responsible Government جلد ۲ ص ۱۲۲۷)

یہ قابل مصنف جس کی کتاب سوئم نے یہ قول نقل کیا ہے کہ ”یہ تعریف قابل قدر ہے اپنے قصد و ارادہ کی وجہ سے نہ کہ اس لئے کہ یہ مطمح نظر کے مقابلہ میں واقعات کی صحیح ترجمانی کرتی ہے۔“ ہم اس کے ارادہ و قصد ہی پر نظر کرنے پر قانع ہیں اور سوئم سمجھتے ہیں کہ درجہ نوآبادی کی بنیاد پر جو دستور بنا ہوا اس پر عمل کرنے میں برطانوی دولت مشترکہ کے دوسرے اراکین کے ساتھ جو دشواریاں پیش آئیں گی انہیں ”ہندوستانی ڈومینین“ کے معاملہ میں جیسا اس طرح حل کیا جاسیکے جس طرح دوسری نوآبادیوں کے معاملہ میں؛ یعنی ان صحیح اخلاقی اور سیاسی اثرات سے جو ایسی دولت مشترکہ کے ایسی تعلقات کو استوار کرتے ہیں اور کرنا بھی چاہئے، جو مختلف اقوام سے مرکب ہو۔

ذمہ دار حکومت تمام نوآبادیوں کے دستوروں کی مشترک خصوصیت یہ ہے کہ ان سب میں ہر جگہ ذمہ دار حکومت ہے یعنی حکومت کی وہ شکل جس میں قوت عالمہ جمہور کی منتخب کی ہوئی قوت آئین ساز کے سامنے جوابدہ ہو۔ ہر نوآبادی کی ”خود مختاری“ اور سیاسی قوت کی طرح ظہور پذیر ہوئی ہے۔ اور سوئم واقف نہیں کہ کہیں بھی ”ذمہ دار حکومت“ کے کوئی اور معنی لئے گئے ہوں اور سوائے ان جگہوں کے جہاں طرز حکومت یا اعلان متبدل ہے ہم کہیں اور یہ بھی نہیں پاتے کہ قوت آئین ساز کو ماتحت جگہ دی گئی ہو یا اس کے اختیارات پر قبو اور بندشیں عاید کی گئی ہوں۔

اگست ۱۹۱۷ء کا اعلان لیکن جیسے مقررین بتلاتے ہیں کہ اگست ۱۹۱۷ء کے اعلان میں ”خود اختیاری اداروں کے تدریجی نشوونما“ کا ذکر ہے ”تاکہ ہندوستان میں رفتہ رفتہ ذمہ دار حکومت قائم ہو جائے“ اور یہی الفاظ قانون حکومت ہند کی تہذیب میں بھی استعمال کئے

گئے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم میں سے جو لوگ انڈین نیشنل کانگریس کے رکن ہیں انہوں نے
 کبھی ان الفاظ کو تسلیم نہیں کیا۔ دوسرے یہ کہ ہم میں سے جنہوں نے ان تہیدی الفاظ کو
 تسلیم کیا تھا وہ ہرگز یہ یقین نہیں کر سکتے کہ ۱۹۱۶ء و ۱۹۱۷ء میں پارلیمنٹ یا برطانوی مدبرین
 نے بالارادہ اپنے ذہن میں کچھ چیزوں کو پوشیدہ رکھ کر گفتگو کی تھی اور ایسی زبان استعمال
 کی تھی جو ہندوستان کے اس مطالبہ کو رد کرنے میں کام آسکے کہ اسے نوآبادیوں کا درجہ
 دیا جائے۔ ۸ فروری ۱۹۲۲ء کو سر میلکم ہسلی نے جو اس وقت حکومت کے ہوم ممبر تھے
 اسمبلی میں جو تقریر کی تھی اس میں انہوں نے کہا تھا کہ وہ اگر آپ کا مل نوآبادیوں کی
 خود اختیاری حکومت کے الفاظ کی تحلیل کریں تو آپ دیکھیں گے کہ یہ ذرا زیادہ
 وسیع ہیں اور ان کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ قوت عاملہ قوت آئین ساز کے سامنے جوابدہ
 ہوگی بلکہ یہ بھی ہے کہ خود قوت آئین ساز کو وہ تمام اختیارات ہوں گے جو جدید نوآبادیوں
 کے ساتھ مخصوص ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں مفہوم کا فرق ہے کیونکہ ذمہ دار حکومت
 اور ایسی آئین ساز قوت میں کوئی لازمی تناقص نہیں جس کے اختیارات محدود یا کم ہوں۔
 یہ ہو سکتا ہے کہ ذمہ دار حکومت کا منطقی نتیجہ کامل نوآبادیوں جیسی خود اختیاری حکومت
 ہی ہو۔ یہی نہیں بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہی ذمہ دار حکومت کے نشوونما کی اگر ذرا اور
 تاریخی شکل ہو، لیکن یہ ایک کہے گا اور ایک آخری قدم ہے۔ اس تقریر کو ہم ہندوستان
 کے سرکاری حلقوں میں ایک جدید خیال کی ابتداء سے تعبیر کر سکتے ہیں اور ہم دیکھ رہے
 ہیں کہ اس کے بعد سے برابر بعض برطانوی مدبرین کی تقریروں اور برطانوی اخبارات
 میں سیاسین کی تحریروں سے اسی کی صدائے بازگشت آرہی ہے نیز ان کتابوں سے جو
 ہندوستان کی ذمہ دار حکومت کے ذمہ دار اراکین نے شائع کی ہیں۔ سر میلکم ہسلی
 کے دلائل اور دلائل کے عواقب کی تردید مجلس قانون ساز کے اراکین نے فوراً کر دی تھی
 اور اسمبلی سر باہر ہندوستانی رائے عامہ نے بھی اس کی تغلیط کر دی ہے۔

درجہ نوآبادیات اور ذمہ دار | ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ”درجہ نوآبادی“ اور ”ذمہ دار حکومت میں کوئی فرق نہیں“ میں جو فرق کیا گیا ہے وہ فرق ایسا ہے جو ۱۹۱۹ء یا ۱۹۱۹ء میں کبھی نہیں کیا گیا نہ ۲۰ اگست ۱۹۱۹ء کے اعلان کو ہندوستان سے اس معنی میں منوانے کی خواہش کی گئی کہ ملک معظم کی حکومت جس چیز کا وعدہ ہندوستان سے کرنا چاہتی تھی وہ نوآبادیوں کے درجہ سے کوئی کم درجہ کی چیز تھی یعنی ایسی ذمہ دار حکومت جس میں ”آئین ساز قوت محدود اور پابند ہو“ یہ کہنا کہ برطانوی مدبرین کا مطلب یہی تھا، ان کے ساتھ بالا راہ دو معنی الفاظ کے استعمال کو منسوب کرنا ہے اور اگر یہ سچ ہے تو برطانوی پارلیمنٹ کے وعدوں پر ان ہندوستانی سیاسی جماعتوں کا عقیدہ بھی پاش پاش ہو جائے گا جو اب تک یہ سمجھ کر کام کر رہے تھے کہ ہندوستان کی مقررہ منزل مقصود ”نوآبادیوں کا درجہ“ ہے۔ سر میکلم ہیلی خوب جانتے تھے کہ اس ہدایت نامہ میں جو ملک معظم نے گورنر جنرل کو بھیجا تھا اس مقصد کا حوالہ ہے کہ ”ہندوستان ہماری ملکوتوں میں اپنا جائز مرتبہ حاصل کر سکے“ اور انہوں نے اس ہدایت نامہ کا حوالہ یہ سمجھ کر دیا تھا، اگرچہ وہ یہ ثابت نہ کر سکے، کہ اس سے انکی دلیل کو تقویت پہنچے گی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس ہدایت نامہ سے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ بجائے اس کے کہ اس خیال کی تائید کریں جو سر میکلم ہیلی نے تھوہا ہے خیال کی تائید کرتے ہیں کہ ۱۹۱۹ء یا ۱۹۱۹ء میں نہ پارلیمنٹ نہ کوئی برطانوی مدبر ”ذمہ دار حکومت“ اور ”درجہ نوآبادی“ میں وہ باریک فرق کرتا تھا جس فرق کا کالنا ۱۹۲۲ء میں سر میکلم ہیلی کے حصہ میں آیا۔ یہ تو بالکل خارج از بحث ہے کہ ہندوستان اس معنی میں ذمہ دار حکومت پر راضی ہو سکتا ہے جس میں سر میکلم ہیلی اس لفظ کو استعمال فرماتے ہیں یعنی ایک ایسا نظام حکومت جس میں قوت آئین ساز کے ختسارات محدود اور پابند ہوں۔

ہندوستان کا صحیح درجہ | بہائے خیال میں تدریکاً تقاضا تو یہ تھا کہ ذمہ دار حکومت کے وعدے کی تفسیر و سمجھت نظر کے ساتھ کی جائے گی اور ایسی کسی تعبیر کے لئے مطلق کوئی موقع نہ ہوگا جو اگر

صحیح ہوتا زمانہ لوگوں کی دیانتداری پر اثر پڑے گا جنہوں نے یہ وعدہ کیا تھا، اور یقیناً اس تصویر کو ہندوستان میں ایک قلم مسترد کر دیا جائے گا۔ اگر اس نضاکو جس میں پارلیمنٹ نے یہ اعلان کیا تھا اور اس مطالبہ کہ جس کے جواب میں یہ اعلان ہوا اٹھایا د رکھا جائے، پھر اگر یہ بھی پیش نظر رہے کہ ٹھیک نوآبادیوں کی طرح ہندوستان نے صلح ناموں پر دستخط کر کے اپنے اودہ جمعیت اقوام کے اول اراکین میں رہا ہے اور ہے، تو شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ انگلستان ہندوستان سے عہد کر چکا ہو کہ برطانوی دولت مشترکہ میں اسکی جگہ بالکل وہی ہوگی جو کسی دوسری نوآبادی کی ہے۔ ہماری رائے میں ہندوستان کے مطالبات کو اس قسم کی موثر گنجائشوں سے نہیں ٹالا جاسکتا جو ۱۹۲۷ء میں حکومت ہند کے ہوم ممبر نے کیں اگر سر میکیم ہیلی کا یہ قول صحیح ہے کہ ذمہ دار حکومت کے نظام میں یہ ممکن ہے کہ قوت آئین ساز کے اختیارات محدود اور پابند ہوں تو پھر ظاہر ہو نوآبادی طرز کی حکومت خود اختیاری ذمہ دار حکومت کا منطقی نتیجہ نہیں ہو سکتی۔ بلکہ صرف ”ایک آگے کے اور آخری قدم“ کی حیثیت سے آ سکتی ہے جبکہ وہ حدود اور پابندیاں جو آئین ساز قوت کے اختیارات پر عائد تھیں ہٹا دی جائیں۔ یہ تو ہندوستان سے کھیل کرنا ہے اور اس احساس کشمکش کو مستقل بنانا جو اس وقت تک کہ ختم نہ ہو جائے ایک طرف تو انگلستان اور ہندوستان میں مخالفت کا روز افزوں سبب رہیگا اور دوسری طرف ہماری قوتوں کو خود اختیاری حکومت کے عملی کاموں اور جماعتی اور معاشی تعمیر نو میں صرف ہونے سے روکے گا۔ سر میکیم ہیلی کی تعبیر کے مقابلہ میں ہم ۲۳ دسمبر ۱۹۱۹ء کے اعلان شاہی کا حوالہ دیتے ہیں جس میں ملک معظم نے ۱۹۱۹ء کے قانون (حکومت ہند) کے متعلق فرمایا ہے کہ ”اس کے بعد کامل ذمہ دار حکومت“ کا راستہ دکھاتا ہے اور ”اس کے (ہندوستان کی) باشندوں کو اس حق کو تسلیم کرتا ہے کہ وہ اپنی معاملات ملکی کی تشکیل کریں اور انرا عرض ملکی کا تحفظ۔“ ہندوستان کی مجالس آئین ساز کے لئے ۱۹۲۷ء کے آخر میں جو انتخابات ہوئے انکا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر کیتھ کہتے ہیں کہ ”یہ اس وقت کی خبر دیتے ہیں جب ہندوستان کو کامل خود

مختاری حاصل ہوگی اور وہ برطانوی سلطنت میں تو آبادیوں اور خود دولت متحدہ کے ہم پلہ حیثیت رکھے گا۔ ہماری تعبیر بھی بس یہی ہے اور ہم حکومت ہند کے رکن کی اس تعبیر کو بیکرگز تسلیم نہیں کر سکتے جس سے علما پارلیمنٹ کے اعلان کی نفی ہو جاتی ہے۔ لہذا ہم نے اپنی سفارشات اس بنیاد پر کی ہیں کہ (۱) ہم سب متفق ہیں کہ نوآبادیوں کے درجہ سے کم کوئی چیز ہندوستان کو مطمئن نہیں کر سکتی اور (۲) ہندوستان میں جو طرز حکومت قائم کرنا ہے وہ وہی ہوگا اور اس سے کم نہ ہوگا جو دوسری خود مختار نوآبادیوں میں رائج ہے۔

درجہ نوآبادیات پر اعتراض: ہم ان متعدد اعتراضوں سے واقف ہیں جو ہندوستان کے لئے ”رائے داں“ اس قسم کی حکومت کی سوزنیت کے خلاف کئے گئے ہیں۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ ”رائے داں“ (Ballot Box) ہندوستان کی مخصوص ذہنیت کے لئے موزوں نہیں اور ہندوستان میں خود اختیاری حکومت ہو سکتی ہے بلا اس کے کہ لازمی طور پر موزوں حکومت بھی ہو۔ بلکہ ہمارے معترض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ پارلیمنٹری ادارے سوائے ان کے خود یورپ کے تمام ملکوں میں ناکام ثابت ہو چکے ہیں۔ باوجود اس قسم کے اعتراضات کے ذرا عجیب سی بات یہ کہ یورپ کے جس ملک نے استبدادی طرز حکومت سے منہ پھرا اس نے نئی نیکسی شکل میں پارلیمنٹری ادارے اختیار کئے ہیں۔ اٹلی یا روس کو جو سیاسی تجربوں کی انتہائی شکلیں ہیں ہمارے معترض ہمارے سامنے شکل ہی سے قابل تقلید مثال کی طرح پیش کر سکتے ہیں۔ اور یہ صرف یورپ ہی کے متعلق صحیح نہیں بلکہ مشرقی قوموں نے بھی مثلاً جاپان، ترکی، ایران نے پارلیمنٹری نوعیت ہی کے دستور بنائے ہیں۔ لیکن اگر ان لیجے کہ ”رائے داں“ ہندوستان کی مخصوص ذہنیت کے لئے موزوں نہیں تو پھر ہم پوچھتے ہیں کہ آخر دوسری کیا صورت خیالی نظر ہے؟“ (جواب میں) بعض خیالی نظریے پیش کئے گئے ہیں مثلاً یہ کہا گیا ہے کہ ہندوستان کو الگ الگ ریاستوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس قدیم طریقہ کے نمونہ پر جو ہندوستانی ریاستوں میں رائج ہیں۔ سرواٹھ لارنس فراتے ہیں کہ ”نئے بیت مقدس کے جو شیعہ معادل

کو کسی محفوظ اور مضبوط بنیاد پر اتر آنا چاہئے۔ یقیناً ہندوستانی ریاستوں کے قدیم اداروں کو اختیار کرنا اور انہیں ترقی دینا اس سے بہتر ہوگا کہ ایک ایسے نظام کا بگڑا ہوا چرہ آمار جائے اور اسے اور خراب کیا جائے جو صرف ان برطانوی حکام کے مضبوط ہاتھوں میں قابل برداشت ہو جو ریگے الگ تھلگ اور بالکل غیر جانبدار ہیں اور ہندوستانیوں کے لئے اسی طرح ناقابل فہم جیسے مصر کا ابوالہول“ (The India That We Served)

ص ۲۸۹) اس قسم کی پراگندہ خیالی تجویز کے صحیح معنی معلوم کرنا ذرا مشکل کام ہے۔ یقیناً یہ مطلب تو نہ ہوگا کہ ہندوستان کے صوبے یا ان صوبوں کے حصے دسی فرمانرواؤں کو دیکھنے جائیں یا برطانوی ہند کے منظر و نظر طبقوں سے فرمانرواؤں کی ایک نئی کھپ تیار کیجائے۔ یہ باشندگان ملک کی مرضی اور پارلیمنٹ کے وعدوں کے مطابق ہندوستان کے لئے دستور بنانا تو ہوگا بلکہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کی قبر پر رنگ تربت کی تحریر ہوگی جس سے مستقبل کا موتی خود اپنا نتیجہ اخذ کر لے گا۔ اس سے بھی زیادہ عجیب تجویز وہ ہے جو قدامت پسند جماعت کے ایک مشہور اخبار نے چند مہینے ہوئے پیش کی تھی یعنی حکومت مغل خاندان کے زندہ اخلاف میں سے کسی کو شہنشاہ دہلی کے مندر پر شکن کر دے۔ ہم کیسے یقین کر لیں کہ یہ بخیر سیاست ہو!

ہندی۔ برطانوی شراکت | اس کے علاوہ انگلستان میں بعض سابق گورنروں نے ہندی۔ برطانوی اشتراک کی تجویز کو نہایت سنجیدگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یہ لوگ یقین کرتے ہیں کہ ہندوستان کا سارا مسئلہ حل ہو جائے گا اگر ہندوستانی اس پر رضا مند ہو جائیں کہ وہ ہمیشہ ہندوستان کی اعلیٰ ملازمتوں میں انگریز عہدیداروں کی ایک مقررہ تعداد ضرور رکھیں گے۔ یہ تعداد ۵۰ فیصدی سے کم نہ ہوگی اس سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ ہمارے پاس اس بات کو باور کرنے کے معقول وجوہ موجود ہیں کہ بعض اعلیٰ طبقوں میں لوگ مقامات کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ اس وقت ہندوستان کے متعلق جو کچھ کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ (۱) بدلی ہوئی شکل کی حکومت قائم کر دیا جائے جس میں وزراء ہوں

جو قانون ساز جماعت کے منتخب شدہ اراکین میں سے مقرر کئے جائیں اور عہدیدار ہوں جن کا
تقرر بادشاہ کی طرف سے ہو اور جو جماعت قانون ساز کے سامنے نہیں بلکہ بادشاہ کے سامنے چاہد
ہوں۔ (۲) صوبوں میں ایوان خاص قائم کر لئے جائیں تاکہ قدامت پسند عنصر کو ابھارا جا سکے
اور غیر ذمہ دار ایوان عام کی عاجلانہ اور نا فہمانہ کارروائیوں کے لئے توازن پیدا ہو جائے
(۳) مرکزی حکومت کی ساخت اور ترکیب کو بالکل چھوڑ چھوڑا جائے اور (۴) اگر ہو سکے تو مرکزی
مجلس قانون ساز Legislative Assembly کو اس طرح کم نقصان

رساں بنا دیا جائے کہ وہ "سیالین کی قانون سازانہ کارروائیوں پر پابندیاں عاید
کر دی جائیں۔ اس لئے کہ گمان یہ ہو کہ یہ لوگ اپنے عہدہ کی کونسلوں والے آبادہ بہ مقامت
بھائیوں کے مقابلہ میں قوم کے کم نمائندہ ہیں۔ ممکن ہے کہ اس سب کو ہندوستان اور انگلستان
میں لوگوں کا کوئی طبقہ دستوری ترقی مانا ہو۔ ہماری رائے میں تو یہ ذمہ دار حکومت یا
نوابادوں کے درجہ سے بہت بڑی ہوئی چیز ہے۔

بیچ کی کوئی منزل نہیں | ہندوستان میں کامل ذمہ دار حکومت کے قیام میں یعنی اسے نوابادوں
کا درجہ دینے میں کتنی بھی دشواریاں بتائی جاتی ہوں لیکن واقعہ یہ ہو کہ موجودہ دوغلہ
نظام اور حقیقی ذمہ دار حکومت کے بیچ میں کوئی درمیانی منزل نہیں ہم جب اس مسئلہ کو اپنے
سامنے لاتے ہیں تو ہمیں یہ اس قدر حکومت یا انتظام ملے گی کہ کل پرزوں کے رنگ کا سون نہیں نظر
آتا جتنا کہ ان بنیادی اصولوں کا جن پر آئندہ حکومت کی بنیاد رکھی جائے۔ اگر گورنر جنرل کی مجلس
عالمہ کے تمام اراکین ہندوستانی ہوں اور اگر صوبوں میں دفتری حکومت کے سب رکن ہندوستانی
ہوں تو اس کے معنی صرف یہ ہونگے کہ ایک سفید دفتری حکومت کی جگہ ایک گندمی دفتری ستانے
لے لی ہے۔ ان الفاظ سے ہمارا مقصد دل آزاری نہیں۔ ہمارے ذہن میں تو اصل مسئلہ یہ ہے کہ
سیاسی اختیار اور ذمہ داری باشندگان انگلستان سے باشندگان ہندوستان کو منتقل ہو جائے۔
وزیر ہند | آج کل انگلستان کے لوگ ہندوستان کی ذمہ داری کس طرح پوری کرتے ہیں؟

انگریزوں کے دیوالا ہندوستان کے متعلق کچھ نہیں جانتا اور ہندوستان کے مسئلہ کے لئے اس کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا۔ وہ پارلیمنٹ میں چند نمائندے بھیجتا ہے اور یہ پارلیمنٹ فرقوں اور گروہوں میں منقسم ہے۔ ان نمائندوں میں سے اکثر ہندوستان سے بغایت ناواقف ہوتے ہیں اور ان کا نہایت مستقل عقیدہ ہوتا ہے کہ وزیر ہند جسے انہوں نے از روئے قانون کچھ اختیارات دیئے ہیں ہندوستان کے اغراض کی نگہبانی کے لئے بس ہے۔ خود وزیر ہند عموماً ایسا سیاست دان ہوتا ہے جسے براہ راست ہندوستان کے متعلق کوئی علم نہیں ہوتا اور وہ مجبور ہوتا ہے کہ ہندوستانی معاملات کے متعلق ساری معلومات یا تو حکومت ہند سے حاصل کرے، یا اپنے مستقل عملہ کے عہدہ داروں سے، یا انڈیا کونسل کے اراکین سے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ عملاً پارلیمنٹ کا اقتدار انڈیا آفس کی حکومت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ لہذا ہندوستان کی پہلی ضرورت تو یہ ہے کہ اس ٹولی کی حکومت کا خاتمہ ہو کہ یہ حکومت زمانہ قریب میں اکثر حقیقتوں سے ہندوستان کے بہترین مفاد کے لئے بیدار ہو اور خود حکومت ہند کی آزادی کے مخالف ثابت ہو جائے۔ حکومت ہند کی باگ ڈور اگر وزیر ہند کے ہاتھ میں نہ رکھنی ہو تو لازمی نتیجہ یہ ہے کہ سیاسی اختیار برطانوی رائے دینے والے ہندوستانی رائے دینے والے کو منتقل ہو جائے۔ ہندوستان کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس پر کسی ایسی قوت نے حکمرانی کی ہو جو براہ راست اپنے اختیارات کو مستعمل نہ کر سکتی ہو اور اس لئے مجبور ہو کہ اپنے اختیار اور اپنی قوت کو اپنے دکھار کو منتقل کرے یوں تو یہ نظام کسی ملک میں بھی غیر فطری ہے۔ ہوتا لیکن ہندوستان جیسے ملک میں جس کے معاشرتی اور معاشی مسائل اس قدر گونا گوں ہیں، اس صورت حال کا بلا تعین مدت برداشت کرنا ممکن ہی نہیں خصوصاً جب کہ اپنی صلاحیت کے ایک نئے احساس ایک نئے جذبہ خود غماری اور حب وطن کی ایک نئی روح نے اس میں ایک نئی قوت مہم کر پیدا کر دی ہے۔ لہذا قانون دستور کے لحاظ سے اور نیز بطور اصول کے ہم سمجھتے ہیں کہ ایسی کامل ذمہ دار حکومت سے کم کوئی چیز معاملہ کو سلجھا نہیں سکتی جس میں سیاسی قوت باشندگان ہند کو منتقل ہو جائے۔

ہندوستانی ریاستیں | اس سے اس مطالبہ کے خلاف کہ ہمیں نوآبادیات کو درجہ کی حکومت خود اختیار کی
ملتی چاہئے۔ عملی اعتراضات کو سرسلیکم ہیلی نے اس تقریر میں جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں چند سوالات
کی شکل میں پیش کیا تھا اس سے ہم اس نکتہ جلیبی کا نمونہ سمجھ سکتے ہیں جو ہمارے معترضین عموماً کیا کرتے ہیں
سرسلیکم ہیلی دریافت فرماتے ہیں کہ دونو آبادیوں جیسی حکومت خود اختیار کی صرف برطانوی ہند تک
محدود رہے گی یا ہندوستانی ریاستوں پر بھی حاوی ہوگی؟ ”ہم نے ایک علیحدہ باب میں اس
سوال کا جواب دینے کی کوشش کی اور ہم اس کی طرف توجہ منقطع کرنا چاہتے ہیں۔

اقلیتیں | دوسرا سوال جو سرسلیکم ہیلی نے کیا تھا اور جو ہمارے معترضین عموماً کرتے ہیں وہ ان
جامعات کی حیثیت کے متعلق تھا جو اقلیت میں ہیں۔ سرسلیکم ہیلی کی طرح ہم بھی اس میں ”مبالغہ
سے کام لینا نہیں چاہتے“ اور ان کی طرح ہم بھی سمجھتے ہیں کہ ”اسکا سامنا کرنا چاہئے“ ہم نے اپنی
ریورٹ میں اس کا سامنا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم نے اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کا
اتہام اعلان حقوق ہی میں نہیں کیا ہے جسے ہم ہندوستان کے مخصوص حالات میں ضروری سمجھتے
تھے، بلکہ قانون ساز جماعتوں میں اقلیتوں کی نمائندگی کے سوال کے سلسلہ میں بھی اس پر مفصل
بحث کی ہے لیکن ہم یہ ضرور بتانا چاہتے ہیں کہ اقلیتوں کا مسئلہ ہندوستان کے ساتھ مخصوص
نہیں ہے۔ جنگ کے بعد دستوروں کی تدوین میں دوسرے ممالک کو بھی اس مسئلہ سے دوچار
ہونا پڑا ہے لیکن اسے کبھی بھی ان ملکوں کو کاسل ترین حکومت خود اختیار کرنے کے خلاف دلیل یا
وجہ کے طور پر استعمال نہیں کیا گیا۔ ہم نہایت خلوص کے ساتھ کانفرنس سے سفارش کرتے ہیں
کہ اگر ہماری سفارشات میں اضافہ کر کے یا انکے علاوہ کسی دوسری بنیاد پر اقلیتوں کا مسئلہ طے
ہو سکے تو ملک کے دیلج تراور پانڈار تراغراض کی خاطر اس دوسری بنیاد کو ضرور قبول کر لینا
چاہئے۔

معاشرتی اور سیاسی حالات | ایک اور سوال جو سرسلیکم ہیلی نے کیا تھا اور جو دوسرے بھی عموماً کیا کرتے
ہیں یہ ہے کہ آیا ہم نے ”یہ بھی اطمینان کر لیا ہے کہ ہندوستان میں وہ معاشرتی اور سیاسی بنیادیں

بھی موجود ہیں جن کے بغیر یہ دستوری عبارت حفاظت کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتی " ایک طرح تو سرسکیم
 ہیلی نے اپنی تقریر میں خود اس سوال کا جواب دیدیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ " میں اس بات میں
 مبالغہ کی کام لینا نہیں چاہتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کسی ملک کو دستوری ترقی کے لئے اس وقت تک
 انتظار کرنا چاہئے جب تک اس کے لئے دہندوں میں تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد غالب نہ ہو ہم
 نے خود انگلستان میں اسکا انتظار نہیں کیا تھا۔ پھر میں اس سے بھی انکار نہیں کرنا چاہتا کہ اس ملک
 کے تعلیم یافتہ طبقہ کو لئے عامہ پر بڑا، بلکہ شاید غالب، اثر حاصل ہو، یقیناً ایسا اثر جسے اس کی تعداد
 سر کوئی نسبت نہیں لیکن میرے دعوے ضرور یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان میں سیاسی ترقی سماجی
 ترقی کو آگے بڑھ گئی ہے " ہم (اس سلسلہ میں) یہ بتادینا چاہتے ہیں کہ کوئی قومی حکومت جو جمہوری
 اصول پر مبنی ہوتی وہ معاشرتی ترقی کی طرف سے اس درجہ افسوسناک تغافل نہ بہت سکتی جتنا
 کہ اس دفتری حکومت نے برتا کچھ تو اس وجہ سے کہ یہ پر دہی حکومت ہو کچھ اس لئے کہ لوگوں میں
 غیر ہندو لہجہ نہ سمجھنے سے وہ فطرتاً گھبراتے ہو اور کچھ اس واسطے بھی کہ جو ہندوستان معاشرتی اعتبار
 سے مضبوط ہو گا وہ سیاسی طور پر بھی بہت زیادہ طاقتور ہو جائیگا۔ ہم انکار نہیں کرتے کہ معاشرتی
 ترقی کی ضرورت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ ضرورت نہایت شدید ہے۔ لیکن ہم محسوس کرتے ہیں کہ یہ
 ذمہ دار حکومت کے قیام کے موافق دلیل ہے اس کے مخالف نہیں کیونکہ ہمارا یقین ہے کہ جب تک
 ہمارے ہاتھ میں حتمی سیاسی قوت نہ آئے گی معاشرتی اصلاح کا کوئی صحیح لائحہ عمل بالکل خارج
 از بحث رہیگا۔ اسی کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی بتادینا چاہتے ہیں کہ اس ملک میں متعدد جماعتیں ہیں
 جن میں کام کرنے والے، مددینے والے اور روپیہ پہنچانے والے اسی ملک کے تعلیم یافتہ طبقہ
 کے لوگ ہیں اور جو سالہا سال سے معاشرتی اصلاح کا کام کر رہے ہیں اور انہوں نے معقول
 نتائج بھی حاصل کئے ہیں جنہیں ہمارے پر دہی معترضین نظر انداز کرتے ہیں اس لئے کہ وہ ہماری
 زندگی کے روشن پہلو کے بجائے اس کے تاریک پہلو پر زور دینا پسند کرتے ہیں، ہم ہرگز باور
 نہیں کر سکتے کہ مستقبل کی ذمہ دار حکومت عام تعلیم، پسماندہ طبقہ کی ترقی اور ہندوستان میں

دیہاتی زندگی کو معاشی اور معاشرتی حیثیت سے از سر نو پیدا کرنے کے سوالات کی طرف سے چشم پوشی کر کے گئی۔ کم از کم اس معاملہ میں تو موجودہ کونسلوں کا نامہ اعمال بھی باوجود انکو محدود مالی وسائل اور محدود اختیار کے یہ ظاہر کرتا ہے کہ کئی صدیوں میں کونسل کو ممبروں نے ابتدائی تعلیم کی طرف اس سے کہیں زیادہ توجہ کی ہے۔ جب تک کہ اس وقت ہوتی تھی جس زمانہ قبل اصلاحات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

یورپین تجارت و ملازمتیں | اس کے بعد یورپین تجارت کے مسائل ہمارے سامنے آتے ہیں اور ہم سے کہا جاتا ہے کہ ”جن لوگوں نے ہندوستان میں بڑی بڑی زمینیں لگائی ہیں اور جو روز لینے کا رو بار کو وسعت دے رہے ہیں انہیں حق حاصل ہے کہ پوچھیں کہ ہم عنقریب نظام حکومت میں کوئی تبدیلی کر سکیں یا نہیں رکھتے؟“ اسی طرح ہم سے کہا جاتا ہے کہ ”جو لوگ اعلیٰ ملازمتوں میں داخل ہوتے ہیں خواہ سول یا فوجی وہ چاہے یورپین ہوں چاہے ہندوستانی یہ فریضہ کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ ہم جلد حکومت میں کوئی بنیادی تغیر تو نہیں کرنے والے ہیں؟“ جہاں تک یورپین تجارت کا سوال ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ جن لوگوں نے ہندوستان میں بہت سا روپیہ لگایا ہے انہیں پریشان ہونے کی کیا وجہ ہے۔ یہ بات تو تصور میں بھی نہیں آ سکتی کہ کسی خاص قوم کے لئے جو ہندوستان میں جائز طور پر کاروبار کرتی ہو کوئی خاص جداگانہ قوانین بنائے جائیں گے۔ ہندوستانی تجارت اور یورپی تجارت دونوں کو پہلے بھی وہ مصائب برداشت کرنے پڑے ہیں جو بڑے پیمانہ کے تجارتی کاروبار میں ناگزیر ہیں اور آئندہ بھی یہ مصائب جھیلنے پڑیں گے۔ ممالک مغرب میں یا اور کہیں کوئی حکومت موثر طور پر سرمایہ اور محنت کی کٹکٹ کا منتقل اور پائدار حل فراہم نہیں کر سکتی ہے لیکن اگر یورپین تجارت کے کچھ خاص اغراض ایسے ہوں جن کے لئے آئندہ خاص برتاؤ کی ضرورت ہو تو قرین انصاف یہ ہے کہ ان اغراض کے تحفظ کے لئے یورپین تاجرانہی تبادیز تیار کریں اور ہمیں ذرا شبہ نہیں کہ جو لوگ سیاسی مسئلہ کے پرامن حل کے دل سے خواہاں ہیں وہ اس پر معقول غور کریں گے۔ جہاں تک

ملازمتوں کا تعلق جو ہم ان دفعات کی طرف توجہ دلائیں گے جو ہم نے اپنی رپورٹ میں تجویز کئے ہیں۔ اس معاوضہ، الاؤنس، پنشن وغیرہ کے متعلق جس کے یہ لوگ دولت مشترکہ ہندو کے قیام کے بعد مستحق ہوں گے، ہم نے ایک آئینی ضمانت رکھ دی ہے لیکن یہ بتلادینا ہمارا فرض ہے کہ آئینی کمیشن باوجود ہندوستانی مخالفت کے مقرر ہوا، اور ہندوستانی مجلس قانون ساز کی مخالفت میں اس کی سفارشیں منظور کی گئیں۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ آئندہ ان اعلیٰ ملازمتوں میں بھرتی، انکی تنخواہ، معاوضہ، الاؤنس اور پنشنوں سب پر ان نئے سیاسی حالات کی روشنی میں پھر غور و فکر کرنا ہوگا جو اس جدید دستور سے پیدا ہو جائیں گے، لیکن اسکے یہ سنی سرگز نہیں ہو سکتے کہ مستقل اعلیٰ ملازمتیں خواہ یورپین ہوں یا ہندوستانی وہ ذمہ و احکامات کے تحت اس سے کم اہم، یا کم با اثر یا کم محفوظ حیثیت رکھیں گی جتنی کہ انہیں خود مختار نوآبادیوں میں حاصل ہو۔

فوج کی نگرانی | آخری سوال جس کا ہم ذکر کریں گے تحفظ ملک کا سوال ہو۔ ہر ملک پہلی نے فرمایا تھا کہ وہ کامل نوآبادی درجہ کے معنی میں مملکت کی اپنی فوج جو مملکت کی حکومت کے پورے قابو میں ہو اور میں نے آج تک کوئی سنجیدگی سے سوچنے والا نہیں دیکھا جو سمجھتا ہو کہ ہندوستان اس وقت اس قابل ہے یا مستقبل قریب میں اس قابل ہو سکتا ہے کہ صحیح معنوں میں ایک فوج تیار کر لے۔ "پروفیسر کیتھ نے اس موضوع پر لکھتے ہوئے کہا ہے کہ "یہ تو تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستانی فوج میں عہدہ دار مقرر ہندوستانی ہوں، اور اسے اس معیار پر لایا جاسکے کہ یہ ملک میں امن قائم رکھ سکے بلکہ شاید سرحدوں کا تحفظ بھی کر سکے۔ لیکن اتنا یہ کام بہت سستی سے چلا کر غالباً یہ سچ ہے کہ فوج میں ہندوستانی عنصر کو بڑھانے کی تجویز برطانوی فوجی حلقوں میں زیادہ پسند نہیں کی گئی لیکن جو فوجی کمیشن لے سکتے تھے انکے لئے بھی امید واردوں کی طرف سے مایوس کن بے اعتنائی برتی گئی جس کی وجہ بلاشبہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنے لڑکوں کے لئے اچھی ملازمتیں چاہتے ہیں انہیں ہندوستانی سول سروس میں زیادہ فائدہ مند مواقع ہیں اور اس میں ہندو

کو اس تعصب کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑتا جو برطانوی فوج میں ان کے خلاف ہوا۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر قائم ہے کہ خود اختیاری حکومت بلا سندوستانی فوج کے ایک غیر ممکن چیز ہے۔ کتنی ہی احتجاجات ہوں اور کہتے ہی منظر سرے اور اسپرل حکومت کو کتنا ہی برا بھلا کہا جائے اس سے یہ حقیقت نہیں بدل سکتی۔

یہ درست ہے لیکن ہم اس دستوری مسلک کو تسلیم نہیں کر سکتے کہ بلا ایک ہندوستانی یعنی ملکتی فوج کے سندوستان نوآبادی درجہ حاصل نہیں کر سکتا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہندوستانی فوج کو پیدا کرنا نہیں ہے۔ وہ پہلے سے موجود ہے۔ دوسرے تاریخی حقیقت یہ ہے کہ متعزضین نے جو مسلک اختیار کیا ہے وہ غلط ہے۔

ہم اس موضوع پر سر سید اسوامی آئر کی اس تقریر سے کچھ حصہ نقل کرنا چاہتے ہیں جو انہوں نے ۱۸ فروری ۱۹۲۲ء کو مرکزی مجلس قانون ساز (اسبلی) میں کی تھی۔ سر سید اسوامی آئر وہ شخص ہیں جنہوں نے سندوستان میں فوج کے مسئلہ کا خاص طور پر مطالعہ کیا ہے اس لئے ان کی تقریر سے نقل کرنے میں ہمیں ذرا تاثر نہیں انہوں نے فرمایا: ”لیکن فوج کے مسئلہ کے متعلق مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ جہانگیر میں نے نوآبادیوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے کوئی نوآبادی اس وقت خود اپنی حفاظت کے قابل نہ تھی جب تک کہ حکومت خود اختیاری کا درجہ عطا کیا گیا۔ کئی سال تک تو نوآبادیاں اپنے تحفظ کے مصارف بھی نہ دے سکتی تھیں بلکہ انگلستان کی حکومت کو نوآبادیوں کے فوجی مصارف کے لئے رقوم ادا کرنی ہوتی تھیں۔ برخلاف اس کے ہم نے شروع ہی سے اپنی فوج کے مصارف آپ ادا کئے ہیں۔ ہم نے اپنی فوج کا خرچ ہی نہیں دیا بلکہ اس میں اپنے ہی آدمی بھی بھرتی کئے ہیں۔ ہم نے اپنی ہندوستانی فوج بھرتی کی ہے اور اس کا صرف اٹھواڑھواں حصہ اور ہم نے برطانوی فوجوں کے مصارف قیام بھی برداشت کرنا ہے۔ ہم تو اپنے ملک کے تحفظ کے معاملہ میں نوآبادیوں سے آگے جا چکے ہیں۔ بیشک سرسکیم سلی ٹھیک کہتی ہیں کہ کامل ملکتی حکومت خود اختیاری میں یہ ضروری ہے کہ ہم میں اپنے تحفظ کی صلاحیت ہو اور یہ صرف اس طرح نہیں کہ

ہم تحفظ کے مصارف برداشت کر سکیں بلکہ ہم فوج کے افسر فراہم کریں اور اس کا انتظام کر سکیں لیکن کسی نوآبادی کے ساتھ اس شرط پر اصرار نہیں کیا گیا۔ بیشک صرف جہاں تک اندرونی فساد سے بچنے کا تعلق ہو اس کے ضروری ہونے پر خود اختیاری حکومت ملنے کے چند سال بعد نوآبادی کو توجہ دلائی گئی تھی۔ لیکن جہاں تک خارجی حلوں سے تحفظ کا تعلق ہے میں نہیں سمجھتا کہ اب تک بھی ان پر یہ فرض حاید کیا گیا ہو۔ کم سے کم بحری مدافعت کے معاملہ میں تو یہ ذمہ داری ان پر نہیں ڈالی گئی ہے۔

فوج کے متعلق سفارشات | ہم نے اپنی رپورٹ میں سفارش کی ہو کہ ہندوستانی فوج کا انتظام بھی منتقل کر دیا جائے لیکن اس کے ساتھ افسروں کی تنخواہ، معاوضہ، الاؤنس اور پنشنوں کے متعلق ضروری ضمانتیں کر دی جائیں۔ ہمارا یقین ہے کہ اگر مجلس آئین ساز میں فوج کی نانہنگی ایک ذمہ دار وزیر کرے جو علی انتظام میں بلاشبہ ماہرین فن کے مشورہ پر عامل ہو تو اس سولانہی طور پر قوت قانون ساز اور فوج میں زیادہ قریبی تعلقات پیدا ہو جائیں گے اور اس طرح فوج کے لئے بلاروک ٹوک رقوم فراہم ہوتی رہیں گی۔ موجودہ صورت حال میں تو فوج کے تخمینہ جات ناقابل تحریف ہیں۔ آئین موجودہ کے ماتحت ان پر بحث ہی نہیں ہو سکتی سوائے اس حالت کے کہ گورنر جنرل اس کے خلاف ہدایت کرے، لیکن مجلس قانون سازی رائے کے ماتحت تو یہ کسی حالت میں نہیں آسکتے اس وقت صورت حال یہ ہے کہ بس یونٹ والی تجویز صرف ایک ایسی کوشش ہے کہ فوج میں ہندوستانی عنصر کو بڑایا جائے اور اس میں تیزی بھی کی گئی تو کم سے کم اس کے لئے ایک صدی کا عرصہ درکار ہوگا کہ فوج دائمی ہندوستانی فوج ہو جائے۔ اسکیں کمیٹی کی رپورٹ کا حشر جس نے یہ یونٹ والی تجویز کو برائے نام سب کو معلوم ہو۔ اور سینیڈہرسٹ میں ہندوستانی سینیڈہ کی تعداد بڑھانے کی تجویز مشکل ہی سے یہ اثر رکھ سکتی ہے کہ مقبول مدت میں فوج کو ہندوستانی فوج بنا دیا جائے۔ ہم اس خیال سے متفق نہیں کہ سینیڈہرسٹ کے لئے اسید داروں کی تعداد جس قدر رہی ہے اس سے بڑائی نہیں جاسکتی تھی۔ ہمارا گمان ہے کہ ایک ہی طرحیہ انتخاب ہاں

اس میں بہت کچھ خامیاں ہیں لیکن ہم یہ نہیں مانتے کہ اگر ہندوستان ہی میں ضروری تعلیم
 اختیار کیا جائے تو فوجی عہدہ داروں کی تیاری میں مناسب معیار کا رکھ دگی حاصل نہیں ہو سکتا
 ہندوستان کی ذمہ دار حکومت کا یہ پہلا کام ہونا چاہئے کہ اور چیزوں کی طرح ہندوستان کو فوجی
 معاملات میں بھی کافی بالذات بنائے چنانچہ ہم نے اپنی رپورٹ میں حکومت کے لئے ایک ایسی
 ذمہ داری پیدا کر دی ہے کہ فوجی مدرسے اور کالج قائم کرے۔ بطور مزید احتیاط کے کہ ہم نے تحفظ
 ملکی کے لئے ایک تحفظ کمیٹی کی سفارش بھی کی ہے جو کم و بیش مشہور رہنوں پر مبنی ہے۔

باب اول

کمٹی

اس کمیٹی کا جس کی رپورٹ پیش کرنے کا ہمیں اعزاز حاصل ہو ۱۹ مئی ۱۹۲۵ء کو آل پارٹیز کانفرنس نے اپنی پہلی اجلاس میں مندرجہ ذیل تجویز کے ساتھ تقرر کیا تھا۔

”یہ مجلس تجویز کرتی ہے کہ ایک کمیٹی جس میں پنڈت موتی لال نہرو صدر کی حیثیت سے اور سر تیج بہادر سپرو، سر علی امام، شریعت پرادمان، جناب شعیب قریشی، شریعت سوہاس چندربوس، شریعت مادھوراؤ آسنے، شریعت م۔ راجیا کار، شریعت ن۔ م۔ جوشی اور سردار منگل سنگھ شامل ہوں متقرر کی جائے، تاکہ وہ آئندہ یکم جولائی سے پیشتر آئین ہند کے اصولوں پر غور کرے اور انہیں متعین کرے پھر مسودہ رپورٹ کو مختلف انجمنوں میں اظہار رائے کے لئے بھیجے۔ اس کمیٹی کو چاہئے کہ فرقہ دارانہ اتحاد کے لئے جو قراردادیں اس کانگریس میں تجویز ہوئی تھیں اور اس کے ساتھ جو تجاویز ہندو مہاسہا، مسلم لیگ، سکھ لیگ اور دیگر ایسی انجمنوں میں جن کے مانڈے دہلی کی آل پارٹیز کانفرنس میں شریعتی طور پر ہیں اور نیز دیگر ایسے منوے جو بعد میں اسے دستیاب ہوں ان تمام پر مکمل ترین طریقہ فکر و تامل کرے نیز یہ کہ اس کمیٹی کو مناسب اہمیت ان سفارشات کو دینی چاہئے جو دہلی والی آل پارٹیز کانفرنس کی مختلف سب کمیٹیوں کی طرف سے پیش کی جائیں۔

آل پارٹیز کانفرنس دوبارہ اگست ۱۹۲۵ء کے شروع میں کمیٹی کی رپورٹ

پر غور کرنے کے لئے جمع ہوگی۔

مختصر تاریخ | قبل اس کے کہ ہم اس کمیٹی کے کام سے بحث کریں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان واقعات کی طرف اشارہ کر دیں جن کی وجہ سے کمیٹی کا تقرر کیا گیا۔

گواہی | انٹیل کانگریس کانگو ہائی کا اجلاس دسمبر ۱۹۳۳ء میں ایسے زمانہ میں واقع ہوا جب کہ ایک سخت اندوہناک حادثہ^(۱) نے فضا کو مگر کر دیا تھا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی اختلافات و مناسقات پورے زوروں پر تھے۔ کانگریس نے ایک تجویز منظور کی جس میں مجلس عالمہ کو یہ ہدایت کی گئی کہ ”وہ فوراً ہندو اور مسلمان رہنماؤں کے مشورے سے ان افہواک فرقہ دارانہ اختلافات کو رفع کرنے کی تدابیر نکالے اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سامنے زیادہ سے زیادہ ۳۱ مارچ ۱۹۳۴ء تک رپورٹ پیش کرے۔“

اس ہدایت کے بموجب اس سال کے صدر کانگریس اور جماعت عالمہ نے ہندو مسلمان رہنماؤں اور مرکزی مجلس قانون ساز کے اراکین سے متعدد بار نجی مشورے کئے۔

مسلم تجاویز | ۲۰ مارچ ۱۹۳۴ء کو بعض ممتاز مسلمان رہنما، دہلی میں جمع ہوئے اور انہوں نے چند تجاویز ہندو مسلم مسئلہ پر ہندوؤں اور ملک کے قبول کرنے کے لئے پیش کیں ان تجاویز میں جو ”مسلم تجاویز“ کے نام سے مشہور ہیں یہ درج تھا کہ مسلمان تمام صوبوں اور مرکزی مجلس قانون ساز میں مشترک حلقہ ہائے انتخاب کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ :-

(۱) سندھ کو ایک علیحدہ صوبہ بنادیا جائے۔

(۲) شمال مغربی سرحدی صوبہ اور بلوچستان کے ساتھ باہل دیگر صوبوں کی طرح برآد کیا جائے۔

(۳) پنجاب اور بنگال میں ناسنگگی کا تناسب آبادی کے مطابق ہو۔

(۴) مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کی ناسنگگی ایک تہ سے کم نہ ہو۔

(۱) سوامی شرما ہند کو ان کے بہتر حالات پر ایک مسلمان مذہبی دیوانے نے قتل کر دیا تھا۔

ان تجاویز کی اطلاع کانگریس کو کی گئی اور کانگریس کی جماعت عالم نے دوسرے ہی روز ایک تجویز اس مضمون کی منظوری کی کہ وہ مسلم کانفرنس کے اس فیصلہ کو کہ وہ مشترک حلقہ ہائے انتخاب کو قبول کرتے ہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہو اور یقین رکھتی ہو کہ ان تجاویز کی بنیاد پر ایک قابل اطمینان مخالفت پیدا ہو سکے گی۔ ایک سب کمیٹی بھی ہندو اور مسلمان رہنماؤں سے مشورہ کے لئے بنائی گئی۔

جماعت عالم | کانگریس کی مجلس عالم کا بمبئی میں دوبارہ ۵ مارچ سے ۱۲ مارچ تک اجلاس ہوا اور ایک طویل تجویز ہندو مسلم مسئلہ کے متعلق منظور ہوئی۔ یہ قرارداد مسلم تجاویز کی بنیاد پر مرتب کی گئی تھی لیکن ان سے زیادہ تفصیلی تھی اور اس میں بعض دوسرے معاملات کا بھی ذکر تھا۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی | بمبئی میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جو جلسہ انہیں تاریخوں میں ہوا اس میں اتفاق رائے سے منظوری ترمیمات کے ساتھ ہی قرارداد منظور کر لی گئی۔ ہندو رہنماؤں کی طرف سے جس خاص تبدیلی کا مشورہ دیا گیا وہ یہ تھی کہ سندھ کا صوبہ فرقہ وارانہ وجوہ کی بنا پر علیحدہ نہ کیا جائے بلکہ ایسے عام اسباب کی بنا پر علیحدہ کیا جائے جو تمام صوبوں پر منطبق ہو سکیں۔ قرارداد کے الفاظ میں تبدیلی کو اس اعتراض کا سدباب ہو گیا اور یہ اتفاق رائے منظور کی گئی۔

سوراج کا دستور | آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اس اجلاس میں ایک اور قرارداد بھی منظور ہوئی جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ مجلس عالم مرکزی اور صوبوں کی مجالس قانون ساز کے منتخب شدہ رکنوں اور سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں سے مشورہ کر کے ہندوستان کے نئے سوراج کا ایک ایسا دستور مرتب کرے جس کی بنیاد اعلان حقوق پر ہو۔

اکتوبر ۱۹۲۷ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ہندو مسلم اتحاد کے متعلق ایک اور قرارداد منظور کی مگر اس کا تعلق صرف مسئلہ کے مذہبی اور معاشرتی پہلو سے تھا۔

مدرس کانگریس | مدرس کانگریس نے پورے ہندو مسلم مسئلہ پر غور کیا اور ان عام اصولوں کے تحت جو سال کے شروع میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے مقرر کئے تھے ایک طویل قرارداد سیاسی، مذہبی اور دیگر حقوق کے متعلق منظور کی۔

سوراج کا دستور | سوراج کے دستور کے متعلق بھی کانگریس نے مندرجہ ذیل قرارداد منظور کی:-

”ملک کی تمام سیاسی جماعتوں کی اس عام خواہش کو مد نظر رکھ کر کہ وہ سوراج کے دستور کی ترتیب میں متفق ہو جائیں، اور ان مختلف مسودوں پر جو پیش کئے گئے اور ان مختلف تجاویز پر جو اجاعت عالمہ کی گشتی چٹھی کے جواب میں موصول ہوئیں، غور کر کے بعد کانگریس مجلس عامہ (جو فیڈرالیٹن کے شامل کرنے کا حق ہوگا) مجاز کرتی ہے کہ وہ اسی قسم کی ان دوسری کمیٹیوں سے مشورہ کرے جنہیں ملک کی سیاسی، تجارتی، فرقہ وارانہ اور فرد فرد کی انجمنیں مقرر کریں اور ہندوستان کے لئے سوراج کا ایک ایسا دستور مرتب کرے جو اعلان حقوق پر مبنی ہو۔ اور اس دستور کو بحث اور منظوری کے لئے اس خاص اجتماع میں پیش کرے جو آئندہ پانچ سے پہلے پہلے دہلی میں منعقد ہوگا اور جس میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ارکان اور متذکرہ بالا انجمنوں کے رہنما اور نمائندے اور مرکزی اور صوبوں کی مجالس قانون ساز کے منتخب شدہ اراکین شامل ہوں گے۔

اس کے فوراً بعد برلن فیڈریشن نے اپنے سالانہ اجلاس منعقدہ بمبئی میں تجاویز منظور کیں جن میں اس نے صدق دل سے ان ممتاز مسلم اراکین کے خلوص نیت کا اعتراف کیا جنہوں نے ہندو مسلم فرقوں کے باہمی اختلافات کے طے کر نیکے لئے یہ تجویز پیش کی اور اس بات کا مشورہ دیا کہ ”موجودہ تصنیف کی مختلف مدت پر کسی قریب کی تاریخ میں فرقوں کے نتیجہ نامزدوں کے درمیان اتحاد عمل کی سچی نیت کے ساتھ بحث و مباحثہ ہو جو مکمل اتفاق کی طرف رہنمائی کر سکے۔“

کچھ دنوں کے بعد مسلم لیگ کا اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا اور ایک قرارداد منظور ہوئی جس میں کہ لیگ کی کاؤنسل کو ایک ایسی سب کمیٹی کو تقرر کا اختیار دیا گیا ”جو انڈین نیشنل کانگریس اور ایسی دوسری انجمنوں سے مشورہ کرے جنہیں کونسل ہندوستان کا ایسا آئین بنانے کے لئے موزوں تصور کرے جس میں مسلمانوں کے حقوق کی پوری نگہداشت ۱۹۲۷ء کی متذکرہ بالا دہلی والی تجاؤ کے مطابق کی جاسکے۔“

انجمنوں کو دعوت | کانگریس کے رزلویشن کے مطابق کانگریس کی جماعت عالمہ نے انجمنوں کی ایک
کثیر تعداد کو دعوتی رقعے بھیجے۔ ان میں سے حسب ذیل قابل ذکر ہیں۔

نیشنل لبرل فیڈریشن

ہندو مہاسیما

آل انڈیا مسلم لیگ

مرکزی خلافت کمیٹی

مرکزی سکھ لیگ

جنوبی ہند کی لبرل فیڈریشن

آل انڈیا ریڈیو اینڈ ٹیلیوین کانگریس

تمام برہما کی انجمنوں کی جنرل کانونسل

ہوم رول لیگ

پبلکن لیگ

اسمبلی کی انڈینٹ پارٹی

اسمبلی کی نیشنل پارٹی

ہندوستانی ریاستوں کی رعایا کی انجمنیں

ہندوستانی ریاستوں کی رعایا کی کانفرنس

ہندوستانی ریاستوں کے باشندوں کی کانفرنس

انگلو انڈین ایسوسی ایشن

کلکتہ کی انڈین ایسوسی ایشن

بارسی سنٹرل ایسوسی ایشن

زورہ پورین ایسوسی ایشن

پارسی زاجلیا سبھا

پارسی نچات

ہندوستان کے عیسائیوں کی آل انڈیا کانفرنس

جنوبی ہند کی چیمبر آف کامرس

درداڑی مہاجن سبھا

ادوہہ، اگرہ، بہار، نیپال اور مدراس کے زمینداروں کی انجمنیں

اخیر میں بمبئی کے زمانہ قیام میں دعوتی رقبے بمبئی کی غیر برہمن پارٹی، قومی غیر برہمن پارٹی،
بمبئی کی کیونسٹ پارٹی اور بمبئی کے کسانوں اور مزدوروں کی جماعت کے نام بھی جاری کئے
گئے۔

دہلی کی آل پارٹیز کانفرنس | ان انجمنوں میں سے اکثر نے اپنے نمائندے کانفرنس میں جس کا پہلا اجلاس
۱۲ فروری ۱۹۲۸ء کو دہلی میں ہوا روانہ کئے۔ کانفرنس ۲۲ فروری تک روزانہ اپنے اجلاس
کرتی رہی۔

پہلا سوال جس پر کانفرنس میں مباحثہ ہوا وہ یہ تھا کہ دستور میں پیش نظر کیا مقصد ہونا
چاہئے۔ تجویز یہ کی گئی کہ دستور کو اپنا مقصد ہندوستان میں نوآبادی کے قسم کی حکومت کا قیام نہ لینا
چاہئے۔ اس پر اعتراض بعض اراکین کی طرف سے اس بنا پر ہوا کہ کانگریس نے مکمل آزادی کو
منزل مقصود قرار دے دیا ہے اس لئے اس سے کم درجہ کو منزل مقصود نہ قرار دینا چاہئے۔

یہ بات بالکل واضح تھی کہ تمام جماعتیں جن کی نمائندگی کانفرنس میں ہوئی تھی اس قدر دؤ
جائیکے لہو تیار نہ تھیں۔ بنا بریں یہ شورہ دیا گیا کہ ایک ایسا مطمح نظر معلوم کیا جائے جنہیں ہر نقطہ
خیال سما کیں۔ سوائے اس بات کے کہ وہ درجہ نوآبادی "میں تاج برطانیہ سے تعلق باقی رہتا ہے
اسکے معنی رفتہ رفتہ ایسے ہو گئے ہیں کہ مکمل آزادی اور اس میں تمیز نہیں ہو سکتی۔ دونوں کا اصلی
فرق قوتِ عاملہ کا فرق ہے۔ لیکن یہ ممکن تھا کہ عام اصول منضبط کر دئے جائیں اور جماعتِ عاملہ

کے متعلق اس منزل پر کوئی فیصلہ نہ کیا جائے۔ اس لئے کامل ذمہ دار حکومت کا مطمح نظر منظور کر لیا گیا۔ مگر یہ بات واضح کر دی گئی کہ جو لوگ مکمل آزادی پر اعتقاد رکھتے ہیں انہیں پوری آزادی ہوگی کہ وہ اس کے لئے پروپنڈا کریں یا دوسرے طریقوں سے اس کے حصول کی کوشش کرتے رہیں۔ کانفرنس کی پہلی تجویز حسب ذیل تھی:۔

”دستور کامل ذمہ دار حکومت کے قیام کو پیش نظر رکھ کر بنایا جائے“

پہلی کمیٹی | کانفرنس نے اس کے علاوہ صوبوں کی نئی تقسیم، حلقہ ہائے انتخاب اور نشستوں کے تحفظ کے متعلق بھی تجاویز منظور کیں۔ ۲۳ فروری ۱۹۲۵ء کو کانفرنس نے ایک کمیٹی کا تقرر کیا جسے مندرجہ ذیل مضامین پر رپورٹ پیش کرنی ہدایات کی گئیں:۔

آیا آئین کو دایوانی ہونا چاہئے یا ایک ایوانی، حق رائے و منہ گی، اعلان حقوق، مزدوروں کسانوں کے حقوق، ہندوستانی ریاستیں۔
کمیٹی کا تقرر کرنے کے بعد کانفرنس کا اجلاس ملتوی ہو گیا۔

کمیٹی نے اپنی رپورٹ مقررہ مدت میں پیش کر دی اور کانفرنس کا اجلاس دوبارہ ۸ مارچ ۱۹۲۵ء کو دہلی میں ہوا۔ اسی اثنا میں مسلم لیگ کی کانفرنس کا اجلاس بھی ہوا تھا اور اس میں آل پارٹیز کانفرنس کی تجاویز پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا تھا۔ کونسل نے اس کے علاوہ اس بات کی صراحت بھی کر دی تھی کہ اس کے ماسندوں کو دیگر انجمنوں کے ماسندوں سے وہ تجاویز منظور کرانے کی کوشش کرنی چاہئے جو لیگ کے اجلاس منعقدہ کلکتہ (۱۹۲۴ء) کی قراردادوں میں موجود تھیں۔ اور آخری نتیجے سے کانفرنس کو مطلع کرنا چاہئے تاکہ دستور بنانے کا کام شروع کرنے سے پہلے وہ ان کے متعلق مناسب کارروائی کر سکے۔

مسلم لیگ کونسل کے اس قرارداد سے کانفرنس کے لئے بڑی دشواری پیدا ہو گئی۔ اس کی رو سے مسلم لیگ کے ماسندے کمیٹی کی رپورٹ پر اس وقت تک غور کر سکتے تھے جب تک کہ ان کی

دوسری تجاویز پوری کی پوری منظوری نہ کر لی جائیں یا پھر لگیک کی کونسل سے ہدایات کے لئے مشورہ نہ کر لیا جائے۔

۸ مارچ ۱۹۲۵ء | ان نامساعد حالات میں کانفرنس کا اجتماع ہوا۔ فرقہ وارانہ مسائل پر کافی مباحثہ ہوا۔ اور معلوم یہ ہوا کہ مسلم لیگ اور ہندو سبھا کے نمائندوں میں سندھ کی علیحدگی اور اکثریت کے لئے نشستوں کے تحفظ کے مسائل پر اتفاق و خیال نہ تھا۔ آخر الذکر مطالبہ کے سیکھ بھی شدید مخالف تھے بنابریں ۱۱ مارچ ۱۹۲۵ء کو کانفرنس نے دو سب کمیٹیوں کا تقرر کیا۔ ان میں سے ایک کو سندھ کی علیحدگی کے مالی پہلو پر دریافت حال کرنے کی خدمت تفویض ہوئی اور دوسری کو نمائندگی باعتبار تناسب کے لایق عمل ہونے پر ۲۲ فروری کو جو کمیٹی مقرر کی گئی تھی اس کی رپورٹ پر مسلم لیگ کے نمائندوں کے اس فیصلہ کی وجہ سے مباحثہ میں کوئی حصہ نہ لیں کوئی غور نہ کیا جاسکا۔ کانفرنس نے رپورٹ کے نتائج کرنے اور گشت کرنے کا حکم دے دیا۔ ۱۵ مئی ۱۹۲۵ء تک کے لئے ملتوی ہو گئی۔

۱۱ اپریل ۱۹۲۵ء کے شروع میں ہندو سبھا کا اجلاس جیلپور میں ہوا اور وہاں بعض مسلم تجاویز شدید مخالفت کی قرار دیں منظور ہوئیں۔

بمبئی کا اجلاس | اس لئے جب آل پارٹیز کانفرنس دوبارہ بمبئی میں ۱۹ مئی ۱۹۲۵ء کو جمع ہوئی تو صورت حالات امید افزا نہ تھی۔ فرقہ وارانہ الجھنوں میں بعد بڑھ گیا تھا اور ان کے رویہ میں سختی پیدا ہو گئی تھی جس کے بدلے یا ترمیم کرنے کے لئے وہ آمادہ نہیں تھیں۔ پہلی میں جو دو سب کمیٹیاں سندھ اور نمائندگی باعتبار تناسب کے لئے مقرر ہوئی تھیں انہوں نے کوئی رپورٹ پیش نہیں کی تھی۔

اس منزل پر چونکہ کسی متفقہ اور اطمینان بخش حل کا امکان نہ تھا اس لئے یہ خیال کیا گیا کہ شاید ایک مختصر کمیٹی جو فرقہ وارانہ مسائل پر کثرتاً مجموعی غور کرے اور ترتیب دستور سے اس کے تعلق زیر نظر کرے کوئی راہ عمل نکال سکے۔ اس وجہ سے وہ قرارداد جو رپورٹ کی ابتدا میں درج کی گئی ہے منظور کی گئی۔

موجودہ کمیٹی | مناسب طریقہ پر کام کرنے کے لیے ضروری تھا کہ کمیٹی مختصر ہو۔ تمام اغراض کو اس کمیٹی میں ناسازگی دنیا ممکن نہ تھا لیکن اس بات کی ضرورت کو شش کی گئی کہ اہم نقطہ ہائے نگاہ کے حامی شامل کر لئے جائیں۔ سر علی امام اور سٹر شیب قریشی مسلم نقطہ نگاہ کو اظہار کے لیے مسٹر م۔ س۔ آئے اور مسٹر م۔ رجیا کاربند و سچا کے رویہ کی مسٹر ج۔ پردوان غیر رہمنوں کے خیال کی مدد و اشکل سنگھ سکھوں کی ناسازگی کے لیے اس نتیجہ پر ہر دو سپر دلہن نظر یہ کو ادرن۔ م جوشی مزدوروں کے مفاد کو پیش کر کے کمیٹی منتخب کر گئے۔

کانفرنس نے جن دس ممبروں کا انتخاب کیا ان میں سے مسٹر م۔ رجیا کاربند نے شرکت سے معذوری کا اظہار کیا۔ مسٹر ن۔ م جوشی نے کہا کہ وہ صرف اس وقت حصہ لیں گے جب مزدوروں کے حقوق پر غور کیا جائیگا۔ اور صورتِ امعات کچھ ایسی ہوئی کہ وہ کسی ایک جلسہ میں بھی شرکت نہ کر سکے صحت کی خرابی کی وجہ سے سر علی امام، بڑی زحمت اٹھا کر صرف ایک جلسہ میں شرکت کر سکے جس میں انکی موجودگی بہت میلن ہوئی۔ ہم وقتاً فوقتاً انکے مشورے سے بھی مستفید ہوئے، مسٹر پردوان کمیٹی کے اجلاسوں میں ۱۲ جون تک شریک رہے۔

رپورٹ میں تاخیر | کمیٹی سو استدعا کی گئی تھی کہ یکم جولائی سے قبل رپورٹ پیش کرے لیکن تمام کوششوں کے باوجود کہ کام وقت پر ختم ہو جائے کمیٹی وقت مقررہ کی پابندی سے مجبور نہ رہی۔ ہر جون و کمیٹی تقریباً بلا ناغہ متواتر کئی گفتگوں تک روزانہ اجلاس کرتی رہی اور نجی کانفرنسوں کے علاوہ اس کے ۲۵ اجلاس ہوئے۔

اتہائی اتفاق رائے | اگر کمیٹی مختصر ہو لیکن ایسے افراد پر مشتمل ہو جو مختلف سیاسی عقائد اور مختلف فرقہ واریتوں سے تعلق رکھتے ہیں حدود تقسیر میں کمیٹی کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ ان متعدد قرار دادوں پر غور و فکر کرے جو مختلف جماعتوں نے منظور کی تھیں اور جن میں سے بعض ایک دوسرے کے بالکل مخالف تھیں۔ کمل یا بڑی حد تک اتحاد کے لیے میں دو بڑی شکلیں حائل تھیں۔ پہلی شکل کانگریس اور دوسری انجمنوں کے عام زائدینہ نگاہ میں اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ اولیٰ ذکر

نے اپنے آخری اجلاس میں نزل مقصود مکمل آزادی کو قرار دے لیا تھا اور موخر الذکر درجہ نوآبادی کے آدرومند تھیں۔ دوسری شکل کا سبب مختلف نقطہ ہائے نظر تھے جن سے کہ مختلف فرقہ دارانہ جماعتیں اپنے سیاسی حقوق کو دیکھتی تھیں۔

مکمل آزادی اور درجہ نوآبادی [کیٹیگوری کو پہلی شکل کا سامنا بالکل ابتدا ہی میں کرنا پڑا۔ دہلی میں ایک دو معنی اصطلاح یعنی "کامل ذمہ دار حکومت" اس لئے اختیار کی گئی تھی کہ مکمل آزادی یا درجہ نوآبادی کے متعلق فیصلہ سوخت مل جائے۔ مگر کیٹیگوری نے محسوس کیا کہ دستور کے اصول کے وضع کرنے میں بھی دشواری ہوگی اگر اس سوال کا تصفیہ کم سے کم جہانگیر مسعود دستور کا تعلق ہے نہ کر لیا گیا۔ بعض ارکان کا یہ خیال تھا کہ دہلی میں جس جگہ پہنچ چکے تھے اسی جگہ قائم رہیں لیکن اکثریت رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ کسی ایک طرف تصفیہ کرنا ناگزیر ہے۔ یہ تصفیہ مندرجہ بالا حالات کی موجودگی میں جہاں اس قدر مختلف رائے جماعتوں کا اجتماع تھا صرف ایک ہو سکتا تھا اور وہ درجہ نوآبادی کے حق میں اس سربمذہر مقام پر عام اتفاق رائے ممکن نہ تھا لہذا دہلی کی اکثریت اس رائے کی حمایت ہوئی کہ ان کے حدود استصواب کا منشا یہ ہے کہ کیٹیگوری کامل ذمہ دار حکومت کے دستور کے اصولوں کو غور کر کے متعین کرے اور خود مختار نوآبادیوں کے دستوروں کو اپنے سامنے بطور نمونے کے رکھے۔

اس لئے دستور کے جن اصولوں کا ہم نے مشورہ دیا ہے وہ درجہ نوآبادی کے لمبی وضع کو گئے ہیں لیکن ان میں سے اکثر بلاشبہ مکمل آزادی کے دستور پر بھی پورے طریق پر منطبق ہو سکتے ہیں کیٹیگوری کی حیثیت سے ہمارا اس دستور کے حق میں فیصلہ صرف یہی رکھتا ہے کہ انتہائی اتفاق رائے صرف اسی بنیاد پر ممکن تھا۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ کسی کانگریس کے رکن نے اپنی انفرادی حیثیت سے یا خود کانگریس نے اپنی اجتماعی صورت میں مکمل آزادی کی نزل مقصود کو ترک یا ہٹا کر دیا ہے۔ وہ لوگ جو اس میں اعتقاد رکھتے ہیں اس کے لئے کام کرنے کا پورا حق رکھتے ہیں لیکن یہ یقین ہے کہ جو انتہائی اتفاق رائے اس طرح حاصل ہوا ہے وہ ایک ایسے دستور کے لئے قابل اطمینان بنیاد کا کام دے سکتا ہے جس پر عمل پیرا ہونے میں تمام جماعتیں متحد ہو سکیں

بلا اس کے کسی دوسری جماعت یا فرد کا آگے بڑھنے کا حق زائل ہو۔

فرقہ دارانہ پہلو | رہی دوسری شکل، سو دستور کے نقطہ خیال سے فرقہ دارانہ مناقشات کوئی بڑی اہمیت نہیں رکھتے۔ لیکن انکی اہمیت تقابلاً چلے جو کچھ بھی ہو مگر وہ لوگوں کے خیال میں اہم تر معاملات سے بڑھ کر جاگزیں ہیں اور تمام سیاسی کاروبار پر برا اثر ڈالتے ہیں۔ اور اس طرح ہم اپنے سامنے متعدد متضاد قراردادیں اور سفارشاتیں پاتے ہیں جن میں سے ہر ایک ہماری وقعت و احترام کی سادی طور پر مستحق ہے لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ مدراس کانگریس اور مسلم لیگ کا خیال اور مندر ہما سبھا اور سکھ لیگ کا خیال ایک دوسرے کو بالکل خلاف ہے تو ان دونوں کو مجموعی صورت میں قبول کرنے سے ہم بہ ادب معذوری ظاہر کرنے پر مجبور ہیں۔ دراصل خود یہ واقعہ کہ ہم سے استدعا کی گئی ہے کہ ہم ان مختلف نقطہ ہائے خیال پر غور کر نیکیے بعد دستور کے اصولوں کو وضع کریں۔ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم سے اس معاملہ میں قوت فیصلہ کو کام میں لانے کی توقع کی گئی ہے۔ اور ایسی سفارشات کے کو کہا گیا ہے جو ہماری رائے میں ملک کی سیاسی ارتقا کے لئے مفید ترین ہیں۔ ہمیں اسکا احساس ہے کہ ہماری سفارشات چاہے کسی قدر کمزور اور مصلحت وقت کے مطابق کیوں نہ ہوں صرف اسی حد تک زن اور اثر رکھیں گی جہاں تک کہ وہ تمام متعلقہ جماعتوں کے لئے لائق قبول ہو گئی۔

ایک متفقہ دستور کی امید صرف یہ وقت قائم ہو سکتی ہے جب کہ کل حالات پر اچھی طرح اور صفائی سے غور کر نیکیے بعد مضامین اور مساویانہ مفاہمت کی بنیاد و دریافت کر لی جائے کیسٹی نے اپنا بہت وقت اور محنت اس قسم کی بنیاد کے دریافت کرنے میں صرف کیا ہے اور خوش قسمتی سے اس معاملہ میں نہیں بہت سے ممتاز مسند دار مسلمانوں کے مشورے سے مدد ملی ہے جنہوں نے صدر کی دعوت پر کمٹی کو بعض جلسوں میں شرکت کی اور نہایت قابل قدر امداد بہم پہنچائی۔ اس سبھی کا نتیجہ مندرجہ ذیل صفحات میں پیش کیا جاتا ہے اس امید پر کہ اس کی پذیرائی تمام متعلقہ جماعتیں فیاضانہ جذبہ کے ساتھ کریں گی اور انکو پیش نظر بس یہ بات رہے گی کہ ایک دوسرے کی اس کام میں مدد کریں کہ قوم کو اس قدر عزت سے جس میں کہ وہ آپس کے مناقشات اور عدم اعتماد کی وجہ سے گر گئی نکالیں۔

شکریہ | ان لوگوں میں جنہوں نے صدر کی دعوت کو قبول فرمایا ڈاکٹر انصاری، پڈت
 مدن موہن مالویہ، مولانا ابوالکلام آزاد، مسٹری وائی چیتامنی، مولوی شفیع داؤدی، ڈاکٹر
 سیف الدین کچلو، مسٹر سچند انڈسٹریا، منشی ایشور سرن، ڈاکٹر سید محمود، چودہری خلیق الزمان،
 مسٹر تصدق احمد خاں شروانی تھے۔ ہم انکی قابل قدر اعانت اور اتحاد و عمل کے شکر گزار ہیں ہم
 خاص طور پر کانگریس کے صدر ڈاکٹر انصاری کے ممنون ہیں جو ہمارے جلسوں میں تین مرتبہ
 تشریف لائے اور جب کبھی ہمیں شکلیں درپیش ہوئیں ہماری دل کھول کر مدد کی۔ پڈت جواہر
 لال نہرو کانگریس کے جنرل سکرٹری خاص طور پر ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں جو سولے ایک مختصر
 ناگزیر غیر حاضری کے ہمیشہ کیٹی کے اجلاس میں موجود رہے علاوہ اعداد و شمار کی شفقت ترتیب
 جو اس رپورٹ کے ضمیمہ میں درج ہیں۔ انہوں نے کیٹی کے کام کی ہر منزل میں قابل قدر
 اعانت فرمائی۔

باب دوم

مسئلہ فقر و غارت پرانہ پہلو

مسئلہ کی نوعیت | ہندوستان میں فرقہ بندی کا مسئلہ دراصل ہندو مسلم مسئلہ ہی۔ مگر کچھ عرصہ سے دوسرے فرقوں نے بھی ایک چارہ اندرونی اختیار کر لیا ہے اور اپنے لئے خاص مراعات و حقوق کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ پنجاب میں سکھوں کی جماعت ایک اہم اور متحد اقلیت ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جو ہندوؤں میں کبھی کبھی تفریق پائی جاتی ہے خصوصاً جنوب میں برہمنوں اور غیر برہمنوں کے درمیان لیکن دراصل مسئلہ یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلاف کو کس طرح طے کیا جائے۔ یہی دونوں قومیں مل کر ہندوستان اور برہما کی کل آبادی میں نوے فیصدی ہیں۔ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی یہ تھا :-

آبادی کا تناسب

ہندو	۶۵.۶۹	فی صدی
مسلمان	۲۴.۱	"
بدھ مذہب کے پیرو (خاص طور پر برہما میں)	۴.۶	"
تہیلوں کے مذاہب (پہاڑی علاقوں میں)	۲.۸	"
عیسائی	۱.۲	"
سکھ	۱.۰	"
چین	۰.۶	"
دیگر	۰.۶	"
	۱۰۰	

گذشتہ مردم شماری کی رپورٹوں کے اعداد و شمار کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ہندوؤں اور جینیوں کی آبادی رفتہ رفتہ گھٹ رہی ہے اور بقیہ تمام مذاہب کے پیروؤں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ مسلمانوں کی تعداد میں کو کوئی معتد بہ اضافہ نہیں ہے مگر اضافہ مسلسل ہے۔ مندرجہ ذیل اعداد وافی صد کے اضافہ سے اس وقت تک ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد کا تناسب ظاہر ہو گا :-

۱۸۸۱ء ۱۸۹۱ء ۱۹۰۱ء ۱۹۱۱ء ۱۹۲۱ء

ہندو ۷۲.۰ ۷۰.۱ ۶۸.۳ ۶۶.۹ ۶۵.۹ ۶۴.۱

مسلمان ۲۲.۶ ۲۲.۲ ۲۳.۲ ۲۳.۵ ۲۴.۱ ۲۵.۱

مندرجہ بالا اعداد وافی صد تمام ہندوستان کی نسبت سے ہیں اگر ہم صرف مسلمانوں کی تعداد لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں گذشتہ سال کے اندر ۳۱ فی صدی کا اضافہ ہو گیا ہے اور ہندوؤں کی تعداد میں اسی زمانہ میں تھوڑی سی کمی واقع ہو گئی ہے۔

مسلمان آبادی کی تقسیم اس طرح ہے کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ اور پنجاب ننگال کو اگر نکال دیا جائے تو انکی ہر جگہ ایک چھوٹی اقلیت رہتی ہے ان کی سب سے بڑی اقلیت صوبجات متحدہ میں ہے لیکن یہاں بھی یہ ۵۱ فی صدی سے کم ہے۔ صوبجات متحدہ کی یہ ۵۱ فی صدی اقلیت تمام صوبہ میں پھیلی ہوئی نہیں ہے بلکہ شہری حلقوں میں مجتمع ہے خصوصاً صوبہ کے شمالی حصہ میں۔

پنجاب میں مسلمان ۵۵.۳ فی صدی میں اور ننگال میں ۵۴.۰ فی صدی۔ سندھ میں ۳۴.۲ فی صدی میں اور بلوچستان اور شمال مغربی سرحدی صوبہ میں وہ نہایت غالب اکثریت میں۔

فرقہ دارانہ تحفظ | ہندوستان میں ایک نو داروان اعداد و شمار کو دیکھ کر اور مسلمان قوم کی توت کا اندازہ کر کے غالباً یہ تصور کر لیا کہ یہ جماعت اتنی مضبوط ہے کہ آپ اپنی نگہبانی کر سکتی ہے اور دوسرے کسی خاص تحفظ یا مصنوعی پرورش کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہندوستان میں فرقہ دارانہ تحفظ کی ضرورت تسلیم کر لیا جائے تو اس کی سستی کسی عورت سے ہندوؤں اور مسلمانوں کی بڑی جماعتیں قرار نہیں دی جائیں گی۔

اس کی اگر ضرورت ہو سکتی ہے تو ان قلیل التعداد فرقوں کے لئے جن کی مجموعی تعداد کل آبادی میں صرف دس فیصدی ہے۔

زندہ ہوا و زندہ ہو دو | لیکن عقل و منطق کو فرقہ دارانہ جذبہ سے بہت کم تعلق ہے لیکن جیسا کہ پورے مسئلہ کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو اس کا حل صرف یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اُس بے بنیاد اندیشہ کو جو ہر ایک کے ذہن میں بے کمال دیا جائے اور اس کی جگہ تمام فرقوں کے دل میں ایک احساس حفظ و امان پیدا کیا جائے۔ اس احساس حفظ و امان کی جستجو میں ہر فرقہ کی خواہش ہے کہ اپنے لئے ایک مقتدر حیثیت قائم رکھے یا حاصل کرے یہیں یہ دیکھ کر رنج ہے کہ جو روح فرقہ بندی کے بعض علمبراروں میں جاری و ساری ہو رہی ہے وہ یہ نہیں ہے کہ خود زندہ رہو اور دوسروں کو زندہ نہ رہنے دو۔ احساس حفظ و امان کے پیدا کرنے کے طریقے صرف یہ ہیں کہ ضامتیں اور حفاظتیں پیدا کی جائیں جہاں تک ممکن ہو مدنی آزادی دی جائے (یعنی اپنی تہذیب و تمدن کے ترقی و رواج دینے میں ہر فرقہ کو آزاد چھوڑ دیا جائے)۔ یہ احساس حفظ و امان، جداگانہ حلقہ انتخاب اور نشستوں کے بعد سے اور قابل اعتراض طریقوں سے حاصل نہیں ہوتا۔ ان سے صرف ”ہتھیار بند“ کی سی صورت قائم ہوتی ہے۔

کل ہندوستان میں چونکہ مسلمان اقلیت میں ہیں اس لئے انہیں خوف ہے کہ اکثریت انہیں دق کرے گی اور اس شکل کو حل کرنے کے لئے انہوں نے ایک عجیب تجویز پیش کی ہے یعنی یہ کہ کم از کم ہندوستان کے بعض حصوں میں ان کا غلبہ ہے۔ ہم اس جگہ پر اس کے اس مطالبہ پر تشدد کرنا نہیں چاہتے بلکہ ہے موجودہ فرقہ دارانہ فضا پر نگاہ کرتے ہوئے اس میں کوئی جواز کا پہلو ہو۔ لیکن اس امر کا ہمیں ضرور احساس ہے کہ جن مقدمات سے ہم نے اپنی بحث کا آغاز کیا تھا ان سے اس کا کوئی تعلق نہیں سوائے اس کے کہ بہترین تحفظ کی صورت یہی ہو کہ انسان خود غلبہ حاصل کرے۔ دوسری طرف ہندو اگرچہ تمام ہندوستان میں بڑی اکثریت میں ہیں مگر بنگال، پنجاب، سندھ، بلوچستان اور شمال مغربی سرحدی صوبہ میں انکی تعداد کم ہے۔ کل ہندوستان میں اکثریت ہونے کے باوجود ان صوبوں میں وہ مسلمانوں سے خائف ہیں۔

ہم ایک فرقہ کا دوسرے فرقہ پر غلبہ نہیں چاہتے۔ ممکن ہے ہم پر اسے طور پر اسکا سدا ب نہ لگیں لیکن جو مقصد ہمارے پیش نظر ہونا چاہئے وہ یہ ہے کہ ایک کو دوسرے پر اقتدار نہ حاصل ہو بلکہ ہر فرد اور جماعت کو دوسرے فرد اور جماعت کے ظلم و تعدی سے بچایا جائے۔ اگر مکمل مذہبی آزادی دیدی جائے اور اپنی تہذیب تمدن کو فروغ دینے کا ہر فرقہ کو اختیار دے دیا جائے تو گو لوگ اس کو نہ سمجھ سکیں لیکن عملاً فرقہ بندی کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

فرقہ دارانہ مجلسیں | اس نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نے اعلان حقوق میں متعدد دفعات ایسے رکھے ہیں جن سے ہر فرد کو ضمیر اور مذہب کی مکمل آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔ ہم نے فرقہ دارانہ مجلس کی تخلیق کی تجویز پر بھی غور کیا تاکہ تمام بڑے فرقوں کے تمدنی اغراض کا تحفظ ہو سکے۔ تجویز یہ تھی کہ ہر وہ فرقہ جس کی تعداد کسی صوبہ میں دس لاکھ، یا زیادہ ہو اسکا مستحق ہو گا کہ ان مقاصد کے لئے جو بجا تجویز میں ذکر تھا ایک مجلس اپنے فرقہ کے نمائندوں کی بنائے۔ اس بات کا فیصلہ صوبہ کی کاؤنسل پر چھوڑا گیا تھا کہ مختلف فرقے ان مجالس کے لئے اپنے نمائندوں کو کس طرح منتخب کریں گے۔ ہر مجلس کے ارکان کی تعداد یکساں سے زیادہ نہ ہوگی۔ فرقہ دارانہ مجلس کے ذمہ مندرجہ ذیل کام ہونگے۔

(۱) ابتدائی تعلیم، درس گاہوں، یتیم خانوں، سیوہ خانوں، دہرم شالوں، سرائوں اور ملاوی مرکزوں کی نگرانی۔

(۲) زبانوں اور رسم الخط کی سرپرستی و اعانت۔

فرقہ دارانہ مجلسوں کو اس تجویز میں یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ انجمنوں اور مدرسوں کے لئے مالی امداد اور وظیفوں کی سفارش کریں یہ امدادی قریب جماعت قانون ساز سے لئے لینے کے بعد صوبہ کی اور مرکزی حکومت دے گی۔

فرقہ دارانہ مجالس کے متعلق خاص باتیں یہ تھیں۔ یہ خیال نہیں اس لئے تو لیا گیا کہ فرقہ بندی کا دوسری اور زیادہ بڑی شکلوں سے کچھ بہتر صورت تھی لیکن ہمارے بعض ساتھی اور متعدد احباب نے جن سے ہم نے مشورہ کیا اس تجویز کی نہایت سختی کے ساتھ، فرقہ دارانہ اور انتظامی وجوہ اور

اسباب کی بنیاد پر مخالفت کی، اٹکایہ خیال تھا کہ یہ مجالس فرقہ بندی کو زندہ رکھنے میں مدد دیں گی اس لئے ہم نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔

سیاسی پہلو سے فرقہ وارانہ مسئلہ ان مسائل میں تقسیم ہو جاتا ہے یعنی حلقہ ہائے انتخاب نشستوں کا تحفظ، زندہ کی علیحدگی، بلوچستان اور شمالی مغربی سرحدی صوبہ کا طسریقہ حکومت۔

جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب | اب اس امر کا عام طور پر اعتراف کیا جاتا ہے کہ جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب ستر ہزار بڑی چیز ہیں اور ان کو ختم کر دینا چاہئے لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں یہ رجحان رہا ہے کہ ان کو قسیمی حق سمجھیں۔ گو یہ صحیح ہے کہ ایک مقتدرہ حصہ اس بات کے لئے تیار ہے کہ ان کو کسی دوسری چیز کے عوض ترک کر دے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب قومی روح کے نشوونما کے لئے مضر ہیں لیکن شاید ہر شخص اس بات کو نہیں سمجھتا کہ جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب اقلیت کیلئے اور بھی زیادہ مضر ہیں۔ وہ اکثریت کو اقلیت اور اس کی رائے کو بالکل بے نیاز اور عموماً مخالف کرتے ہیں۔ جداگانہ حلقہ انتخاب میں امکان یہ ہے کہ اقلیت کو ہمیشہ ایک مخالف اکثریت کا مقابلہ کرنا پڑے گا جو محض تعداد کے زور پر ہمیشہ اس کی خواہشات کو بالبال کر سکیگی، جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کا یہ اثر نمایاں ہونا شروع ہو گیا ہے۔ اگرچہ ایک تیسرے فریق کی موجودگی کی وجہ سے مسئلہ میں الجھاؤ پیدا ہو گیا ہے اس طرح جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب صرف اکثریت کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ شدید فرقہ پرور لوگ اس کے سایہ میں فروغ پاتے ہیں اور اکثریت بجائے نقصان اٹھانے کے دراصل فائدہ حاصل کرتی ہے اسلئے ناسندگی کے معقول نظام کے قیام کی پہلی شرط یہ ہے کہ جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب یک نغمہ نسوخت کر کے جائیں۔ ہمارے لئے یہ مخلصانہ شرط ہے۔ حلقہ ہائے انتخاب ہونا چاہئیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ سیلون، یفام، انکوار، کی کمیٹی کی تجدید رپورٹ شائع ہوئی ہے اس میں تمام جزیرہ کے لئے جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کو ترک کر کے یک نغمہ نسوخت کی سفارش کی گئی ہے۔

شمالی مغربی سرحدی صوبہ | بلوچستان اور سرحدی صوبہ کے طرز حکومت کے متعلق ہماری رائے ہے کہ ان رتبوں کا رتبہ دہی کر دیا جائے جو دوسرے صوبوں کا ہے۔ ہم عقلاً و انصافاً

اور بلوچستان

ہندوستان کے کسی حصہ کے اس حق سے انکار نہیں کر سکتے کہ وہ ذرہ حکومت میں شریک ہو آل پارٹیز کانفرنس نے اس سے اتفاق کر لیا ہے اور یہیں معلوم ہوا ہے کہ کوئی قابل لحاظ جماعت اس معقول مطالبہ کی مخالفت نہیں کرتی۔

جو مسائل باقی رہ جاتے ہیں وہ بمبئی سے سندھ کی علیحدگی اور مجالس قانون ساز میں نشستوں کا تحفظ ہیں۔ ان مسائل کی دو گونہ اہمیت ہے فرقہ وارانہ اور عام۔ ہم نے نشستوں کے تحفظ کے مسئلہ پر فرقہ وارانہ اور عام پہلو سے غور و بحث کو ایک دوسرے بائیں لکھ چھوڑ دیا ہے یہاں علیحدگی سندھ کے مسئلہ کے فرقہ وارانہ پہلو کا سہولت کے ساتھ تصنیف کیا جاسکتا ہے اور ہم اس کام کو شروع کرتے ہیں۔

سندھ واقعات کے ایک عجیب پلانڈ نے سندھ کو ہماری سیاسیات میں ایک معرکہ الہا ارا حثیت دیدی ہے یہ عجیب بات ہے کہ وہ لوگ جو بمبئی سے اس کی علیحدگی کے چند سال پیشتر موافق تھے اب مخالف ہو گئے ہیں اور وہ لوگ جو اس کی علیحدگی کے مخالف تھے اب نہایت شد و مد سے اس بات کی خواہش کرتے ہیں۔

تمام ہندوستان اس معمولی سے مسئلہ پر بحث میں مبتلا ہے۔ یہ فوری اور ایک حد تک ناقابل فہم تبدیلی ثابت کرتی ہے کہ فرقہ وارانہ خیالات ہماری قوت فیصلہ کی اعلیٰ طاقت کو کس طرح کمزور اور مجروح کر دیتے ہیں۔ گذشتہ آٹھ برس میں جب سو کہ قومی کانگریس نے سندھ کو ایک علیحدہ صوبہ بنادیا ہے اس کے خلاف ایک آواز نہیں اٹھی۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ فرقہ وارانہ رد و قلع اور اختلاف آراء کے موقع پر سلامت آدمی کا تقاضا یہ ہے کہ اس قسم کے تمام دلائل و وجوہ کی طرف توجہ نہ کی جائے اور مسئلہ پر جلد رٹھنڈے دے دیں سے ممکن ہو سکے غور و فکر کیا جائے لیکن قدمی سے یہ لوگوں کے جذبات کا ایک جزو بن گیا ہے اور جذبات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

سندھ اور دیگر مقامات کے ہندوؤں کی طرف سے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ فرقہ وارانہ صوبوں کے بنائے جانے کے سخت مخالف ہیں۔ ہمیں اس سے اتفاق ہے کہ سندھ کی علیحدگی کے لئے مسلمانوں کا مطالبہ مناسب ترین الفاظ میں پیش کیا گیا ہے اس کی بنیاد فرقہ بندی پر رکھی گئی اور ان کو بعض ایسی بے تعلق چیزوں کے ساتھ تھی کروایا گیا جن سے اس مسئلہ کا کوئی سروکار نہ تھا۔ ہندوؤں کا

طرف سے جو اس کا جواب دیا گیا وہ سمجھ میں آتا ہے لیکن ایک تجویز کے پیش کر نیکیے طریقے سے اس کے محاسن میں کوئی فرق نہیں آتا سوال ایک، "فرقہ دارانہ صوبہ" کی تخلیق کا نہیں ہے۔ ہیں واقعات کو واقعات کی طرح دیکھنا چاہئے۔ تاریخی واقعات کا ایک طویل سلسلہ ہندوستان کی آبادی کی موجودہ تقسیم کا ذمہ دار ہے۔ سندھ میں اتفاق وقت سے کثیر تعداد مسلمانوں کی ہے چاہے آپ ایک نیا صوبہ بنائیں یا نہ بنائیں سندھ کے علاقہ میں غلبہ مسلمانوں کا رہے گا۔ اور اگر اس بڑی اکثریت کی خواہشات منظور نہ کی گئیں تو اس کے نہ صرف اپنے معاملات کو آپ طے کرنے کا اصول پامال ہوگا بلکہ لازماً اکثریت میں ایک جذبہ عناد پیدا ہوگا۔ کوئی ہندوستانی جس کی تمنا ہندوستان کو آزاد دیکھنے کی ہے اور جو اسے پرامن اور ہم آہنگ طریقہ پر رتی کرنا ہو دیکھنا چاہتا ہے اس نتیجہ سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔ وسیع قومی نقطہ نگاہ سے یہ کہنا کہ کوئی فرقہ دارانہ صوبہ نہ تخلیق کیا جائے ایک طرح پر اس کے مرادف ہے کہ آپ وسیع تر بین الاقوامی نقطہ نگاہ سے کہیں کہ جسد اگانہ قوموں کا وجود معدوم ہونا چاہئے۔ ان دونوں بیانات میں تھوڑی بہت سچائی ہے لیکن نہایت کٹر بین الاقوامی بھی اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ بلا مکمل ترین قومی خود مختاری کے بین الاقوامی ریاست کا قائم کرنا غیر معمولی طور پر دشوار ہے۔ بعینہ اسی انداز میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ بلا مکمل ترین تمدنی آزادی کے (اور فرقہ بندی اپنی بہترین شکل میں اختلاف تمدن ہی کا نام ہے) ایک ہم آہنگ قوم کا پیدا کرنا دشوار ہے۔

ہمیں شبہ ہے کہ علیحدگی کی حقیقی مخالفت کسی اعلیٰ قومی تخیل کی بنا پر نہیں ہے بلکہ محض پست اقتصادی اغراض اس کے محرک ہیں۔ ہندوؤں کو خوف ہے کہ ان کی اقتصادی حیثیت کو صدمہ پہنچے گا اگر مسلمانوں کو اس علیحدہ علاقہ میں انتظام مملکت تفویض کر دیا گیا۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ خوف بے بنیاد ہے ہندوستان کی تمام آبادی میں سندھ کے ہندوؤں سے زیادہ العزم اور عالی بہت ہیں۔ سیاح انہیں چار دانگ عالم میں پاتا ہے۔ ہر جگہ ان کا نہایت اچھا کاروبار ہے اور پردیس کی کمائی سے یہ اپنے گھر کے لوگوں کو مالا مال کرتے ہیں۔ سندھ کے ہندوؤں سے ان کی یہ العزمی اور عالی ہمتی کوئی شخص نہیں چھین سکتا اور جس وقت تک انہیں یہ یقین ہے کہ مستقبل محفوظ ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی نظر انداز نہ کرنا

چاہئے کہ ایک صوبہ کی حکومت کے اختیارات محدود ہیں اور ایک مرکزی حکومت بھی ہر چیز تمام اہم محکموں میں اقدار حاصل ہے لیکن اگر اس کے بعد بھی کسی خوف کی وجہ باقی رہتی ہو تو مسئلہ تداریک حفظ کارہیجا آئے نہ کہ اس جائز مطالبہ کی مخالفت کا۔

اس لیے ہماری یہ رائے ہے کہ محض فرقہ دارانہ دلائل سے بھی مسئلہ کی علیحدگی ثابت ہوتی ہے اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ مندروں کو اس کی وجہ سے نقصان ہوتا ہے اور مسلمانوں کو فائدہ جس کا کہ ہمیں کوئی احتمال نظر نہیں آتا تو ہمیں امیدوار یقین ہے کہ ایک کے نقصان کو اندیشہ و رد دوسرے کے فائدہ کے امکان کو وسیع تر مقاصد کے حصول میں حاصل نہ ہونے دیا جائیگا۔ ہم اس مسئلہ کے عام پہلو پر بعد میں بحث کریں گے۔ ہم اس امر کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے شریک کار سٹر آئے ہمارے تمام مندر بھالہ خیالات سے اتفاق نہیں رکھتے گو نتیجہ میں وہ ہم سے متفق ہیں۔

باب سوم

مسئلہ کافر قہ وارانہ پہلو گذشتہ سی پٹی

نشستوں کا تحفظ

تبادل تجاویز | جہاں تک نشستوں کے تحفظ کا سوال ہے یہ معلوم ہوا کہ ہر جماعت اپنی رائے پر شدت کیا تھ قائم تھی اور کسی طرح اسکو چھوڑنے پر تیار نہ تھی، مسلمان مصر تھے کہ پنجاب اور بنگال کی اکثریتوں کے لئے نشستوں کا تحفظ ہوا اور ہندو مہاسیما اور سکھ لیگ اسی قدر شدت کے ساتھ اسکی مخالفت تھیں، کمیٹی نے مختلف تجاویز پر غور کیا جن میں سے بعض درج ذیل ہیں۔

- ۱۔ اقلیت اور اکثریت دونوں کے لئے آبادی کی بنیاد پر نشستوں کا تحفظ کیا جائے۔
- ۲۔ اکثریتوں کے لئے کچھ نشستوں کا تحفظ ہوا اور باقی نشستوں کے لئے انکو مقابلہ کی اجازت اور آزادی ہو۔

۳۔ نمائندگی بہ اعتبار تناسب ہو۔

- ۴۔ صوبہ پنجاب اور صوبہ سرحد کی کوٹا دیا جائے اور نشستوں کا کوئی تحفظ نہ ہو۔
- ۵۔ نشستوں کا کوئی تحفظ نہ ہو بلکہ دستور اساسی میں پست اور غیر ترقی یافتہ جماعتوں کی اقتصاد اور تعلیمی ترقی کے لئے مخصوص حفاظتی تدابیر رکھی جائیں۔

قبل اس کے کہ ان تجاویز پر غور کیا جاتا جن میں سے بعض بالکل نئی تھیں کمیٹی کی رائے ہوئی کہ جن بڑی بڑی جماعتوں کا اس سے تعلق ہے انکے نمائندوں سے پہلے مشورہ کر لیا جائے۔ چنانچہ امر جون کو ایک دعوت نامہ ہندو مہاسیما، آل انڈیا مسلم لیگ اور سکھ لیگ کے پاس بھیجا گیا کہ اپنی اپنی جماعت کی طرف سے ایک ایک یا دو دو نمائندے ۲۱ جون کو کمیٹی کے لئے مشورہ کریں گے۔ لیکن

ان دعوت ناموں کا جواب بہت زیادہ بہت افراتہ تھا۔ ہندو مہاسیحا کے ناظم نے جواب دیا کہ وہ اس تاریخ پر اپنے کسی نمائندے کو بھیجنے سے معذور ہیں۔ اور ناظم مسلم لیگ نے کوئی جواب ہی نہیں دیا۔ سکھ لیگ اپنا نمائندہ بھیجے کو تیار تھی لیکن چونکہ ہندو مہاسیحا اور مسلم لیگ کسی کو نہیں بھیج رہی تھیں اسلئے ہمارے رفیق سرورنگل سنگھ نے اس کو ضروری نہیں خیال کیا کہ صرف سکھوں کے نمائندہ کو آنے کی زحمت دے جائے بعض دیگر حضرات جو ذاتی طور پر مدعو کئے گئے تھے وہ بھی نہ آ سکے۔ البتہ ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری سے مشورہ کا ہمیں شرف حاصل ہوا جنہوں نے بذات خود تشریف لاکر درانی کے سے ہمیں سرفراز فرمانے کی زحمت گوارا کی۔

مندرجہ بالا تجاویز پر بحث و تمحیص دو متوازی نشستوں میں کی گئی جن میں ڈاکٹر انصاری صاحب بھی موجود تھے پہلی تجویز پر کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا لیکن تقسیم چار کے متعلق فیصلہ کیا گیا اس لئے قبل اس کے کہ اس اصل تجویز کو لایا جائے، آخر الذکر تجاویز سے بحث کی جائے تو زیادہ آسانی ہوگی۔

جزوی تحفظ | تجویز یہ تھی کہ پنجاب اور بنگال میں اکثریت رکھنے والی جماعت کے لئے کچھ نشستوں کا تحفظ کر دیا جائے اور باقی نشستوں کے لئے مقابلہ کر نیکی آزادی ہو، اسی قسم کا جزوی تحفظ جنوبی ہند میں ہیر برہمن جماعت کے لئے بھی کیا گیا تھا جو اب تک موجود ہے۔ لیکن غیر برہمن جماعت کے لئے بھی اس قسم کا تحفظ بالکل غیر ضروری ثابت ہوا اس لئے کہ جہاں تک ہمیں علم ہو اس جماعت نے محض اپنے دو ٹوں کے زور سے ہمیشہ میں زیادہ نشستیں حاصل کیں اور کبھی تحفظ نشست مسالی دفعہ کی مدد کی ضرورت نہیں پڑی بنگال یا پنجاب کی طرقت کو کسی ذہن میں کہا ہو کہ مسلم اکثریت بہت نشستیں حاصل کر لے میں کامیاب نہ ہوگی۔ البتہ مسلمانوں کو جو خطرہ ہوا اور جو ہم میں سے اکثر کے نزدیک بالکل بلاوجہ ہے، وہ یہ کہ مسلمانوں کی اکثریت قائم نہ رہ سکیگی بہ خصوص وہ نشستیں ضرور حاصل کر لیں گے کہ اگر انکی صاف صاف اکثریت نہ ہو تو ان کی اقلیت اچھی خاصی قوی اور اکثریت سے کچھ ہی کم ہوگی اب اگر فرض کیجئے کہ اکوہم فیصدی نشستیں جتنے کا یقین ہو تو پھر جزوی تحفظ کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے۔ ہم اکثریت یا اقلیت کسی کے لئے جزوی تحفظ کے خلاف نہیں ہیں اگر بقیہ نشستوں کے لئے مقابلہ کر نیکی آزادی ہو لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ بنگال اور پنجاب کے لئے یہ بالکل غیر ضروری ہے اور اس سے

اصل صورت حال پر کوئی خاص اثر کسی طرح نہیں پڑتا۔
 ناندگی باعتبار تناسب | دوسری تجویز ناندگی باعتبار تناسب کی ہے۔ اس طریق انتخاب اور ناندگی کے
 مسئلہ پر نو کر نیکے لئے آل پارٹیز کانفرنس نے جو سب کمیٹی مقرر کی تھی اُس نے کوئی رپورٹ نہیں پیش کی البتہ
 بعض اراکین نے علحدہ علحدہ اپنی تحریریں بھیجی ہیں سردار سنگل سنگھ نے اس تجویز کی تائید کی ہے لیکن دوسرے
 نے اس طریقہ کو پسند کرتے ہوئے یہ رائے دی ہے کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں یہ طریقہ قابل عمل
 نہیں ہے۔ ہم لوگ اس طریقہ کو اختیار کئے جانے کو بہت زیادہ پسند کرتے ہیں اور ہماری رائے ہے
 کہ مختلف جماعتوں کے خطرات کو دور کرنے اور ان کے مطالبات کو پورا کرنے کا صرف یہی ایک معقول اور
 منصفانہ طریقہ ہے۔ اس میں ہر ایک اقلیت کے لئے گنجائش ہے اور مخالف جماعتوں کے مفاد کا انحراف
 تو اذن قائم ہو جاتا ہے۔ ہمیں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ناندگی باعتبار تناسب ہی مستقبل میں ہماری مشکلات
 کا حل ہوگی۔

اب سوال یہ ہے کہ کس حد تک یہ طریقہ نو را قابل عمل ہے بہت زیادہ زور اس طریقہ کی پیچیدگی اور
 ہندوستان میں رائے دہندگان کی عام بے علمی پر دیا جاتا ہے۔ ہم سے کہا جاتا ہے کہ یہ طریقہ کتنا ہی پسند
 کیوں نہ ہو لیکن اس کو عمل میں لانا اس وقت تک ناممکن ہے۔ جب تک کہ رائے دہندوں کو اتنی تعلیم
 نہ دی جائے کہ وہ اسکی اہمیت کو سمجھنے لگیں ہم اس دشواری کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ واقعی بہت بڑی دشواری
 ہے لیکن پھر بھی ہمارا خیال ہے کہ ہمیں کسی قدر سابعہ سے کام لیا گیا ہے۔ ناندگی باعتبار تناسب کے لئے
 رائے دہندگان میں قابلیت کے اعلیٰ معیار کی اتنی زیادہ ضرورت نہیں ہے جتنی کہ رائے دہندوں کے لئے افسروں
 میں اور ان لوگوں میں بھارت کی جو رائے شمار کرتے ہیں اور ایک شخص کے ووٹ دوسرے کے نام
 کرتے ہیں اور اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ ایسے ہندوستانی کافی تعداد میں موجود ہیں جو قابل
 اطمینان طور پر رائے شاری کا کام انجام دینے کی کافی اہلیت رکھتے ہیں چنانچہ کہ عام رائے دہندگان کا تعلق
 ہے یہ بالکل درست ہے کہ باعتبار قابلیت صحیح انتخاب کر نیکے لئے ایک حد تک سمجھ کی ضرورت ہے لیکن
 اس کی تو اس وقت بھی ضرورت ہے جب صرف ایک رکن والے حلقہ انتخاب میں رائے دہندگان اپنا حق

انتخاب کو استعمال کرتے ہیں۔ یہ شخص کو معلوم ہے کہ خود جمہوریت پسند انگلستان میں بھی یہ اعلیٰ معیار مفقود ہو اؤ تائیں اہم سیاسی مسائل کو پیش نظر رکھ کر نہیں دیتا ہیں بلکہ بہت معمولی اور بعض اوقات بہت ہی قابل اعتراض اور ناجائز اغراض کی وجہ سے جو انتخاب کے زمانہ میں سامنے آجاتی ہیں، گزشتہ زمانہ میں انگلستان کے عام انتخابات سابق مصر کو بھاپانی پرنس کاٹنے یا ایک جعلی خط کی بنیاد پر لڑے گئے ہیں اور جو لوگ ایک سلطنت پر حکومت کرنے والے اور تمام دنیا کی سیاست پر اثر ڈالنے والے تھے ان کا انتخاب ایسے وجہ سے کیا گیا کہ ہر سمجھ دار شخص جمہوریت کی طرف سے مایوس ہو جاتا ہے۔ ابتداً ہندوستان میں اس کے دہندوں کا معیار قابلیت، انگریز رائے دہندوں کے مقابلہ میں یقیناً کم ہو گا۔ لیکن یہ دلیل نمائندگی قابل تناسب کے مخالف آتی زیادہ نہیں ہے جتنی کہ خود نظام جمہوریت کے خلاف ہے۔ ہمارے سامنے دوسری دلیل جو نمائندگی باعتبار تناسب کے خلاف پیش کی گئی وہ یہ ہے کہ اس کے بعد جاہل رائے دہندے پوشیدہ طور پر رائے نہ دے سکیں گے لیکن ہمارا خیال ہے کہ اگر یہ تدبیر اختیار کی جائے کہ ہر امیدوار کے تین کم از کم ایک ہی رنگ کے ہوں اور ہر کم از کم مختلف نشان پہلی پسند، دوسری پسند اور تیسری پسند نظر کرنے کے لئے بنے ہوئے ہوں تو یہ اعتراض دور ہو جائیگا لیکن یہ تو آج کل کے معمولی انتخابات میں بھی جاہل رائے دہندوں پر صادق آتا ہے۔ لہذا میں جہاں ایک بہت بڑی تعداد جاہل رائے دہندوں کی نمائندگی باعتبار تناسب کو کامیابی کے ساتھ آزا یا گیا ہے لیکن ہم اس چھوٹے سے جزیرہ کا مقابلہ اپنے اس وسیع اور کروڑوں کی آبادی رکھنے والے ملک کے ساتھ نہیں کر سکتے۔

ہم میں سے اکثر کا یہ خیال ہے کہ نمائندگی باعتبار تناسب کا ہندوستان کے اندر تجربہ کرنے میں ایسی سخت مشواریاں حائل نہیں ہیں، جن کو دور نہ کیا جاسکتا ہو۔ اس میں کمزوریاں ہیں اور کچھ خطرات ہیں لیکن کوئی تجویز جس پر ہم نے غور کیا ہے ایسی نہیں ہے جو اعتراض سے خالی ہوا ورنہ اس سے بعض میں تو اصل اصول کو ترک کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے شاید مزید مشکلات پیش آئیں۔ بہر کیف ہمارے بعض نقاظ مطمئن نہیں ہیں کہ نمائندگی باعتبار تناسب کے طریقہ کو اس وقت ہندوستان میں رواج دیا جاسکتا ہے۔ اس لئے ہم اس کی سفارش کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔

پنجاب و صوبہ سرحدی | یہ تجویز کی گئی تھی کہ شمالی مغربی سرحدی صوبہ کو پنجاب کے ساتھ ملا دیا جائے اور
کوئٹہ کی تجویز۔ | اس صوبہ میں نشستوں کا کوئی تحفظ نہ ہو۔ اس تجویز پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں

ہے لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ جن مختلف فریقوں کا اس سے تعلق ہو وہ کہاں تک اس تجویز سے اتفاق کریں گے
اگر وہ لوگ اس کو منظور کر لیں تو ہم نجوشی اس کی سفارش کریں گے اس میں کوئی خاص اصولی سوال پیدا
ہو نہیں ہوتا اسکا تسلیم کرنا یا نہ کرنا اس پر موقوف ہے کہ وہ لوگ اس کو قبول کریں گے یا نہیں۔ ہمارے
رفیق سردار منگل سنگھ اس تجویز کو پسند نہیں کرتے اور ہم سمجھتے ہیں کہ بعض دوسرے لوگوں کی بھی
یہی رائے ہوگی اس لئے ہم اس بارہ میں کوئی سفارش نہیں کرتے۔

پنجاب، شمالی مغربی سرحدی صوبہ | بالکل اسی طرح کی لیکن اس سے زیادہ وسیع الاثر ایک دوسری تجویز
سندھ اور بلوچستان کو ملائی کی تجویز۔ | بھی ہماری سامنے پیش کی گئی کہ پنجاب، شمالی مغربی سرحدی صوبہ
سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک صوبہ بنا دیا جائے اور اس صوبہ میں نشستوں کا کوئی تحفظ نہ ہو جب
ایک اقلیت خود اس کی خواہش نہ کرے ہم اس تجویز کو بھی قبول نہیں کیا۔ اس کے معنی یہ تھو کہ ایک ایسا
بڑے ڈھنگ کا صوبہ بنا دیا جائے جو تمام شمال اور شمال مغربی حصہ کو گھیرے۔

پنجاب میں کوئی تحفظ نشست نہ ہو | ایک دوسری تجویز پنجاب کے متعلق یہ تھی کہ نشستوں میں کسی قسم کا تحفظ نہ کیا
جائے بلکہ دستور اساسی میں اپنی جماعتوں کی اقتصادی اور تعلیمی ترقی کے لئے خصوصیت کے ساتھ
حفاظتی تدابیر رکھی جائیں ہم لوگ بڑی مسرت کے ساتھ اس قسم کے حل کا خیر مقدم کریں گے۔ اگر اس پر
لوگ راضی ہو جائیں لیکن ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ اس وقت اس تجویز کے متفقہ طور پر منظور ہونے کی کوئی صورت
نہیں ہے۔ ورنہ فرقہ وارانہ جھگڑے ہوتے ہی نہیں۔ ہم نے اپنے دستور اساسی کے مسودہ میں تعلیمات کی
حفاظت کے لئے اور سیاست جماعتوں کی اقتصادی اور تعلیمی ترقی کے لئے خاص دفعات شامل کر لی
ہیں۔ ہم بہت خوشی کے ساتھ ان دفعات میں اضافہ کر دیں اگر اس طریقہ سے ہم کسی جماعت کے دل کو
خطرہ دور کر سکیں اور تحفظ نشست نیز دیگر فرقہ وارانہ وقتی تدابیر کو چھوڑ سکیں جو وہ نقصان اس معنیوں
پر اور زیادہ گھمبائے ہو رہے۔

آبادی کے لحاظ سے نشستوں کا تحفظ | اب ہم اصل مسئلہ کو لیتے ہیں یعنی اقلیت اور اکثریت دونوں کے لئے آبادی کے لحاظ سے نشستوں کا تحفظ۔

تہہید | اس سے تو کبھی کسی نے سنجیدگی کے ساتھ انکار نہیں کیا کہ جماعتوں کے لئے نشستوں کا تحفظ اصولاً اسی قدر برابر ہے جتنا کہ فرقہ وارانہ حلقہ ہائے انتخاب لیکن بعض وجوہ اور مصالح کی بنا پر ایک اور قسم کے لئے فرقہ وارانہ حلقہ ہائے انتخاب اور عام مخلوط حلقہ ہائے انتخاب کے درمیانی زمانہ کے لئے اس قسم کے تحفظ کی سفارش کی گئی تھی اور خیال یہ تھا کہ اس درمیانی زمانہ میں ایک جماعت کی طرف سے دوسری کی بے اعتمادی اگر بالکل رفع نہ ہو گئی تو کم ہو جائے گی اس قسم کے دلائل اس وقت بھی پیش کئے گئے تھے جب لکھنؤ کا معاہدہ مرتب کیا گیا تھا لیکن گذشتہ ۱۲ سال کے تجربات نے ان توقعات کو ٹوٹا کر دیا جو اس وقت قائم کی گئی تھیں۔ فرقہ وارانہ حلقہ ہائے انتخاب موجودہ فرقہ وارانہ اختلافات کی افزونی کے ذمہ دار ہوں یا نہیں لیکن مختلف جماعتوں کے درمیان جیسا کہ اسید تھی سمجھوتہ اور اتحاد پیدا کرتے ہیں یقیناً یہ ناکام ہے یا کسی جماعت کے لئے خواہ وہ اقلیت ہو یا اکثریت نشستوں کا تحفظ کر دینا گویا فرقہ پروری کو تسلیم کر لینا ہے اور آئیں اور فرقہ وارانہ حلقہ ہائے انتخاب میں بہت تھوڑا فرق رہ جاتا ہے۔

اکثریت کے لئے نشستوں کا تحفظ | اکثریت کے لئے نشستوں کے تحفظ کی مخالفت بہت شدت کیساتھ کی گئی ہے۔ اصولی حیثیت سے بھی اور واقعات کی بنا پر بھی یہ سوال صرف پنجاب اور بنگال میں پیدا ہوتا ہے جہاں مسلمان دوسری جماعت کے مقابلہ میں بہت قلیل اکثریت میں ہیں۔ کسی دوسرے صوبہ میں کسی اور اکثریت کی طرف سے اس کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہے۔ اس لئے اس سلسلہ میں ہمیں صرف پنجاب اور بنگال کے مسئلہ ہی پر غور کرنا ہے۔

ہماری خیال میں تو ہندوستان کے تمام صوبوں میں صرف بنگال اور پنجاب ہی ایسے خوش قسمت صوبوں میں جہاں کی آبادی کی تقسیم ایسی ہے کہ کسی ایک فرقہ یا جماعت کے لئے اس کا بہت کم موٹہ ہے کہ دوسری جماعت یا فرقہ پر غلبہ حاصل کرے اس کو ستمائے اور اس کی ترقی کی راہ میں رضہ ڈالے

گوکہ ایک فرقہ کے لوگ، دونوں صوبوں میں قطعی اکثریت میں ہیں لیکن دوسرے فرقے بھی اتنے کافی اور مضبوط ہیں کہ اپنے مفاد کی ابھی طرح حفاظت کر سکتے ہیں اور ظلم و استبداد کو روک سکتے ہیں۔ نظری حیثیت سے تو اکثریت کے لئے نشستوں کے تحفظ کی حایت ناممکن ہے۔ یہ اکثریت اور اقلیت دونوں کی ترقی اور نشوونما حائل ہے اور لازماً قومی ترقی میں رکاوٹ پیدا کرے گی اور ہمارا خیال ہے کہ اکثریت کے لئے خصوصیت کیسے زیادہ نقصان دہ ہے اس وجہ سے کہ اس کو اپنی حیثیت کو قائم اور برقرار رکھنے کے لئے قانون کی حایت پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے نہ کہ خود اپنی ذاتی قوت پر۔ اگر کچھ دنوں تک اسی قسم کا تحفظ قائم رہے تو جاغیس اپنی خود اعتمادی کو نگرانِ تمام اوصاف کو کھو بیٹھی نہیں جن سے کسی قوم کی تعمیر ہوتی ہے اور اس کی تخلیقی قوتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ عموماً اکثریت اپنی آبادی کی نسبت سے زیادہ نشستیں جیت لیتی ہے اگر انتخاب کا طریقہ "مائدی" باعتبار تناسب "نہو" اور یہ بالکل ظاہر ہے اس وجہ سے کہ اکثریت کی آبادی اس طرح بھیلی ہوئی ہو سکتی ہے کہ تمام یا کم از کم اکثر حلقہ ہائے انتخاب میں وہ غالب ہوں، چنانچہ اکثریت کا اپنی آبادی کی نسبت سے زیادہ نشستیں جیت لینا اور اقلیتوں کے حدود میں دست اندازی کرنے کا خطرہ اس پر موجود کرتا ہے کہ اقلیت کے مفاد کی حفاظت کیجائے۔

اکثریت کے لئے نشستوں کا تحفظ یا کوئی دوسرا طریقہ تحفظی نیابتی اور ذمہ دار حکومت کے خلاف ہے۔ اس سے صحیح طور پر رائے و ہندوں کے اس حق میں دخل اندازی ہوتی ہے کہ وہ جس کو چاہیں منتخب کریں۔ اس کے علاوہ مجالس قانون ساز کے اندر ادب و بہرہ دوسری اور زیادہ فطری جماعت بندیوں کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور ایسا کرنے سے فرقہ پروری کی رسی دراز ہو جائے گی۔ ہر شخص فرقہ دارانہ جذبات پرانوس کرتا ہے اور اس کو موجودہ سیاست سے خارج کرنے کا ارادہ مند ہے لیکن ظاہر ہے کہ محض اتحاد کے متعلق گفتگو کرنے سے اور محض نیک آرزوئیں رکھنے سے یہ چیز دور نہیں ہو سکتی ہے۔ فرقہ دارانہ جذبات اس وقت دور رہیں گے جب لوگوں کی توجہ کسی دوسری طرف مبذول کیجائے اور جب وہ ان مسائل میں دلچسپی لینے لگیں جن کا اثر ان کی روزانہ زندگی پر پڑتا ہے اور وہ خیالی خطرات دور ہو جائیں جن کی بنیاد موسائیک کی موجودہ مصنوعی تقسیم میں ہے۔ اس لئے ہمیں کوشش کرنا چاہئے کہ لوگوں میں

اس قسم کی دیکھی پیدا کریں اور اس دیکھی کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ بٹھنے دیں۔ یہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اکثریت کے نشستوں کا تحفظ یا کسی دوسرے طریق پر کوئی تحفظ کرنا ناممکن ہے اعلیٰ قومی مقاصد کی راہ میں حائل ہو گا۔

تحفظ نشست کے طریقے اگر ان طریقوں کو جانچا جائے جن کے ذریعہ اکثریت کے لئے نشستوں کا تحفظ کیا جاسکتا ہے تو ظاہر ہو گا کہ وہ نہ صرف نیابتی حکومت کی نفی کرتے ہیں بلکہ اس اصول کے صریح منافی ہیں جن پر ذمہ دار حکومت قائم ہوتی ہے۔

مانٹگو چیفورڈ اسکیم کا مجوزہ طریقہ ان میں سے ایک طریقہ عاطفہ مدراس اور بمبئی کے بعض حصص میں غیر جماعت کی بڑی اکثریت کے لئے کچھ نشستوں کے تحفظ کے واسطے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ بڑی جماعت جو اطمان مدراس کی ۶ فیصدی آبادی پر مشتمل ہے ساؤتھ پرووینس کی سفارش حکومت کو اس امر پر رضی کرنے میں کامیاب ہوئی کہ ۸ نشستوں میں سے ۲ نشستیں ایسے لئے محفوظ کر دی جائیں تاکہ برہمنوں کی مختصر اقلیت جو کل آبادی کی ۱۲ فیصدی سے زیادہ نہیں ہیں محفوظ رہے، جس صورت میں نشستیں محفوظ کی گئیں وہ یہ تھیں کہ خاص غیر برہمنوں کے دو حلقہ ایسے انتخاب بنائے گئے جن میں ایک کی طرف سے ایک نامزدہ منتخب ہو سکتا تھا۔ باقی حلقہ ایسے انتخاب میں سے ۲۵ ایسے تھیں جن کی طرف سے ایک سے زیادہ نامزدہ ہوتے تھے یعنی ہر حلقہ کی طرف سے تین یا چار خاص شہر مدراس کے ۴ نامزدوں میں دو نامزدوں کا غیر برہمن ہونا ضروری تھا اور باقی ۲۴ حلقوں میں ہر حلقہ کی طرف سے ایک غیر برہمن نامزدہ ہونا ضروری تھا۔ اس کے متعلق قاعدہ یوں بیان کیا گیا کہ ”جب رایوں کا شمار ختم ہو جائے تو رائے لینے والا افسر اس امیدوار یا کئی امیدواروں (جیسی صورت ہو) انتخاب کا اعلان کر دیگا۔ جنکو سب سے زیادہ رائیں ملی ہوں لیکن اگر ایک یا اس سے زیادہ نشستیں محفوظ ہوں تو رائے لینے والا افسر پہلے اس غیر برہمن امیدوار یا امیدواران (جیسی صورت ہو) کے انتخاب کا اعلان کر دیگا۔ جن کو سب سے زیادہ رائیں ملی ہیں۔“

اس قاعدہ کی مثال کے طور پر شہر مدراس کو لیجئے جہاں مخلوط انتخاب میں چند نشستوں میں دو غیر برہمنوں کے لئے محفوظ ہیں اب فرض کیجئے کہ کسی غیر برہمن امیدوار نے کافی رائیں نہیں پائیں

کہ ان چھ میڈاروں میں اسکا شمار ہو سکے جنہوں نے سب سے زیادہ رائیں مقابلہ میں حاصل کی ہیں اور یہ چین
غیر برہمن امیدواروں کو کچھ رائیں حاصل کی ہیں انکا نام نہرست کے بالکل آخر میں کہیں آتا ہے۔ اب اس قاعدے
تحت جس کا ذکر ابھی کیا گیا ہے ان میں سے دو غیر برہمن امیدواروں کو انتخاب کا فورا اعلان کر دیا جائیگا اور
نہرست میں پانچویں درجے امیدوار کو اپنی جگہ ان کے لئے چھوڑنی ہوگی۔ اس طرح پر جہاں تک کہ غیر برہمنوں
کا تعلق ہے رائے دہندوں کی پسند کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے خواہ ان ہی کی جماعت کی اکثریت
نے ان کے خلاف رائے کیوں نہ دی ہو۔ اب سوال یہ کہ یہ دو نمائندے کس کی نیابت کرتے ہیں۔ یہ
ظاہر ہے کہ یہ لوگ کسی طرح بھی رائے دہندوں کی اکثریت کی نمائندگی نہیں کرتے اور نہ غالباً غیر برہمن
جماعت کی اکثریت کے یہ نمائندے ہیں وہ ایک ایسے بے شک قاعدہ سے منتخب ہوئے ہیں جو کسی اصول
پر مبنی نہیں ہے۔ خوشی کی بات یہ کہ مدراس کے غیر برہمنوں کے تمام خطرات اور اندیشے بے بنیاد ثابت
ہوئے اور ہمیں معلوم ہوا ہے کہ کسی ایک موقع پر بھی اس قاعدہ پر عمل کرنیکی ضرورت نہیں پڑی۔
یہی کیا کم برا ہو کہ ایک نیاتی مجلس میں ۲۰ اراکین اس قسم کے ہوں لیکن جب اراکین کی اکثریت
کا انتخاب اس صورت سے کیا جائے اور انہیں میں سے وزارت مرتب کی جائے تو پھر نیاتی حکومت محض
ایک ٹیوٹنگ اور تماشین کر رہ جاتی ہے۔

معادہ سندھ و انڈیا طریقہ ایک اور طریقہ اقلیت اور اکثریت دونوں کے لئے تحفظ نشست کا مؤثر ترین معادہ

سندھ کی طرف سے تجویز کیا گیا ہے۔ یہ طریقہ معادہ کی دفعہ پانچ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:-
”مشترک حلقہ اسے انتخاب کے طریقہ کو حقیقتہ کا میاب بنانے کے لئے ہر حلقہ انتخاب کے رائے
دہندگان کی ایک مشترکہ نہرست ہوگی اور غیر مسلم نمائندوں کا انتخاب علیحدہ علیحدہ لیکن ایک ہی دن
ہوگا تاکہ تمام مسلم اور غیر مسلم رائے دہندگان کو دونوں انتخابات میں علیحدہ علیحدہ رائے دینے کا حق ہو
اور موقع ملے۔ اس طریقہ سے منتخب شدہ اراکین کو ایسے حلقہ انتخاب کی طرف سے منتخب کئے
جائیں گے نہ صرف اپنی جماعت کے رائے دہندگان کی رائے سے۔“

اس طریقہ میں جو خوبی بتلائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس طرح جو اراکین منتخب ہوں گے وہ نہ صرف اپنی

جماعت کے رائے دہندوں کی طرف سے بلکہ پسے حلقہ انتخاب کی طرف سے منتخب ہونگے، مگر اس غرض کے لئے یہ ضروری نہیں کہ انتخابات علیحدہ علیحدہ ہوں اسلئے ایک انتخاب میں کبھی تمام رائے دہندوں کو اسلام اور غیر مسلم کو رائے دینے کا حق اور موقع ملے گا۔ اس دفعہ کا اصل مقصد ہمارے نزدیک یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندو اور مسلم امیدواروں کے درمیان مقابلہ سے گریز کیا جائے اور تعداد کے مطابق انکی نشستیں محفوظ جائیں لیکن ہمارے خیال میں علاوہ اس کے کہ اس قسم کا مقابلہ اس لئے ضروری ہو کہ رائے دہندہ آزادی کے ساتھ اپنے حق انتخاب کو استعمال کر سکے۔ اس مجوزہ طریقہ میں ہندو رائے دہندے والے کے لئے اس کا موقع نہیں ہوتا کہ اپنی جماعت کے امیدوار کے مقابلہ میں کسی مسلمان امیدوار کو رائے دے سکے یا اسی طرح مسلمان ہندو کو۔

یہ ظاہر ہے کہ دونوں جماعتوں کے امیدواروں کے لئے دو علیحدہ انتخابات کے نتائج دیہی نہیں ہو جو دونوں کے لئے ایک ہی انتخاب سے ہوں گے اور علیحدہ انتخابات میں اکثریت والی جماعت کے لئے زیادہ مواقع ہوں گے کہ اپنی رایوں کے ذریعہ سے اقلیت والی جماعت میں سے اپنے آدمیوں کو منتخب کر لیں۔ دونوں طریقے قابل اطمینان ہیں | اس طرح یہ معلوم ہو گا کہ جن دو طریقوں سے اوپر بحث کی گئی ہے ان میں سے کوئی بھی قابل اطمینان نتائج نہیں پیدا کر سکتا۔ تیسرا اور آخری طریقہ جو ہمیں معلوم ہے وہ فرقہ دارانہ حلقہ انتخاب کا ہے جس پر ہم پہلے بحث کر چکے ہیں، فرقہ دارانہ حلقہ ہائے انتخاب کو ترک کر دینے کا مقصد یہی ہے کہ انتخابات کے زمانہ میں ایک جماعت کو دوسری جماعت کا دست نگر بنا کر فرقہ دارانہ اتحاد کو ترقی دیتے لیکن مخلوط حلقہ ہائے انتخاب میں اکثریت کے لئے نشستوں کا تحفظ کرنے سے فرقہ دارانہ اتحاد کے لئے کوئی محرک باقی نہیں رہتا اس وجہ سے کہ اکثریت والی جماعت کو بہ صورت اور بہر حال بغیر دوسری جماعتوں کی امداد کے اپنے حصہ کی کل نشستوں کے حاصل کرنے کا یقین ہو گا۔ سلفراوی حیثیت کی بعض امیدوار اپنی جماعت کے دوسرے مقابل امیدوار کے خلاف دوسری جماعت کی دالے لینے کے لئے دوسری جماعت کے رائے دہندوں کے پاس جائیں تو بلاشبہ کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہو گا۔ غالباً شدید فرقہ دارانہ کشیدگی کے وقت یہ خفیہ سانفائدہ بھی نہیں حاصل ہو سکے گا۔

ایک طرف اکثریت کے لئے نشستوں کے تحفظ پر اصرار اور دوسری طرف کامل ذمہ دار حکومت کا مطالبہ نوعی بات ہے۔ ذمہ دار حکومت کے معنی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ اس میں مجلس عاملہ مجلس قانون ساز کے سامنے جوابدہ ہو اور مجلس قانون ساز رائے دہندگان کے سامنے۔ پھر اگر مجلس عاملہ کے اراکین اکثریت کے بل بوتے پر رائے دہندگان کے انتخاب سے نہیں بلکہ تحفظ نشست کی بدولت ہر حکومت آجائیں تو نہ رائے دہندگان کی ناسازگاری اور نیابت ہوگی اور نہ یہ ذمہ دار حکومت کی جاسکتی ہے۔ اکثریت کے لئے نشستوں کا تحفظ کر دینا گویا اس جماعت کو قانوناً یہ حق دیدینا ہے کہ وہ ملک پر رائے دینے والوں کی خواہشوں سے بے نیاز ہو کر حکومت کرے اور یہ بات جمہوری حکومت کے تمام تصورات کے کے منافی ہے۔ یہ اقلیتوں کو ایک چار دیواری کے اندر محصور کر دیتا ہے اور انکی ترقی اور پھیلاؤ کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا۔

انتخابات کے تقاضے | ہم نے مذکورہ بالا ملاحظات کی بنیاد ان اصولوں پر رکھی ہے جن کا اطلاق عام طور پر نیابتی حکومت پر کیا جاتا ہے۔ ہم اس سے واقف ہیں کہ یہ اصول بھی عملی حیثیت سے ناقص ثابت ہو سکتے ہیں اور بعض حلقوں میں خود جمہوری نظام حکومت پر بھی بہت کچھ اعتراضات کئے گئے ہیں لیکن یہ کمیٹی ان مباحث میں نہیں پڑ سکتی اور ہمیں اپنی ارتقاء کے اس دور میں لازماً ان اصولوں کو تسلیم کرنا پڑے گا جو دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کے انتخابات میں کارفرما ہیں۔ ہم اس سے بھی واقف ہیں کہ جس طریقے انتخابات کی ہم نے سفارش کی ہے بعض اوقات اکثریت کی حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہوا ہے جیسا کہ گذشتہ برطانوی انتخابات جن میں بڑی اکثریت ان اراکین کی منتخب ہوئی جن کو رائے دہندگان کی صرف اقلیت کی تائید حاصل تھی۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ زیادہ تر اس وجہ سے ہوا کہ رائے دینے والوں کی تقسیم غیر مساوی تھی اور جن امیدواروں کو رایوں کی ضرورت نہ تھی ان پر بہت سی رائیں ضائع کی گئیں۔ اسکا صرف ایک ہی علاج ہو یعنی ناسازگاری یا اعتبار تناسب جس کے لئے بوجہ مذکورہ بالا اس وقت سفارش کرنے سے ہم نے اجتناب کیا ہے۔

دعاات اور اعدائے شمار | اب تک ہم نے اکثریت کے لئے نشستوں کے تحفظ کے مسئلہ پر اصولی حیثیت سے

غور کیا ہے لیکن اس قسم کے تحفظ کے خلاف سب سے بڑی دلیل اعداد و شمار فراہم کرنے میں ہے۔ ان اعداد و شمار کے لئے ہم پنڈت جواہر لال نہرو کے منوں میں جو ضمیمہ جات الف اور ب میں درج کئے گئے ہیں۔ اور جن کو بڑی محنت و کاوش سے انہوں نے میگال اور پنجاب (پہلی و دہریہ) میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہی کی گزشتہ مردم شماری کی رپورٹ سے قریب کیا ہے۔ یہ اعداد و شمار قطعی طور پر ثابت کرتے ہیں کہ ان دو صوبوں میں مسلمانوں کو جو خطرات ہیں واقعہً انکی کوئی بنیاد نہیں اور نہ ہی حقیقت انہیں اپنی اکثریت کے نام فوائد حاصل کرنے کے لئے کسی خارجی امداد کی ضرورت نہیں۔ ویسے یہ پیش کی جاتی ہے کہ مسلمان کافی نا زندگی حاصل نہیں کر سکیں گے اور خفیف سی اکثریت جو ان کو حاصل ہو وہ انکی اقتصادی اور تعلیمی پستی کی وجہ سے ان صوبوں میں جاتی رہے گی اس دلیل کا تاثر زور جو دونوں صوبوں کی کل آبادی پر پڑتی ہے ختم ہو جاتا ہے جب ہم تفصیل کے ساتھ ان اعداد و شمار کی جانچ کرتے ہیں جو ان اضلاع اور جموں سے متعلق ہیں جن پر یہ آبادی مشتمل ہے۔

پنجاب اور بنگال کی آبادی کے اعداد و شمار کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں میں مسلمانوں کو بغیر کسی تحفظ نشست کے مخلوط حلقہ ہائے انتخاب سے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہو سکتا ہے۔ ان اعداد و شمار سے جو ضمیمہ میں دئے گئے ہیں یہ واضح ہو جائے گا کہ پنجاب اور بنگال دونوں میں آبادی کی تقسیم اس طرح ہوئی کہ ان صوبوں کے اکثر جغرافی اور انتظامی حصوں میں مسلم اکثریت اس سے کہیں زیادہ ہے جبکہ کل صوبے میں ملا کر نظر آتی ہے۔ اور ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مختلف جماعتوں کے لئے قدرتی طور پر ایک قسم کا تحفظ ہو گیا ہے۔ جس سے ہر جماعت کی نا زندگی اس سے کہیں زیادہ ہو جاتی ہے جنہی مستوی تحفظ نشست کو ذریعہ ہو سکتی ہے۔

پنجاب | صوبہ پنجاب کا شمالی اور شمال مغربی حصہ گویا اسلامی علاقہ ہے جہاں مسلمان اپنی اکثریت آبادی کی وجہ سے چھائے ہوئے ہیں اور کوئی دوسری جماعت انکے حدود میں دست اندازی نہیں کر سکتی۔ اسی طرح ہم جنوب میں بھی ایک رقبہ دیکھتے ہیں جس کو ہندو علاقہ کہہ سکتے ہیں یعنی جہاں ہندو اور سکھوں کی آبادی چھائی ہوئی ہے۔ ان دونوں کے درمیان ایک تیسرا رقبہ ہے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

لیکن بہت زیادہ چھائے ہوئے نہیں ہیں اس تجزیے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ پنجاب میں مسلمان ترقیاتی طور پر ۲ فیصدی نشستیں محض اپنے مخصوص حلقوں سے حاصل کر لیں گے۔ دوسری طرف ہندو اور سکھ مشترکہ طور پر تقریباً ۳ فیصدی نشستیں حاصل کریں گے۔ باقی ماندہ ۲۳ فیصدی نشستیں یا تو ان حلقوں میں ہوں گی جہاں مسلمانوں کی کثرت ہے یا جہاں مسلمان علیحدہ علیحدہ جماعت سے قوی ہیں۔ غرض تمام اتفاقی امور کا لحاظ رکھ کر بھی ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کسی صورت میں بھی مسلمان اتنی نشستیں نہ حاصل کر سکیں گے جس سے صوبہ کی مجلس قانون ساز میں انکی کھلی ہوئی اکثریت ہو جائے۔

ہم نے آبادی کے متعلق تمام اعداد و شمار سے پنجاب کے ہر ضلع کے متعلق علیحدہ علیحدہ نہایت تفصیل کے ساتھ مسئلہ ضمیمہ الف میں بحث کی ہے لیکن اس جگہ بھی ان میں سے بعض کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

صوبہ پنجاب (برطانوی علاقہ) کی کل آبادی ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے وقت حسب ذیل تھی

مسلمان	۱۱۳۲۲۳۲۱	۵۵.۳ فیصدی
ہندو	۶۵۶۹۲۶۰	۳۱.۷۸
سکھ	۲۲۹۲۲۰۰	۱۱.۶۱
دوسری جماعتیں (زیادہ تر عیسائی)	۳۶۶۲۳۶	۱.۷۸
پنجاب کی کل آبادی	۲۰۶۸۵۰۲۴	۱۰۰ فیصدی

پنجاب میں کل ۲۹ اضلاع ہیں جن کو ہم لوگوں نے حسب ذیل چار علاقوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ پندرہ اضلاع اس علاقہ میں ہیں جہاں مسلمان کثرت آبادی کی وجہ سے چھائے ہوئے ہیں ایک ضلع میں مسلمان تقریباً ۹۱ فیصدی ہیں نو اضلاع میں ۸۰ اور ۹۰ فیصدی کے درمیان۔ دو ضلعوں میں ۱۰ فیصدی یا کچھ زیادہ اور باقی تین اضلاع میں ۳۳-۶۳-۹۱ اور ۶۰-۶۰۔ ہم نے آخری تین اضلاع کو اس علاقہ میں اس لئے شمار کر لیا ہے کہ اگرچہ یہاں مسلمانوں کا فیصدی اوسطاً اس کے علاقوں کی طرح بہت زیادہ نہیں ہے۔ پھر بھی ہندو اور سکھوں کو ملا کر دونوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ ایک ضلع میں (شیخوپورہ)

مسلمان ۲۳۳۳ فیصدی ہیں۔ ہندو ۱۶ فیصدی، سکھ ۹ فیصدی، سیکھوت میں مسلمان ۶۱/۹ فی صدی، ہندو ۵۰/۱۹ فیصدی ہیں اور سکھ کل ۸ فیصدی لائل پور میں مسلمان ۶۰۰ فیصدی ہندو ۸۰ فیصدی اور سکھ ۱۶۲ فیصدی ہیں۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان تمام اضلاع میں غیر مسلم اقلیت ایک جماعت پر مشتمل نہیں ہے بلکہ بہت سی جماعتیں مثلاً ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ شامل ہیں۔ اب جیسا کہ ہم نے کسی دوسری جگہ تحریر کیا ہے کہ اگر ایک لاکھ کی آبادی کو مجلس قانون ساز میں ایک کن بجھنے کا حق دیا جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ صرف اس مخصوص مسلم علاقہ سے ۹۸ اراکین منتخب ہوں گے اور یہ تعداد مجلس قانون ساز کے کل اراکین کی تعداد کے ۳۷ فیصدی کے مساوی ہے۔

۲۔ دو اضلاع (لاہور اور گرواسپور) ایسے ہیں جن میں مسلمانوں کی غالب اکثریت کا علاقہ کہا جاسکتا ہے۔ یہاں مسلمان ہندو اور سکھ دونوں کے مقابلہ میں غالب تعداد میں ہیں مثلاً لاہور میں کل آبادی کا ۵۷ فیصدی حصہ مسلمان میں۔ پھر بھی مسلمان یہاں اتنی کثرت سے نہیں ہیں جتنے علاقہ ۱ میں۔ ان دونوں کو مجلس قانون ساز کے اراکین کی تعداد ۱۵ یعنی کل اراکین کی تعداد کا ۴۷ فیصدی ہے۔

۳۔ تین اضلاع ایسے ہیں جہاں کوئی جماعت غالب نہیں ہو لیکن یہاں بھی مسلمانوں کی جماعت دوسری جماعتوں کے مقابلہ میں ملحدہ علیحدہ بہت زیادہ قوی ہے۔ ان اضلاع سے اراکین مجلس کی تعداد ۱۷ یعنی کل تعداد کی ۳۳ فیصدی ہے۔

۴۔ ۹ اضلاع ایسے ہیں جن کو ہندوؤں اور سکھوں کا علاقہ کی کثرت آبادی کی وجہ سے کہا جاسکتا ہے۔ اس علاقہ سے اراکین کی تعداد ۶۱ یعنی کل تعداد کی ۲۹ فیصدی ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان کے ۳۷ فیصدی نشستیں یقینی ہیں اور ۴۷ نشستوں میں سے اکثر کے حامل کر لینے کا انہیں پورا موقع ہے۔ اور دوسرے علاقہ کے ۲۳ فیصدی سے کچھ نشستوں کے حامل کرنے کا اچھا خاصہ موقع ہے۔ اس صورت میں جہاں تک انسانی نقطہ دیکھ سکتی ہے مجلس قانون ساز میں ہر طرح کی کھلی ہوئی اکثریت یقینی ہے۔

بنگال کے اعداد و شمار اور زیادہ روشن اور صاف ہیں منسلک ضمیمہ (ب) میں ان پر تفصیل بحث کی گئی ہے۔ ہم یہاں پر صرف اسکا خلاصہ دینا کرتے ہیں۔ آبادی کے اعداد و شمار یہ ہیں:-

مسلمان ۲۵۲۱۰۸۰۲ ۵۴ فیصدی

ہندو ۲۰۲۰۳۵۲۴ ۴۳ فیصدی

دوسرے لوگ (زیادہ قبا ئی مذہب ۱۳۸۱۲۰۴ ۲۷ فیصدی)

دالے اور عیسائی (۱۳۸۱۲۰۴)

بنگال کی کل آبادی (برطانوی قلم) ۴۶۹۹۵۵۳۶ ۱۰۰ فیصدی

یہاں بھی پنجاب کی طرح مقررہ علاقے ملتے ہیں:-

۱۔ وہ علاقہ جہاں مسلمان چھائے ہوئے ہیں، ایسے ۱۳ اضلاع ہیں جن میں سے ۲۸۲ اراکین

مجلس منتخب ہونگے یعنی ۶۰ فیصدی

۲۔ وہ علاقہ جہاں مسلمان غالب ہیں اس میں دو ضلع ہیں جن میں سے ۲۳ اراکین یعنی کل تعداد

کے پانچ فیصدی۔

۳۔ خیر جاندار علاقہ یا وہ علاقہ جہاں ہندو غالب ہیں اس میں ۴ اضلاع ہیں جن میں سے

۴۴ اراکین ہوں گے جو کل تعداد کا ۹ فیصدی ہے۔

۴۔ وہ علاقہ جہاں ہندو چھائے ہوئے ہیں اس میں ۹ اضلاع ہیں جن میں سے ۸ اراکین

ہونگے یعنی کل تعداد کے ۲ فیصدی۔

غرض بنگال میں صرف ان علاقوں میں سے جہاں مسلمان چھائے ہوئے ہیں ۶۰ فی صدی نشستیں

یقینی ہیں۔ اگر اس علاقہ کو شمار نہ بھی کیا جائے جہاں مسلمان غالب تعداد میں ہیں اور ہندو اقلیت اگرچہ

وہ بہت قوی اقلیت ہیں لیکن عام اور کھلے ہوئے انتخاب میں اگر اس کے لئے تحفظ نشست نہ ہو تو

اس کے نقصان میں رہنے کا بہت زیادہ امکان ہے۔

صوبہ بنگال میں دیگر کٹ بٹ کے انتخابات | حال ہی میں صوبہ بنگال کے گذشتہ انتخابات ڈسٹرکٹ بورڈوں کے

اعداد شمار سے جو ضمیمہ (ج) میں درج کئے گئے ہیں یقینی طور پر یہی ثابت ہوتا ہے۔ ان مجالس کے لئے
 حلقہ ہائے انتخاب مخلوط ہیں لیکن رائے دہندگان کی فہرست میں جو کچھ جاہل ادا و رکچہ نویس ادا کر دیوالوں
 کو حق رائے دینے کے اصول پر مبنی ہے۔ دونوں جماعتوں کی آبادی کا تناسب قائم نہیں رہا ہے۔ ہمارا
 خیال ہے کہ مسلمان جو معاشی حیثیت سے ہندوؤں کے مقابلہ میں بہت پیچھے ہیں انکی رائے دہندگی کی
 قوت بھی اس وقت اس سے نسبتاً بہت کم ہے جتنی ہر بالغ کو حق رائے دینے کے بعد موجود جائیگی لیکن پھر
 بھی ہم دیکھتے ہیں کہ تین اضلاع یعنی سین سنگھ، جٹاگانگ اور جلیٹو میں انہوں نے ہندوؤں کو بالکل
 خارج کر دیا ہے ان میں سے اول الذکر دو میں تو ایک ہندو بھی منتخب نہیں ہو سکا حالانکہ ہندوؤں
 کی آبادی ۲۴ فیصدی ہے اور تیسرے ضلع میں صرف ایک ہندو کسی طرح منتخب ہو گیا حالانکہ ہندوؤں
 کی آبادی ۳۸ فیصدی ہے۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان جہاں صرف تین اور چار
 فیصدی کی حقیر اقلیت میں ہیں وہاں سے بھی وہ ایک سے لیکر تین ہائندو تک دستکرت بورڈ میں
 بھیجے ہیں کامیاب ہوئے ہیں۔ ہائے پاس اس کی بھی دلچسپ مثالیں موجود ہیں جہاں دونوں جماعتوں
 کی قوت مساوی ہوتی ہے وہاں کیا پیش آتا ہے۔ اس سلسلہ میں کھلنا اور دیناج پور ہائے پیش نظر
 ہیں۔ اول الذکر میں غیر مسلموں نے جن کی آبادی ۵۰ فیصدی ہے۔ انشتیں حاصل کیں اور مسلمانوں
 نے جن کی تعداد ۴۸ فیصدی ہے کل پانچ نشستیں۔ اور آخر الذکر میں اگرچہ مسلمانوں کی آبادی
 ۴۹ فیصدی ہے لیکن انہوں نے ۴ نشستیں حاصل کیں برخلاف اس کے ہندوؤں کو کل چار نشستیں
 ملیں حالانکہ وہ بھی ۴۴ فیصدی سے زیادہ ہیں اس میں شک نہیں کہ دونوں جماعتوں کے رائے دہند
 کی تعداد کے متعلق صحیح اعداد و شمار کی غیر موجودگی میں محض انکی آبادی کے اعداد و شمار اس سلسلہ میں ہمارے
 رہنمائی نہیں کر سکتے لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس سے یہ نتیجہ اچھی طرح نکالا جاسکتا ہے کہ ہنگام کے مسلمانوں
 تمام غیر مسلموں کے مقابلہ میں بھی کسی تحفظ کی ضرورت نہیں ہے۔ جدید رکا و آئینہ خصوصیت کے ساتھ
 دلچسپ ہے جس وقت تک کہ مسلم اکثریت نے ضلع کے مقامی معاملات میں دلچسپی نہیں لی اس وقت تک
 ہندو اقلیت جیسا چاہتی تھی کرتی تھی لیکن جب ایک مرتبہ وہ چوتھے کے تو نہ صرف یہ کہ انہوں نے رایوں کی

بھرا کر دی بلکہ ان پر ڈسٹرکٹ بورڈ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک مسلمان صدر اور مسلمان نائب صدر منتخب کر دیا جو دونوں بنگال کونسل کو رکن ہیں۔ یہیں اطلاع ملی ہے کہ بنگال میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے گذشتہ انتخابات نے دونوں فرقوں کی آنکھیں کھول دی ہیں اور مسلمانوں کی عام رائے مخلوط انتخاب کے حق میں ہوتی جا رہی ہے۔ فرقہ وارانہ مخالفت کا یہ ایک آفسشاکم اتعم ہے کہ لوگ حقائق کی طرف سے چشم پوشی کرتے ہیں اور خود اپنے مفاد کے خلاف دیتے جھگڑتے ہیں۔ ہم ان لوگوں سے جو بنگال اور پنجاب کے لئے فرقہ وارانہ حلقہ ہائے انتخاب کی حمایت میں ملک کے اندر بڑی بڑی یادداشتوں اور اعلانات کی بھرمار کر رہے ہیں یہ درخواست کریں گے کہ وہ ان اعداد و شمار کا بغور مطالعہ فرمائیں جو ہم نے ضمیمہ جات (الف - ب - ج) میں پیش کئے ہیں۔

اقتصادی اور تعلیمی معیار غرض کہ صحیح اعداد و شمار کے تجربہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کا ڈیڑھ حصہ خیالی ہے۔ یہ ڈیڑھ سو ہندوؤں اور سکھوں کے اعلیٰ اقتصادی اور تعلیمی معیار کی وجہ سے ہے۔ لیکن ہم نے دیکھ لیا کہ اس افضلیت نے بنگال کے اندر ڈسٹرکٹ بورڈ کے انتخاب میں ہندوؤں کی کوئی بڑ نہیں کی اور ہمیں یقین ہے کہ کونسل کے انتخابات کے نتائج اس سے زیادہ بین طور پر مسلمانوں کے حق میں ہونگے لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دوسری جماعتوں کے مقابلہ میں مسلمان تعلیم اور دولت دونوں کے اعتبار سے بہت پیچھے ہیں اور بالخصوص بنگال میں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ آج کل حکومت میں دولت کی قوت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن دولت کی قوت اس قدر زیادہ ہے کہ وہ شاذ و نادر مجلس قانون ساز کے انتخاب میں حصہ لینے کی زحمت گوارا کرتی ہے اس لئے کہ یہ تو بڑے کے پیچھے سے بھی ڈور سے کھینچ سکتی ہے۔ نشستوں کا تحفظ جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب یا اسی قسم کی کوئی دوسری تدبیر اس کے اثر کو کم نہیں کر سکتی۔ جب تک لوگ فرقہ وارانہ نقطہ نظر سے سوچیں گے اور عمل کریں گے اس وقت تک اصل مسئلہ پر غور نہیں کر سکتے اور جب وہ اس پر غور ہی نہ کریں گے تو آخر اس کو حل کس طرح کر سکتے ہیں۔

اس موقع پر ہم سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ ہم سوسائٹی کے لئے ایک ایسے جدید نظام کا مشورہ دیا

جس میں معاشی اقتدار چند اشخاص میں مرکوز نہ ہو۔ اور ہمیں یہ بھی یقین ہو کہ وہ فرقہ وارانہ مجلسیں جو اس شد و بد کے ساتھ اپنی اپنی جماعتوں کے لئے حقوق اور مراعات کا مطالبہ کر رہی ہیں وہ بھی موجودہ جماعتی نظام کے اساس کو بدلنا نہیں چاہتیں۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو جو کچھ ہم کر سکتے ہیں وہ یہ کہ خصوصیت کے ساتھ تمام پست جماعتوں اور گروہوں کی تعلیمی اور اقتصادی ترقی کے لئے حفاظتی تدابیر کی سنوارش کریں۔

آزاد ہند کی جماعت بندیاں | ہمیں پورا یقین ہے کہ جس وقت ہندوستان آزاد ہو جائے گا اور اپنی حکومت کی مخالفت اور زحمت اندازیوں کے بغیر اپنے معاملات پر غور کرنے لگے گا تو لوگوں کی توجہ وقت کے اہم مسائل کی طرف مبذول ہو جائے گی۔ جو مسائل آئندہ ہماری قانون ساز مجالس میں پیش ہوں گے ان میں سے کتنے فرقہ وارانہ قسم کے ہو سکتے ہیں لیکن یہ کہ کبھی کبھی ایک یا دو مسائل ایسے آجائیں لیکن بلاشبہ اکثر مسائل جو ہمارے سامنے پیش ہوں گے ان میں تنگ نظر فرقہ پروری کی گنجائش نہ ہوگی اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک کے اندر اور مجالس میں بھی جماعتیں بالکل دوسری بنیادوں پر قائم کی جائیں گی اور ہمارا خیال ہے کہ یہ بنیاد زیادہ تر اقتصادی ہوگی، اس وقت ہم دیکھیں گے کہ ہندو مسلمان کبھی سب ایک جماعت میں متحد ہو کر دوسری جماعت کی مخالفت کر نیگے اور یہ جماعت بھی ہندو مسلمان اور سکھوں پر مشتمل ہوگی۔ اگر ایک دفعہ ہم چل نکلے تو ایسا ہونا بالکل یقینی ہے۔

ہندو اور سکھ اقلیتیں | اگر اس مسئلہ کو محض ہندوؤں کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ہمیں یقین ہے کہ بنگال اور پنجاب میں مسلم اکثریتوں کے لئے نشستوں کا تحفظ ممکن ہے کہ حقیقتہً ہندوؤں کے لئے او شاید سکھوں کے لئے بھی اس سے زیادہ مفید ہو جبنا کہ عدم تحفظ نشست جو واقعات و اعداد و شمار ہم نے بیان کئے ہیں وہ ثابت کرتے ہیں کہ بنگال اور پنجاب میں مسلمان اتنے زیادہ قوی ہیں کہ بلا تحفظ نشست مخلوط انتخاب میں اپنی آبادی کی نسبت سے زیادہ نشستیں حاصل کرنے کا انکے لئے ہر طرح امکان ہے۔ ایسی صورت میں ممکن ہے کہ ہندو اور سکھ اقلیتیں اپنی آبادی کے تناسب کو کم نامہ دے گی حاصل کر سکیں۔ اسکا امکان ہے اور اغلب ہے کہ یہ صورت پیش آجائے لیکن اس قسم کے اتفاقات کا تدارک

کرنا ممکن نہیں جسکے زیادہ محفوظ اور کھلا ہوا طریقہ یہی ہے کہ ان تحفظات کے بعد جو ممکن ہیں انتخاب باہل آزاد
نہی جائے | مندرجہ بالا تمام خیالات پر بھی جلسوں میں اچھی طرح غور و بحث کے بعد جس کا ذکر پہلے کیا چکا ہے
 حسب ذیل قرارداد متفقہ طور پر منظور کی گئی صرف ہمارے رفیق سردار گل سنگھ نے اس قرارداد کے دوسرے
 جزو کے متعلق ایک نوٹ تحریر کیا ہے (۱)

”ہم لوگ متفقہ طور پر مجالس قانون ساز میں اکثریت اور اقلیت دونوں کے تحفظ نشست کے
 خلاف ہیں اور ہم سفارش کرتے ہیں کہ دستور ساسی میں کسی قسم کا تحفظ نشست نہ رکھا جائے لیکن اگر یہ
 سفارش منظور نہ کیا جائے اور سمجھوتہ صرف آبادی کے لحاظ سے نشستوں کے تحفظ پر ہی ہو سکے تو ہم سفارش
 کرتے ہیں کہ اس قسم کا تحفظ اکثریت یا اقلیت کے لئے بلا کسی پابنگ کے اس صاف و صریح شرط کیساتھ
 کر دیا جائے کہ یہ تحفظ خود بخود دس سال کے بعد یا فریقین کی رضامندی سے اس سے پہلے ہی ختم ہو جائے
 سردار گل سنگھ کا نوٹ حسب ذیل ہے۔“

”میں اس قرارداد کے پہلے حصہ سے متفق ہوں کہ ملک کی مجالس قانون ساز میں اقلیت یا
 اکثریت کسی کے لئے نشستوں کا کوئی تحفظ نہ ہو گا لیکن میں سختی کے ساتھ اس کا مخالف ہوں کہ کسی حالت
 میں بھی اور خواہ تھوڑی سے تھوڑی مدت کے لئے کیوں نہ ہو آبادی کی بنیاد پر نشستوں کا تحفظ کر کے
 برائے آئین فرقہ وارانہ اکثریتیں بنائی جائیں لیکن اگر نشستوں کے تحفظ ہی سے سمجھوتہ ممکن ہے تو
 پھر میں سفارش کروں گا کہ سکھوں کا بھی ایک اہم اور وسیع اقلیت کی حیثیت سے خیال کیا جائے اور
 ان کو کافی اور آبادی کے تناسب سے زیادہ حق نمائندگی نچا جائے اسی اصول پر جس پر کہ
 معاہدہ لکھنؤ کے مطابق مسلم اقلیتوں کو بہار اور دیگر صوبوں میں حقوق دے گئے تھے نیز میں اس کی بھی
 سفارش کروں گا کہ مرکزی مجلس قانون ساز میں بھی سکھوں کو نمائندگی میں خاص ”پابنگ“ عطا
 کیا جائے“

(۱) جن لوگوں نے اس پر دستخط کئے ہیں انکی ایک فہرست رپورٹ کے آخر میں درج کر دی گئی ہے۔

اس سے یہ معلوم ہو گا کہ اس قرارداد کے پہلے حصہ میں نجی جلسوں کی اصل سفارش اور دوسرے حصہ اس صورت سے متعلق ہے جو اس وقت پیش آ سکتی ہے جب یہ تمام جماعتیں اس سفارش کو مانع قرار دیں اور صرف تحفظ نشست باعتبار آبادی ہی پر سمجھوتہ ہو سکے۔ اس کمیٹی کے اراکین کے درمیان یہ فرض یہ کہ اس قسم کا سمجھوتہ نہیں ہو بلکہ صاف طور پر اس قرارداد کے پہلے حصہ میں متفقہ طور پر انہوں نے تحفظ نشست کی مخالفت کی ہے۔ اس کا بہت کم امکان ہے کہ قرارداد کے دوسرے حصہ میں جس سمجھوتہ کا حوالہ دیا گیا ہے وہ آل پارٹیز کانفرنس میں قبول کر لیا جائے گا لیکن اگر کسی طرح اتفاق سے یہ سمجھوتہ ہو گیا تو اس کی پابندی ان سب لوگوں پر ضروری ہوگی جو اس میں شریک ہوں گے اور اس صورت میں قرارداد کے دوسرے حصہ کی جو کچھ بھی شرط ہے وہ یہ ہے کہ یہ دس سال سے زیادہ عرصہ تک قائم نہ رکھا جائے گا ہم سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ جس چیز کی ہم نے ضروری مخالفت کی ہے اسی کے لئے سفارش کریں لیکن مختلف جماعتوں اور فرقوں کے درمیان سمجھوتہ کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں خواہ اصولی حیثیت سے وہ کسی قدر غلط کیوں نہ ہو اور اگر اس قسم کا سمجھوتہ باوجود ہماری کوششوں کے سب لوگ کریں تو ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے کہ اس کی بدلت عمل کو محدود کریں۔ بالکل یہی ہم نے کیا ہے۔ اب جہاں تک مسلمانوں اور سکھوں کو اس مطالبہ کا تعلق ہے کہ ان کی آبادی سے زیادہ انکو نمائندگی دیا جائے یہ کہنا کافی ہو گا کہ ان خیالات کو نظر رکھتے ہوئے جو ہم نے منظور بالا میں ظاہر کئے ہیں اس قسم کا کوئی مطالبہ کسی فرقہ کی طرف سے بھی قابل قبول نہیں ہو سکتا خواہ وہ فرقہ اپنے آپ کو کسی قدر اہم کیوں نہ سمجھتا ہو۔

اقلیتوں کے لئے تحفظ نشست کے مسئلہ پر غور کرتے وقت ہمیں نجی جلسوں کی قرارداد کی نظر رجوع کرنا پڑے گا اور اب یہی ہم کرنا چاہتے ہیں۔

اقلیتوں کے لئے تحفظ نشست | بنگال اور پنجاب کے علاوہ دوسرے صوبوں میں مسلمان بہت زیادہ اقلیت میں ہیں اور بعض صوبوں میں تو وہ بہت ہی کم ہیں حالانکہ ہندوستان کی کل آبادی میں ان کا تناسب

۲۴ فیصد سے زیادہ ہے۔

مسلمان اقلیتوں کے لئے تحفظ نشست | جب نجی جلسوں کی وہ قرارداد جس کا حوالہ دیا جا چکا ہے منظور ہوگی تو ہم سو

باعتبار مناسب آبادی

کہا گیا کہ مسلمانوں کے حق میں یہ بڑی زیادتی ہوئی اس لئے کہ غالباً مرکزی مجلس قانون ساز کے لئے جو ۵۰۰ اراکین پر مشتمل ہوگی وہ کل ۱۰ لاکھ ۲۰ ہزار مسلمانوں سے زیادہ پنجاب اور پنجال سے منتخب نہ کر سکیں گے اور شاید ایک یا دو ممالک متحدہ اور بہار سے اور دوسرے صوبوں میں جہاں انکی آبادی فیصدی سے کم ہے کوئی بھی مسلمان منتخب نہ ہو سکے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کو جو برطانوی ہند کی کل آبادی کا چوتھا حصہ ہے مرکزی مجلس قانون ساز میں ۱۲ سے زیادہ نمائندگی نہیں ملے گی یہی اعتراض ان صوبوں کی مقامی مجالس پر بھی وارد ہوتا ہے جہاں مسلمان بہت کمزور اقلیت میں ہیں۔ ہم اس اعتراض کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہاں حالات نے ہمیں مجبور کیا ہے کہ ملکی انتخابات کے نظام میں جو دائرہ غصہ کو عارضی طور پر داخل کر دیں۔ اسی لئے ہم رجولائی کے نجی جلسہ کی قرارداد کو کوٹھیلے اپنی سفارش کی طور پر اختیار نہیں کر سکتے ہیں۔ اگر مسلمان خواہش کریں تو پنجال اور پنجاب کے علاوہ دوسرے صوبوں میں مسلمان اقلیتوں کے لئے بطور استثناء کے مرکزی اور صوبائی مجالس قانون ساز میں تحفظ نشست باعتبار آبادی کی اجازت میں دینی پڑے گی۔ کچھ عرصہ کے لئے اس حد تک فرقہ وارانہ نیابت باقی رکھنا ہماری رائے میں ایک اگر یہ خرابی ہے۔ یہ معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمان اقلیتوں کے حق میں یہ رعایت کرنے سے ہم وہ اجتماع جن میں نہیں کر رہے ہیں جو اکثریتوں کے تحفظ نشست کی صورت میں واقع ہوتا ہے جو اقلیت تو ہر حال میں اقلیت ہی رہے گی خواہ نشستیں اس کے لئے محفوظ ہوں یا نہ ہوں اور وہ کبھی اکثریت پر غالب نہیں آسکتی۔

پانگ کی اجازت نہیں ہونا چاہیے | آبادی کے تناسب سے زیادہ نمائندگی جو بہت سے صوبوں میں معاہدہ گفتہ اور مانیکوچھوڑا اصلاحات کی رو سے مسلمانوں کو دی گئی تھی وہ ہماری اسکیم کے تحت ختم ہو جائے گی لہذا طرح کی نمائندگی صرف جداگانہ طریقہ سے انتخاب میں ممکن ہے اور مشترک یا مخلوط انتخاب میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی نہ ممکن نہیں کہ مسلمان اقلیتوں کیلئے انکی آبادی کے تناسب سے زیادہ نشستیں محفوظ کر دی جائیں لیکن علاوہ اس طرح انسانی کے جو اس طریقہ سے نہ صرف اکثریتوں کے ساتھ ہوگی بلکہ دیگر اقلیتوں کے ساتھ بھی ہوگی۔ ہمارے نزدیک تو فی نقطہ نظر سے خود مسلمانوں کی ترقی کے لئے یہ مشترک

ہوگا کہ ہم نے انکا پورا حق آبادی کے تناسب کے محفوظ کر دیا ہے اور اس سے زیادہ اگر وہ چاہتے ہیں تو انہیں اپنی سعی و کوشش سے حاصل کرنا چاہئے اسی لئے محفوظ نشستوں سے زیادہ نشستوں کے مقابلہ کے لئے انکے حقوق پر ہم نے کسی قسم کے تیو نہیں عائد کئے ہیں تعلیمیتوں کے لئے تحفظ نشست کو قبول کرنے پر جس چیز نے ہمیں آمادہ کیا وہ یہی ہے کہ اس صورت میں ہم انکے لئے کوئی چار دیواری نہیں قائم کر رہے ہیں کہ اس کے باہر وہ کسی طرح ترقی کا قدم نہ نکال سکیں خواہ وہ کتنی ہی اہلیت کیوں نہ رکھتے ہوں ہمارے نزدیک یہ زیادہ اہم ہے کہ تمام چھوٹے بڑے فرقوں کی سیاسی ٹنگ دو کو بڑانے کے لئے ایک کھلا ہوا میدان ہو جس میں کسی کے لئے کوئی رکاوٹ نہ ہو بہ نسبت اس کے کہ انکی تعداد کے تناسب سے زیادہ نشستیں انکے لئے محفوظ کر دی جائیں۔ اس قسم کا تحفظ ان کو کبھی سولے اپنی جماعت کے کسی دوسرے فرقہ کے مقابلہ کے لئے کھلے میدان میں نہیں آنے دینگا اور اسکا لازمی نتیجہ یہ ہو کہ ان میں جمود پیدا ہو جائیگا۔ یہ صحیح ہے کہ ایک مسلمان امیدوار اپنے مقابل دوسرے مسلمان کو شکست دینے کے لئے غیر مسلموں کی رائے حاصل کرنیکی کوشش کرے گا لیکن اس طریقے سے مسلمان قومی راہ پر ترقی نہیں کر سکیں گے ہمیشہ یہی سوال پیش نظر رہیگا کہ مسلمان الف مسلمان ب سے بہتر ہے کہ نہیں بغیر اس خیال کے کہ غیر مسلم ج ان دونوں سے بہتر ہے یا بدتر۔

مسلمان معقولیت کیساتھ اپنی ٹھیک ٹھیک آبادی کے تناسب کے زیادہ نشستوں کے تحفظ کا مطالبہ کسی طرح نہیں کر سکتے ورنہ ایک طرف نشستوں کے لئے مقابلہ کا انکو حق ہو اور اس وقت انکے لئے جو مسئلہ قابل غور ہے وہ یہی کہ ان دونوں میں سے کونسی صورت انکے لئے زیادہ فائدہ مند ہے۔ ہمیں تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب مسلمانوں کے سامنے ایک طرف یہ صورت ہوگی کہ انکی آبادی کے تناسب کے زیادہ انکے لئے نشستیں محفوظ کر دی جائیں اور انہیں باقی نشستوں کے لئے مقابلہ کرنی حق نہ ملے اور دوسری طرف یہ صورت ہوگی کہ تحفظ نشست باقی رہتا رہتا سب ہوا اور زیادہ نشستوں کے لئے مقابلہ کرنے کا حق حاصل ہوا اور مسلمان ان دونوں صورتوں پر ہر پہلو سے غور کریں گے تو انہیں یہ معلوم ہوگا کہ دوسری صورت ہی انکے لئے زیادہ بہتر اور مفید ہے جیسا ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں نشستوں کے پوسے پوسے

میں انکو مزید نشستوں کے مقابلہ کا حق ہے اور ان دو صوبوں میں تو نشستوں کے مقابلہ کے لئے ان پر کسی قسم کی پابندی عائد ہی نہیں کی گئی ہے۔ صوبہ بھارتی مجالس میں ہم نے یہ حق اس پانگ کے بدلے میں دیا ہے جو اس وقت ان کو حاصل ہے۔ مرکز ہی مجلس میں ان کو اس وقت بھی کوئی پانگ نہیں حاصل ہوا اور مختلف صوبوں کی طرف سے جو نمائندے ان کے منتخب ہوئے ہیں انکی تعداد کو تعین کسی اصول پر مبنی نہیں مسلمان اراکین کی موجودہ تعداد مرکزی مجلس کی کل تعداد کی ایک تہائی سے کم ہے۔ اس لئے موجودہ حالات میں بھی ان کے اس مطالبہ کے لئے کوئی وجہ اور بنیاد نہیں ہے اور ذرا غور کرنے سے ظاہر ہو جائیگا کہ یہ کہیں زیادہ بہتر ہے کہ مقابلہ میں آزادی ہو نہ بت اس کے کہ ایک تہائی اور ایک چوتھائی کے خفیف سو فرق کا انہیں پابند کر دیا جائے لیکن جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ ہم کسی طرح اس اصول سے نہیں ہٹ سکتے جو مسلم قلیتوں کے لئے صوبہ بھارتی مجالس میں ہم نے قبول کر لیا ہے۔ اصولی سوال کے علاوہ بہت سی عملی مشکلات بھی اس راستہ میں ہیں، وقت یہ ہوگی کہ ہم کس طرح مرکزی مجلس میں ایک تہائی نشستوں کا تحفظ کر سکتے ہیں بغیر اس کے کہ پنجاب اور پنجال کے اراکین کی تعداد مقرر کر کے اسکا انہیں پابند کر دیں اور اسی کے ساتھ دوسرے صوبوں میں کسی نہ کسی قسم کا پانگ بھی رکھیں اور پھر کس اصول پر ان اراکین کی تعداد کو تمام صوبوں پر تقسیم کیا جائے ہم نے اس مسئلہ پر غور کیا لیکن ہمیں افسوس ہے کہ ہم کسی طرح مرکزی مجلس میں مسلمانوں کے لئے کل تعداد کی نشستوں کے تحفظ کی سفارش نہیں کر سکتے۔

سفارش | انہیں وجہ سے ہم نے یہ سفارش کی ہے کہ اگر مسلمان مطالبہ کریں تو صوبہ بھارتی اور مرکزی مجالس میں ان کے لئے ٹھیک آبادی کے تناسب سے نشستیں صرف دس سال کے لئے محفوظ کر دی جائیں اور اس سے زیادہ نشستوں کے حاصل کر لیا انہیں حق دیدیا جائے۔ اس جگہ ہم یہ بھی بتادینا چاہتے ہیں کہ ہمارے رفیق مٹھیش قمری ہمارے بعض دلائل اور نتائج سے متفق نہیں ہیں۔ ان کی رائے ہے کہ نجی جلسہ کی قرارداد کو کلیتہً اختیار کر لینا چاہئے اور وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ مرکزی مجلس میں مسلمانوں کے لئے نشستیں محفوظ کر دی جائیں۔

بلوچستان اور شمالی مغربی سرحدی | جہاں تک غیر مسلم قلیتوں کا تعلق ہے جو صوبے خاص طور پر توجہ کی مستحق
صوبہ کی غیر مسلم قلیتیں | ہیں وہ بلوچستان اور شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں جہاں غیر مسلموں کی
وہی حیثیت ہے جو مسلمانوں کی صوبہ مدراس اور مالک متوسط میں ہے اور ہم سفارش کرتے ہیں کہ اگر
ساتھ دی رعایت کی جائے جو علاوہ پنجاب اور بنگال کے دوسرے صوبوں میں مسلمانوں کے ساتھ
کی گئی ہے۔

دوسری غیر مسلم قلیتیں | دوسری غیر مسلم قلیتوں کی طرف نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ادران اکثریتوں
کے درمیان جن کے ساتھ وہ رہتی ہیں ایسی کوئی خلیج نہیں ہے جیسی کہ بدیشی سے ہندو اور مسلمانوں کے
درمیان۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ ان کے لئے تحفظ نشست کے ذریعہ سے حفاظتی تدبیر اختیار کر کے ان کی
ضرورت ہے اور نہ اس میں ان کا کوئی فائدہ ہے۔ ان کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہم مخصوص حالات کے باعث مسلم
اقلیتوں کے لئے اس قسم کے تحفظ کی سفارش کر رہے ہیں اور وہ بھی ایک مقررہ مدت کے لئے۔ ان کو تو جلد یا
بدریغے پاؤں پکڑا ہونا ہی پڑیگا اس لئے ہمیں بڑی خوشی ہوگی اگر وہ ابتدائی سے تحفظ کو ترک کر دیں
کا تہیہ کر لیں۔

غیر مسلم قلیتوں اور مسلم قلیتوں کی کوئی برابری نہیں ہے اگر ہندوستان کی کل آبادی پر نظر
ڈالی جائے تو اول الذکر کسی شمار میں نہیں آتے ہیں۔ بدھ مذہب والوں کو چھوڑ کر جو زیادہ تر برہمن
ہیں اور وہاں ان کی اکثریت ہے کل ہندوستان میں دیگر غیر مسلم قلیتوں کی آبادی فیصدی حسب
ذیل ہے:-

سیانی	۱۰۲	فیصدی
سکھ	۱	"
چمن	۲۲	"
دیگر (علاوہ پہاڑی علاقہ کے قبائلی مذاہب کے)	۲۲	"

اس سے معلوم ہو گا کہ جہاں تک مرکزی مجلس کا تعلق ہے دیگر غیر مسلم قلیتوں کے لئے ان کی

آبادی کے تناسب پر نشستوں کے تحفظ سے انکو مشکل سے کوئی خاص فائدہ ہوگا اور علاوہ بلوچستان اور شمالی سرحدی سرحدی صوبہ کے کسی جگہ صوبہ جاتی مجالس میں بھی تحفظ نشست کی کوئی صورت ہی نہیں ہے اس قسم کی کوئی کوشش اگر کی گئی تو اس سے خواہ مخواہ کی الجھن پیدا ہو جائیگی اور جن جماعتوں کا اس سے تعلق ہے انکو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا۔

ہم نے پنجاب اور بنگال کی ہندو تعلیموں کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے اس وجہ سے کہ ۱۳۲ اور فیصدی آبادی کسی صورت پر بھی چھوٹی اقلیت نہیں سمجھی جاسکتی ہے۔

سکھ | البتہ غیر مسلم تعلیموں میں سکھ خاص توجہ کے مستحق ہیں۔ انکی ساری آبادی پنجاب میں ہے اور اس صوبہ میں وہ لوگ وہی حیثیت رکھتے ہیں جو مسلمانوں کی ممالک متحدہ میں ہے۔ بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ صوبہ متحدہ میں اول الذکر کی تعداد ۱۵ فیصدی ہے جو اس سے زیادہ ہے جتنی کہ سکھوں کی پنجاب میں ہے جہاں وہ صرف ۱۱ فیصدی ہیں۔ موجودہ دستور میں انکا حلقہ انتخاب جداگانہ ہے اور انکو کافی پائنگ حاصل ہے۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ سکھوں کی اقلیت ایک نمایاں اور اہم اقلیت ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے اور ہم نے سکھوں کے نقطہ نظر کو جو ہمارے رفیق سردار سنگھ نے پیش کیا برابر بروی توجہ سے سنا ہے۔ ان لوگوں کی تعریف میں یہ کہنا ضروری ہے کہ انہوں نے عام قومی مفاد پر فرقہ وارانہ مفاد کو ترک کرنے کا فیصلہ کر کے ایک قابل تائید جذبہ ایثار کا ثبوت دیا ہے۔ مجالس قانون ساز میں نامزدگی کے سلسلہ پر جتنے مباحث اور جھگڑے گذشتہ چند سال میں ہوئے ہیں ان میں یہ لوگ ہمیشہ اس اصول پر قائم رہے کہ مخلوط حلقہ انتخاب ہوا اور کسی جماعت کے لئے تحفظ نشست نہ ہو۔ ہمارے رفیق سردار سنگھ نے ہماری توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی کہ سکھ لوگ صوبہ پنجاب کے کسی ضلع کی آبادی میں اکثریت میں نہیں ہیں اور یہ کہ سب سے زیادہ آبادی انکی ضلع لودھیانہ میں ہے جہاں وہ قوی ترین واحد جماعت ہیں لیکن اس ضلع میں بھی وہ صرف ۱۴ فیصدی ہیں اور کسی طرح انکی کامل اکثریت نہیں ہوتی ہے۔ دوسرے اضلاع میں یا تو ہندو ان سے زیادہ ہیں یا مسلمان بلکہ عموماً دونوں کی تعداد علیحدہ علیحدہ ان سے زیادہ ہے ظاہر ہے کہ سکھوں کی آبادی جس طرح پنجاب

میں تقسیم کر اس سے انکو وہ تمام نقصانات ہوں گے جو ایک ایسے مشترک مخلوط انتخاب میں ہو سکتے ہیں جس کی بنیاد ہر بالغ کو حق رائے دینے پر ہو اور جس کے لئے ہم نے سفارش کی ہے۔ ان حالات میں کم از کم پنجاب میں اگر وہ صوبہ جاتی اور مرکزی مجالس میں تحفظ نشست کا مطالبہ کرتے تو ان کو اس کا حق تھا تو ضرور تھا جتنا کہ مسلمانوں کو مالک متحدہ میں ہے لیکن یہاں ایک تیسرے قومی عنصر کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے یعنی مسلم اکثریت اور سکھ اقلیت کے دوش بدوش ایک قوی ہندو اقلیت کا وجود۔ دوسری عام اسباب کے علاوہ پنجاب میں یہی ایک ایسی صورت حال ہے جس کی وجہ سے کسی جماعت کے لئے تحفظ کا کوئی اصول مقرر کرنا کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔ پنجاب کے مسئلہ نے سارے ہندوستان کے لئے ایک اہمیت حاصل کر لی ہے اور اب ہم اس پر صرف اس حیثیت سے غور نہیں کر سکتے کہ وہ انفرادی مسئلہ ہے اور اسکا تعلق محض ایک صوبہ سے ہے۔ تمام پیچیدگیوں کو دور کرنے کا اور قومیت کے جذبات کو نشو و کا پورا موافق دینے کے لئے سب سے زیادہ کارگر طریقہ یہی ہے کہ پنجاب کی سیاست سے فرقہ پروری کے زہریلے مادہ کو بالکل خارج کر دیا جائے۔ ہمارے رفیق سردار منگل سنگھ جنہوں نے اس مسئلہ پر ہم کو اچھی طرح اور صفائی کے ساتھ گفتگو کی ہے ہماری دشواریوں کو محسوس کرتے ہیں۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ سکھ لیگ کی کبھی بھی خواہش نہیں ہوگی کہ فرقہ وارانہ مسئلہ کے حل میں براہ راست یا بالواسطہ کسی طرح کوئی پیچیدگیاں ڈالے۔ اگر وہ کوئی خاص رعایتیں حاصل کرنے پر اصرار کرتے تو وہ نیابت کے لئے سب کے واسطے یکساں قاعدہ مقرر کرنے کے مسئلہ میں طرح طرح کی غیر متناہی دشواریاں پیدا کر سکتے تھے لیکن انہوں نے اس کو اچھی طرح محسوس کر لیا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ انہوں نے از خود اپنے تمام مطالبات محض اس غرض سے ترک کر دیے کہ یہ مشکل دور ہو جائے۔ ہم انکے ان جذبات کا اعتراف کرتے ہیں اور انکی اس حب الوطنی پر انکو مبارکباد دیتے ہیں۔

صرف ایک ہی صورت ادھی ہے | جو جو زیرم نے پیش کی ہے اس کے علاوہ بس ایک ہی صورت اور ہے اور وہ یہ کہ کئی جلسہ کی سفارش منظور کر لی جائے اور مسلمانوں یا دیگر اقلیتوں کے لئے کوئی تحفظ نشست نہ کیا جائے لیکن اس سے مسلمانوں کو بہت نرسکایت ہوگی اور دیگر غیر مسلم اقلیتوں کو اس سے کوئی خاص

فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ یہ امر بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ مسلمانوں کو اس وقت علاوہ تحفظ نشست
بذریعہ جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کے ہر صوبہ میں کافی بانگ بھی حاصل ہے۔ اس بانگ کے بدلے
میں اب ہم انکو اپنی نشستوں سے زیادہ نشستوں کے مقابلہ کا حق پیش کر رہے ہیں اس لئے جنگ
انکی جماعت کا تعلق جو ہم تحفظ نشست کو فوراً ترک نہیں کر سکتے اور اسکی وجہ سے غیر مسلم قلیتوں کے
سے ہم کو کوئی خاص دشواریاں بھی نظر نہیں آتی ہیں۔ اگر ہم تمام قلیتوں کے لئے تحفظ نشست کی
سفارش کریں تو بہت سی دوسری پیچیدگیوں کو پیدا ہو جائیگا انڈیشہ ہوا سکن کے علاوہ عیسائی باری اور یوہووں جسی
معروف قلیتوں کے ہندوؤں کی مختلف ذاتوں اور مختلف درجوں میں سے نئے گروہ بننے لگیں گے
اور وہ بھی اپنے حقوق طلب کریں گے پھر اس وقت بڑی پریشانیوں کا دروازہ کھل جائے گا۔

فرقہ وارانہ مسئلہ اصل میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا مسئلہ ہے اور اسی بنیاد پر اس کو حل کرنا
چاہئے اور فی الحقیقت یہ اپنے وطن کی کوئی خدمت نہ ہوگی اگر ہم اس مسئلہ کو طے کرنے کی کوشش میں
تمام ملک کے اندر فرقہ وارانہ جذبات کی آگ کو اس قدر مشتعل کر دیں کہ اس سے دہائی جاعتیں اڑ
فرتے بھی جل ٹھیں جن کو فرقہ پروری کا بھی وہم و گمان بھی نہ تھا۔

غیر برہمن | ہندو اکثریت کے دو اہم فرقوں کا مسئلہ باقی رہ جاتا ہے۔ ایک غیر برہمنوں کا دوسرے پنج ذاتوں
کا، برہمن اور غیر برہمن کے درمیان شدید تفریق صرف جنوبی ہند میں ہے اور شمال میں اسکا بالکل
وجود نہیں۔ جہاں غیر برہمن اس تفریق کے ساتھ آباد ہیں وہاں یا تو انکی آبادی اپنی اکثریت کی وجہ سے
چھائی ہوئی ہے جیسے کہ مدراس میں یا انکی اقلیت بہت قوی ہے جیسا کہ ممبئی کے بعض حصوں میں
اور حال کے انتخابات سے ثابت ہو چکا ہے کہ مجالس قانون ساز میں نیابت کے لئے انکو کسی تحفظ کی ضرورت
نہیں ہے۔ برہمنوں کے خلاف انکی شکایت کی اصل وجہ وہ غلطہ ہے جو برہمنوں کو ملک کی سیاسی اور اجتماعی
زندگی میں حاصل ہے۔ اور یہ قدرتی نتیجہ ہے۔ برہمنوں کے اس ذہنی اور دماغی تفوق کا جو اب غیر برہمنوں
کی سرپرستی کی وجہ سے خطرہ میں آگیا ہے۔

پنج ذات | ”پنج“ یا ”پست“ ذاتوں کا مسئلہ ابھی حال ہی میں سامنے لایا گیا ہے اور انکی موجودہ

حالت کو ہندوستان کی سیاسی ترقی کے خلاف بطور دلیل کے پیش کیا جاتا ہے۔ بیشک ہماری یہ رائے ہے کہ انکی اس پست حالت کی ذمہ داری خصوصیت کیساتھ ہندوؤں پر ہے لیکن ہمیں اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ حکومت برطانیہ کو اس پست طبقہ کے ساتھ جو ہمدردی ہو اس کی وجہ محبت نبی آدم نہیں بلکہ کچھ اور ہو۔ یہ فکر اور ہمدردی بالکل حال ہی میں پیدا ہوئی ہو! جس قدر قومی تحریک کو ملک میں ترقی ہوئی اسی قدر اس ”پست“ طبقہ کی سیاسی قدر بھی حکومت کی نظروں میں بڑھتی گئی۔ صرف سالہائے آئندہ کے اعداء و شمار سرکاری تعلیمی رپورٹوں میں علیحدہ نمائے جانے لگے ہیں اور ان تعلیمی سہولتوں کا ذکر کیا جانے لگا ہے جو انکو پہنچانی جاتی ہیں حکومت کی ہمدردی اور فکر نے اس وقت تک ان طبقات کو بہت تھو فائدہ پہنچا ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مجالس قانون ساز میں انکے لئے چند نشستیں نامزد ہو جاتی ہیں یا انکے خاص مدارس کے لئے خفیہ سی رقم علیحدہ کر دی جاتی ہے۔

اس سے کہیں زیادہ کارگر اور مفید کوشش غیر سرکاری ہندوستانی انجمنوں نے ان طبقات کی حالت کو درست کرنے کے لئے کی ہیں۔ اور اس عظیم کام میں عیسائی تبلیغی جماعتوں نے بھی امداد کی ہے۔ کانگریس نے مثلاً ۱۹۰۷ء میں چھوٹ چھات کے دور کرنے کو اپنے پروگرام میں خاص جگہ دی تھی اور جیسا کہ ہر گھر کو معلوم ہے نہا تا گاندھی اپنی عظیم الشان قوت اور ہمت کے ساتھ اس تحریک میں لگ گئے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری جماعتوں نے نیز ہمیں خوشی ہے کہ فرقہ وارانہ جماعتوں نے بھی اسی قدر زور اور شدت کے ساتھ چھوٹ چھات کی مخالفت کا اعلان کر دیا ہے جو عملی کام انجام پا چکا ہے اور جو قابل قدر نتائج حاصل ہوئے ہیں وہ ثابت کرتے ہیں کہ یہعلانات محض زبانی جمع خرچ نہ تھے ہم اس کو جاکر ہیں کہ ملک میں اب بھی قدامت پسندوں کا ایسا زبردست عنصر موجود ہے جو اس تحریک کی ترقی میں اونٹوں کا ٹکڑا مکتا ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ چھوٹ چھات کی قیمت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

دو تورا ساسی کے لئے جو تجاویز ہم نے کی ہیں ان میں ”پست“ طبقات کی مخصوص نمائندگی کے لئے کوئی خاص ذمہ نہیں رکھی ہے۔ یہ بات نا فروگی کے ذریعہ سے ہو سکتا تھا یا مخصوص طبقہ ہائے انتخاب کے ذریعہ سے۔ مخصوص طبقہ ہائے انتخاب اور تحفظ نشست کے متعلق کسی دوسری جگہ ہم اپنی رائے

ظاہر کر چکے ہیں۔ اور ہم اس غلط اصول کو جہاں تک ہم سے ہو سکتا ہو رواج دینا نہیں چاہتے اور نہ ہم بہتو
میں کہ اس طبقہ کے لئے چند نشستوں کا تحفظ کر کے ہم کو کوئی خاص فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ اس سے بھی
زیادہ ہم نا فردگی کے اصول کے خلاف ہیں جیسا کہ اتنا کہ ہوا ہے۔ اسکا صرف ایک نتیجہ ہوا ہے کہ حکومت
ایسے اشخاص کو نافرو کر دیتی ہے جو ہر گرم دسر دہیں اس کی تائید کرتے ہیں اور دراصل کسی کے نامزد
نہیں ہوتے۔

بہر حال ہم اس کو محسوس کرتے ہیں کہ سپت طبقات کو باقی نہ رہنا چاہئے یا بالفاظ دیگر اقتصاد
اور معاشرتی حیثیت کی حالت اتنی سدھارنی چاہئے کہ اپنی جماعت میں وہ اپنے لئے مناسب جگہ
حاصل کر سکیں۔ ایسا کرنے کے لئے صرف ایک ہی کارگر طریقہ ہے اور وہ یہ کہ انکو تعلیمی اور دیگر سہولتیں
دی جائیں اور انکی ترقی کی راہ میں جو رکاوٹیں ہوں انکو دور کر دیا جائے۔ اعلان حقوق کی بعض دفعات
جن کی ہم نے سفارش کی ہے بہت بڑی حد تک ان رکاوٹوں کو دور کر دینگے جن کی وجہ سے یہ سپت
طبقات نقصان اٹھاتے ہیں اور انکو آگے بڑھنے کے مواقع ہم پہنچا نہیں گی۔ سہرا لے کو حق رائے دینے
کی جو سفارش ہم نے کی ہے وہ از خود انکی سطح کو بلند کرے گی اور انکے سیاسی اقتدار کو بڑھا دگی۔ آخر
میں ہم نے بہت زور کے ساتھ اس کی سفارش کی ہے کہ سپت طبقوں کی تعلیم کا حکومت کو خاص
خیال رکھنا ہو گا۔ اگر ان سب فائزات پر عمل کیا گیا تو ہم یقین سے کہ سپت طبقات بہت جلد غائب ہو جائیں
گا اور انکی جگہ ایک ترقی پذیر اور خود دار گروہ پیدا ہو جائیگا جو تمام جماعت کے عام مفاد کے لئے دوسرے
گروہوں کے ساتھ اشتراک عمل کر سکے گا۔

باب چہارم

صوبوں کی دوبارہ تقسیم

ہم خوش ہیں کہ کسی طرح ہمیں فرقہ وارانہ مسائل سے چھٹکارا ملا اور اب ہم ان امور کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو صحیح طور پر دستور سے متعلق ہیں۔ صوبوں کی دوبارہ تقسیم کے مسئلہ کا جہاں تک دستور سے تعلق ہے وہ یہ ہے کہ چند ایسے اصول مقرر کر دئے جائیں جو تمام صورتوں پر حاوی ہوں لیکن جیسا ہم دیکھ چکے ہیں، اگر کسی آسان سے آسان مسئلہ کا بھی غلط طور پر مطالعہ کیا جائے اور بجائے اس کے ذاتی حق و باطل پر غور کر نیکی اُسے کسی بالکل دوسرے مسئلہ کا جزو بنا دیا جائے تو یہ آسان مسئلہ بھی پیچیدہ اور تقریباً ناقابل حل ہو جاتا ہے ہم اس کو قبل نڈی کی غلطی کی فرقہ وارانہ پہلو پر بحث کر چکے ہیں اور دکھایا ہے کہ کس طرح ایک مسئلہ سامعہ ہمارے سیاست کا ایک عظیم الشان مسئلہ بن گیا ہے۔ اب ہم عام مسئلہ کے حق و باطل پر اس کے فرقہ وارانہ نتائج سے قطع نظر کر کے بحث کریں گے۔

موجودہ تقسیم نامعقول ہے | شرحخص جانتا ہے کہ ہندوستان میں صوبوں کی موجودہ تقسیم کی بنیاد نقل پر نہیں ہے یہ محض اتفاقی واقعات اور ان حالات کا نتیجہ ہے جن کے تحت ہندوستان میں برطانوی اقتدار کی توسیع ہوئی ہے بحیثیت مجموعی اسے جغرافیائی، تاریخی، معاشی یا لسانی یا باسیب سے بہت کم تعلق ہے۔ محض انتظامی نقطہ نظر سے بھی تقسیم کامیاب نہیں ثابت ہوئی ہے۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ صوبوں کی تقسیم از سر نو ہونی چاہئے ہم میں سے بعض چھوٹے چھوٹے صوبوں کے موافق ہیں اور بعض بڑے صوبوں کے۔ صوبے خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے دوبارہ تقسیم کے مسئلہ کو حل کرنا ہے۔

دوبارہ تقسیم کے اصول | اب سوال یہ ہے کہ تقسیم کو کن اصولوں کے تحت ہونی چاہئے کچھ جغرافیائی اور کچھ معاشی اور مالی لیکن زیادہ توجہ تو لازمی طور پر باشندوں کی خواہش اور انہی متعلقہ کی لسانی و دین

کی طرف کرنی ہوگی۔ یہ تو عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ تعلیم غیر عام تمدن کی زندگی کے دوسرے شعبوں کی ترقی کی طرف ترقی کا انحصار زبان پر ہے۔ اگر ذریعہ تعلیم کوئی بدیسی زبان ہو تو کاروبار، معاملات اور ملک کی زندگی کا اجمالہ ٹھس جاتی ہے۔ جہاں انوعاض کے لئے بدیسی زبان استعمال کی جاتی ہے وہاں جمہوریت کبھی قائم نہیں رہ سکتی۔ جمہوریت کو دفاع کا رہنما چاہئے اور اس میں امور عامہ کے سمجھنے اور ان پر غور کرنے کی صلاحیت ہونی چاہئے تاکہ وہ ان پر اپنا اثر ڈال سکے۔ یہ بات تصور میں بھی نہیں آ سکتی کہ جہاں بدیسی زبان استعمال کی جائے وہاں جمہوریت یہ فرائض ادا کر سکتی ہے، اس لئے یہ ناگزیر ہے کہ ملکی کاروبار اور سیاست میں ہی زبان رائج ہو جسے عوام اناس اچھی طرح سمجھتے ہوں۔ جہاں تک صوبوں کا تعلق ہے یہ صوبے ہی کی زبان ہونی چاہئے۔

زبان | اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم انگریزی کے استعمال کے مخالف ہیں۔ موجودہ حالات کا اقتضا تو یہ ہے کہ آج کل کی طرح آئندہ بھی ایک مدت تک انگریزی ہی مرکزی مجالس قانون سازی میں بحث و مباحثہ کا مناسب ذریعہ ہوگی۔ ہمارا یہ بھی اعتقاد ہے کہ ایک بدیسی زبان کی ہمیں اس لئے بھی ضرورت پڑے گی کہ ہم دوسرے ممالک کے خیالات ان کے علوم اور ان کی زندگی سے گہرا تعلق قائم کر سکیں اور غالب امکان ہے کہ یہ زبان انگریزی ہی ہوگی۔ بائیمہ بہت زوروں کے ساتھ ہماری یہ رائے ہے کہ ہندوستانی، کو جو اس وقت بھی آدھے ہندوستان کی زبان ہے سارے ملک کی زبان بننے کی پوری کوشش کرنی چاہئے۔ یہ سب مان لینے کے بعد بھی صوبوں کی زبانوں کی ہمت افزائی بھی نہایت ضروری ہے اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ کوئی صوبہ جلد ترقی کرے تو ہمیں یہ کرنا پڑے گا کہ اس کا تمام کام اسی کی زبان میں ہونے دیں۔

اگر کسی صوبہ میں تعلیم کا رائج ہونا ضروری ہے اور یہ بھی لازمی ہے کہ اس کا روز کا کام خود اسی کی زبان میں ہو تو یہ ناگزیر ہے کہ اس کے حد و بھی لسانی ہوں۔ اگر کہیں وہ ایسا صوبہ ہو جس میں متعدد زبانیں بولی جاتی ہیں تو دشواریوں کا تانتا بندہ جائیگا اور تعلیم کا کاروبار کا ذریعہ دو یا اس سے بھی زیادہ زبانیں ہو جائیں گی۔ ان وجوہ سے یہ لازم آتا ہے کہ لسانی بنیاد

پر صوبوں کو از سر نو ترتیب دیا جائے۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ زبان ایک خاص قسم کے تمدن، روایات اور ادب کی حامل ہوتی ہے۔ ایک لسانی آراضی میں یہ تمام عناصر صوبے کی عام ترقی میں مدد و معاون ہونگے۔ نیشنل کانگریس نے اس لسانی اصول کو آٹھ برس پہلے ہی تسلیم کر لیا تھا اور جہاں تک کانگریسی نظام کا تعلق ہے اسی وقت سے ہندوستان لسانی صوبوں میں منقسم ہے۔

باشندوں کی خواہشات | دوسرا اصول جس کے ماتحت صوبوں کی دوبارہ تقسیم ہونی چاہئے باشندوں کی خواہش ہے۔ ہم لوگ جو وسیع تر معاملات میں خود مختاری کا مطالبہ کرتے ہیں کسی طرح بھی معقولیت کے ساتھ ایک محدود حلقے کے مطالبہ خود مختاری کو رد نہیں کر سکتے بشرطیکہ بلاشبہ۔ یہ کسی اہم اصول کے خلاف نہ پڑتا ہو۔ بعض ہی حقیقت کہ ایک مخصوص حلقے کے باشندے یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ ایک ہیں اور ایک رہ کر اپنے تمدن کو ترقی دینا چاہتے ہیں تو جہ کر نیکی لئے کافی ہے خواہ ان کے مطالبہ کی وقعت میں کافی تاریخی اور تمدنی شواہد ہوں یا نہ ہوں۔ ایسے معاملات میں جذبات، واقعات سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔

اب ہم نے معلوم کر لیا کہ صوبوں کی دوبارہ ترتیب کے لئے دو اہم ترین وجوہ لسانی اصول اور اکثر باشندوں کی خواہش ہے ایک تیسرا غور طلب مسئلہ اگرچہ وہ اتنا اہم نہیں ہے، انتظامی سہولت کا ہے۔ جس میں آراضی متعلقہ کی جغرافیائی حیثیت، معاشی ذرائع اور مالی استحکام بھی داخل ہے لیکن انتظامی سہولت تو زیادہ تر ترتیب کا دوسرا نام ہے اور عام طور پر اسے باشندوں کی خواہش کا پابند ہونا چاہئے۔

لسانی آراضیاں | ہندوستان کے موجودہ نقشے کو دیکھنے سے ہمیں ممتاز لسانی آراضیاں نظر آتی ہیں۔ سب سے پہلے تو وہ وسیع ہندوستانی خطہ ہے جو تمام شمالی ہند پر حاوی ہے اور جس میں ایک خفیہ سا اختلاف پنجاب میں پنجابی کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے اس کے بعد نیگالی خطہ پھر آسامی پھر اڈریا، بلنگی، تامل، ملیاکم، کنڑی، تملی، گجراتی اور سندھی اور حلیج بنگال کے پار برہمنی خطہ ہے دتتا فونٹاڈم (یعنی ملگو خطے) اسکل (یعنی اڈریا خطے) کرناٹک (یعنی کنڑی خطے) کراٹلا (یعنی ملیاکم خطے) سندھ

(یعنی سندھی خط) اور صوبہ متوسط کے ہندوستانی بولنے والے علاقے اور ان کے علاوہ دوسرے علاقوں کو بھی علیحدہ کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ عام طور پر جب تقسیم نو شروع ہوگی تو ان کے سب کے حالات کی تفصیل اور ان پر احتیاط کے ساتھ غور کرنا پڑے گا۔ ان میں سے اکثر کے متعلق رائے دینے کے لئے ہمارے پاس کافی سالہ موجود نہیں کرنا ملک اور سندھ کے علاوہ کسی نے اپنا معاملہ ہمارے سامنے پیش بھی نہیں کیا ہے۔ ہمارے پاس ایک کتاب بھی آئی ہے جس میں آٹھ کے حالات درج ہیں مگر کسی مخصوص درخواست یا عرضداشت کی غیر موجودگی میں ہم اس پر غور کرنے سے مجبور ہیں۔ ہمارے رفیق مسٹر سمیاس چندر بوس البتہ جانتے ہیں کہ اگر مالی حیثیت سے ممکن ہو تو ان علاقوں کو جن میں اڈریا بولی جاتی ہے مگر ایک صوبہ بنا دینا چاہئے انکی یہ بھی رائے ہے کہ آسام اور بہار و اڑیسہ کے جنگلی بولنے والے علاقوں کے بنگال میں ملائے جائیگا مطالبہ بھی حق بجانب ہے۔

کرالا اگر الاک کے متعلق ہمارے پاس وہاں کے صوبے کی کانفرنس کی ایک قرارداد پہنچی ہے جس میں اس کے اتحاد اور علیحدگی پر زور دیا گیا ہے۔ بظاہر تو کرالا کے مسئلہ میں بہت سی دشواریوں کا سامنا ہے اس لئے کہ اسکا اکثر حصہ ڈاکو راکو چین کی ریاستوں میں داخل ہے۔ ان ریاستوں کو چھوڑنے کے بعد جیسا کہ موجودہ حالات میں ہیں کرنا پڑے گا۔ بہت چھوٹا سا حصہ بچ جاتا ہے۔ ایسی حالت میں جیتک کہ پورا سالہ نہ موجود ہو ہم ابھی کرالا کے متعلق کوئی سفارش نہیں کر سکتے۔

کرناٹک اگرناٹک کا مسئلہ ہمارے سامنے کرناٹک ملاپ سنگھ اور صوبے کی کانگریس کمیٹی کے ایک نمائندے نے پیش کیا اور بہت اچھی طرح پیش کیا۔ ان کے پاس تاریخی، تمدنی اور اعداد و شمار سے متعلق معلومات کا کافی ذخیرہ تھا۔ ہمارے تمام سوالات کے قابل اطمینان جواب ملے اور ہماری رائے میں بظاہر کرناٹک کو متحد کرنے اور علیحدہ صوبہ بنانے کا مطالبہ بہت صحیح اور درست ہے۔

کرناٹک کا کچھ حصہ سی ریاستوں میں بھی پڑتا ہے اور خاصکر میور میں اور اس حصہ کو ملائے میں کھلی ہوئی عملی دشواریاں ہیں۔ یہ بھی غالباً آسان نہ ہوگا کہ کرناٹک کے ان چھوٹے جزیروں کو جو ریاست میسور کی دوسری طرف واقع ہیں ملا لیا جائے اس لئے کہ ان کے اور کرناٹک خاص کے درمیان میسور کی

ریاست حاصل ہوگی۔ بالآخر ہم جو حصہ چاہتے ہیں وہ بھی کافی بڑا ہے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ کرناٹک کو متحد کر لینا مطالبہ اگرچہ عملاً تمام باشندوں نے نہیں کیا ہے پھر بھی بہت بڑی اکثریت کا ہے۔ وہاں کوئی مہندہ و مسلم مناقشہ نہیں ہے لیکن برعین غیر برعین مناقشہ ضرور ہے مگر اسکا اس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کوئی منظم مخالفت موجود نہیں ہے اگرچہ بعض برعین اس کے مخالف ہیں۔ ہمارا اشتراک کی طرف سے جو بعض سرحدی اضلاع میں آباد ہیں اس خطرہ کا اظہار کیا گیا ہے کہ انکی زبان کو نقصان پہنچے گا لیکن اس کے لئے خطائی تدابیر اختیار کیا جاسکتی ہیں۔ مالی حیثیت سے کرناٹک کا پہلو بہت قوی ہو چکا ہے آج کل بھی کرناٹک کے برطانوی حصہ میں کافی پختہ ہے۔ ہمارے رفیق مسٹر م۔ س۔ آسنے کرناٹک کے معاملے میں ہمارے نقطہ نظر سے کلیتہً متفق نہیں ہیں۔ بد قسمتی سے وہ کیٹی کے اس اجلاس میں موجود نہ تھے جس میں اس مسئلہ پر کرناٹک کے نمائندے کی مدد سے غور کیا جا رہا تھا مسٹر آسنے کی رائے یہ کہ ممکن ہے مخالفت اس سے زیادہ ہوتی ہے ہم نے سمجھ رکھی ہے اور اس مخالفت کے ہم تک نہ پہنچنے کی وجہ یہ ہو کہ مخالفین کو یہ علم ہی نہ ہو کہ ہم اس مسئلہ پر غور و خوض کر رہے ہیں۔ اسکا امکان بہت کم ہے اس لئے کہ کرناٹک کے اخبارات پچھلے دنوں اسی مسئلے سے بھرے ہوئے ہوتے تھے اور ہماری کیٹی کے سامنے جو ناانگہی کرناٹک کی ہوئی ہے اسکی بھی کافی اشاعت ہو چکی ہے۔ اگر کوئی جماعت واقعی دل سے اس مسئلہ کی مخالفت ہوتی تو وہ ضرور ہمیں اپنے خیالات سے آگاہ کرتی۔ بلاشبہ ہم کوئی آخری فیصلہ تو اس مسئلہ کا ابھی نہیں کر سکتے لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اتحاد کے حامیوں نے بظاہر اپنے مطالبے کی موافقت میں قوی دلائل پیش کر دیے ہیں۔ ہم نے صوبے کے صحیح عدد متعین نہیں کر سکتے۔ یہ ممکن ہے کہ بعض صدی علاقے ایسے ہوں جن میں دو زبانیں بولی جاتی ہوں اس کے لئے معائنہ موقع ضروری ہے اور یہ کام ماہرین کی ایک کمیٹی کو کرنا چاہئے مسٹر آسنے اور مسٹر پرجھان اس مسئلہ پر کوئی رائے دینا نہیں چاہتے۔

سندھ ایہ افسوس کی بات ہے کہ اس گرامر می کے باوجود جو علیحدگی سندھ کے مسئلہ میں رہی ہے اتنا کام ہمیں تمام متعلقہ حقائق کا یہ علم نہیں ہے جیسا کہ کرناٹک کے متعلق اس کے نمائندوں کی وجہ سے

ہیں حاصل ہوا جو لوگ علیحدگی شدہ کا مطالبہ کرتے ہیں ہم ان سے درخواست کریں گے کہ وہ بھی کرنا ایک کی طرح صبر و استقلال کے ساتھ یہ فیصلہ لی تقشہ اور اعداد و شمار فراہم کر کے اپنے مقدمے کو مضبوط بنائیں۔ جیسا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں آل پارٹیز کانفرنس نے اس مسئلہ کے مالی پہلو کی تحقیقات کے لئے ایک سب کمیٹی دہلی میں مقرر کی تھی لیکن بدقسمتی سے حامیان علیحدگی نے اس سب کمیٹی کو کوئی آسانیاں نہیں ہم پہنچائیں۔ پٹانچہ اب تک وہ اپنی رپورٹ نہیں پیش کر سکی ہے۔ ہم معلوم نہیں کہ مستقبل قریب میں کوئی رپورٹ پیش کرنا اس کے لئے ممکن بھی ہوگا یا نہیں۔ فی الحال ہمیں عام اصولوں کے تحت آگے بڑھنا ہوگا اور بغیر اس مسئلے کے جو صحیح اعداد و شمار سے مل سکتی تھی کام کرنا پڑے گا۔

ہم صوبوں کی تقسیم سے متعلق دو اہم اصول تعین کر چکے ہیں، ایک لسانی وحدت اور دوسرا باشندوں کی خواہش، بلاشبہ سندھ دونوں پر پورا اترتا ہے۔ یہ ایک ممتاز لسانی گروہ اور باشندوں کی بڑی اکثریت علیحدگی کی خواہش مند بھی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے پاس صحیح اعداد و ان لوگوں کے نہیں ہیں جو علیحدگی کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن ہمیں اب تک یہ بھی نہیں معلوم ہوا ہے کہ کوئی مسلمان علیحدگی کا مخالف ہو اور مسلمان سندھ میں ۴۰ فیصدی ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہو کہ سندھ کی دوسری جماعتوں ہندو اور پارسی کے کم از کم بعض افراد تو ضرور علیحدگی کے حامی ہیں۔ اس لئے ہم بلا خوف و خطر یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ باشندوں کی بڑی اکثریت علیحدگی کی خواہشمند ہے۔ ہمیں یہ علم ہے کہ ہندوؤں کا ایک طبقہ (اور ممکن ہے کہ ہندو ہیں) ہندوؤں کے بڑے حصہ میں شامل ہو، اس علیحدگی کی شدت سے مخالفت کر رہا ہے۔ اس پر اصرار کیا گیا ہے کہ قبل اس کے کہ کوئی صوبہ علیحدہ کیا جائے اقلیت لسانی جماعت کے ایک حصہ کو بھی جو بقول ان لوگوں کے ایک تہائی ہو اس سے متفق ہونا چاہئے۔ ہمارے خیال میں تو یہ ایک بالکل غلط اصول ہے اور یہ نہ صرف خود مختاری کی منج کی کرتا ہے بلکہ اکثریت رائے سے فیصلہ کا جو اصول ہے اس کو بڑبڑا دے (کھینچ نکلتا ہے) اور اس سے بہت غیر معمولی نتائج پیدا ہونے کا امکان ہے مثلاً یہ ممکن ہے کہ آبادی کا ۱۰ یا ۱۵ فیصدی حصہ ۹۰ یا ۹۵ فیصدی (کو اپنی نشانہ کے مطابق) کام کرنے سے قطعی طور پر باز رکھے۔ پھر یہ جمہوریت تو نہ ہوگی اس کے علاوہ ایسے مسائل میں اقلیت والی

جماعت کیا ہوگی۔ عموماً نو صدوں کی تقسیم کا مسئلہ ہندو مسلم یا فرقہ وارانہ مسئلہ ہوگا نہیں۔ جو اقلیت اس کی مخالفت کرے گی وہ فرقہ وارانہ وجہ سے نہیں بلکہ حق دہش کے لحاظ سے ایرا کرے گی۔ پھر ایسی اقلیت کے ایک فرد کو بھی تبدیل رائے کے لئے مجبور کرنا کس طرح ممکن ہوگا اور اگر کچھ لوگ اسے تبدیل بھی کر دیا تو ایک دوسری اقلیت باقی رہتی ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ اس اقلیت کے ایک ٹلٹ کو بھی راضی کرنا چاہئے۔

اس میں شبہ کی گنجائش نہیں کہ سندھ دونوں بڑی شرطوں کو پورا کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ایک بین جغرافی وحدت ہے۔ اور بدلتی سے اس کا تعلق بالکل غیر فطری ہے۔ یہی سے وہاں بہ آسانی پہنچا بھی ممکن نہیں ہے اس لئے انتظام بھی علیحدگی ہی مناسب ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ معاشی اور اس سے بھی زیادہ مالی حیثیت سے سندھ ایک مستقل صوبے کے بار کو نہیں اٹھا سکتا۔ یہ بھی دکھایا جاتا ہے کہ ہر سال سندھ میں کافی گھٹا ہوتا ہے جو احاطہ لینے کے دوسرے حصوں کے محصل سے پورا کیا جاتا ہے۔ ہماری رائے ہے کہ عام طور پر ہر صوبے کو مالی معاملات میں کافی بالذات ہونا چاہئے اور مرکزی حکومت کے سامنے دست سوال نہیں دراز کرنا چاہئے۔ یہ بات ہماری سمجھ میں آسکتی ہے کہ غیر معمولی حالات میں مرکزی حکومت کچھ عرصے کے لئے کسی صوبے کی ترقی میں مدد دے تاکہ آئندہ وہ صوبہ کافی بالذات ہو جائے۔ اس کے علاوہ دوسرے مخصوص حالات بھی ہو سکتے ہیں جب ایسی مدد ضروری ہو۔ لیکن ایک ایسی آراضی کو جو علیحدگی کا مطالبہ کر رہی ہو اس امید پر نہیں رہنا چاہئے کہ باہر سے اس کے پاس دولت آتی رہے گی جس سے وہ اپنے انتظام کی کل چلاتی رہے گی۔ اسکو محسوس کرنا چاہئے اور اعلان کر دینا چاہئے کہ وہ اپنا بار خود اٹھائیگی۔

ہم یہ فرض کئے لیتے ہیں کہ آجکل سندھ باہر کے روپے کی مدد سے اپنی حکومت کو چلا رہا ہے لیکن اس سے ہم مجبور نہیں ہو جاتے۔ یہ ممکن ہے کہ اخراجات کے معیار میں کمی کرنے سے کام چلنے لگے۔ یہ بھی ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ حاصل ٹیکسز اور فروغ مثلاً زیادہ زراعت یا کسی دوسرے طریقہ سے اس کی آمدنی میں کافی اضافہ ہو سکے۔ یہ مسئلہ تو ایسا ہے کہ آزاد ہونے کے بعد تمام ہندوستان

میں اسے حل کرنا پڑے گا۔ اس وقت ہماری اولین توجہ اس طرف ہوگی کہ دولت کو ملک کے ترقی یافتہ
میں اور خصوصاً ان محکموں میں صرف کریں جن سے تعمیر قوم ہوتی ہو۔ یہ روپیہ تو اسی طرح حاصل ہو سکتا
ہے کہ صوبوں کے اخراجات میں کمی کی جائے اور آمدنی کے نئے راستے معلوم کی جائیں۔

بظاہر سندھ میں ترقی کے بہت امکانات ہیں۔ کراچی کا ایک بڑا بندرگاہ ہو جانا ممکن ہے
اور ابھی بہت سے علاقے ایسے ہیں جن میں یا تو کاشت سرے سے نہیں ہوتی یا ابھی بہت توسیع کی
گنجائش ہے۔ اس لئے یہ مغروہ ضلع غیر مناسب نہ ہوگا۔ کہ کچھ دن گزرنے کے بعد سندھ ایک دولت مند اور
کافی بالذات صوبہ ہو جائیگا۔

اپنے معاملات خود فیصلہ کرنے کا حق اگر محض مالی وجہ سے تسلیم نہ کیا گیا۔ اور ہمارے نزدیک
اور کوئی دوسری معقول وجہ موجود نہیں ہے تو یہ بہت بے اطمینانی کا باعث ہوگا اور لازماً سنڈکی ترقی
کی راہ میں حائل ہوگا اور تمام وہ قوت جو صوبے کی زندگی اور سکوکاموں میں صرف ہونی چاہئے
غیر مفید تحریکوں میں ضائع ہوگی۔ لیکن اگر یہ حق تسلیم کر لیا گیا اور یہ شرط بھی لگا دی گئی کہ اہل سندھ کو
مالی بوجھ خود اٹھانا پڑے گا تو یہ گویا نہ صرف صوبے کو مصروف عمل ہونے اور دوسرے ترقی یافتہ صوبوں
سے مقابلہ کر سکی دعوت ہوگی اور ایسا کرنا ہر ترقی کرنے والے ہمیشہ کا کام دیکھا۔

ہاں وجہ ہمارا خیال ہے کہ سندھ کی علیحدگی کی موافقت میں لال بہت قوی ہیں۔ مالی حیثیت
کے متعلق کافی معلومات کی غیر موجودگی میں ہم اس مسئلہ کا قطعی فیصلہ نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن کم از کم یہ
ضرور کہہ سکتے ہیں کہ مالی خطرات کے اس قدر قوی ہونے کا بہت کم امکان ہے کہ وہ تمام ان عناصر پر
غالب آجائیں جن سے ہم نے بحث کی ہے اس لئے ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی ناقابل عبور دشواری
نہ پیش آجائے۔ اور فی الحال تو ہم کسی ایسی دشواری کا تصور بھی نہیں کر سکتے تو سندھ کو علیحدہ کر دینا
چاہئے۔

اس موقع پر ہم یہ بھی بتادینا چاہتے ہیں کہ ہمارے رفقائے مسٹر آئے اور مسٹر پرجان ان دلائل
سے جو ہم نے پیش کئے ہیں پورے طور پر متفق نہیں ہیں۔ وہ یہ تو مانتے ہیں کہ سندھ ایکسانی آراضی

ہے اور باشندوں کی بڑی اکثریت علیحدگی کی خواہشمند بھی ہے لیکن امکان خیال ہے کہ آخری فیصلہ کن فیصلے پہلے مالی اور انتظامی پہلوؤں کی بھی پوری پوری تفتیش کر لینی چاہئے۔ ہمارا بھی یہی خیال ہے کہ علیحدگی کے نفاذ سے پہلے مالی پہلو کی کچھ نہ کچھ جھان بین تو ضرور کرنی پڑے گی۔ یہاں یہ بھی گدیا ضروری ہے کہ ایک تراضی کے الگ کرنے اور نئے صوبے کی تشکیل سے یہ لازم نہیں آتا کہ معاشی زندگی بھی بالکل جدا گانہ ہو اور نہ ہی لازمی ہے کہ حکومت کے تمام آلے دوکر دے جائیں مثلاً یہ اچھی طرح ممکن ہے کہ ایک بانی کورٹ ایک سے زیادہ صوبوں کے لئے کافی ہو۔

سندھ کی بحث ختم کرنے سے پہلے ہم اس دستاویز کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں جو معاہدہ سندھ کے نام سے موسوم ہے اور جسے ہمارے پاس سندھ سیشن لیگ نے بھیجا ہے۔ یہ دس دفعات پر مشتمل ہے اور موضوع اس کا بہت وسیع ہے۔ اس پر ۳۱ ہندو مسلمان اور پارسی حضرات کے دستخط ثبت ہیں۔ ہمارے پاس سندھ آرین سیشن اور سندھ پراونشل ہندو سبھا کے معروف شخص اور بعض انفرادی ہندو سبھیوں کے تار بھی آئے ہیں جن میں اس معاہدے سے برائت کا اعلان کیا گیا ہے اور یہ دعوے کیا گیا ہے کہ اس کے بانی صحیح نامہ نہیں ہیں۔ ہمارے پاس ایسا کوئی سالہ موجود نہیں ہے جس کی بنیاد پر ہم ان دونوں مخالف گروہوں کے متعلق جو سندھ کی ناندرگی کے مدعی ہیں کوئی فیصلہ کر سکیں اور نہ ہم اسے اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ سندھیوں میں ایسا کبھی اتفاق موجود نہیں ہے جس سے کیڑی اس معاہدے کو بجنہ قبول کرنے پر مجبور ہو۔ اس حیثیت سے کہ یہ چند ذمہ دار اشخاص کا محدود حصہ ہے۔ ہم نے اس پر کافی غور کیا ہے۔ ہم اس سے پہلے اس دفعہ کا ذکر کر چکے ہیں جو تحفظ نشست سے متعلق ہے اور اسے قبول کرنے سے اپنی معذوری کا بھی اظہار کر چکے ہیں جہاں تک یہی سندھ کی علیحدگی کی مناسبت کا تعلق ہے ہم ان کو شفق ہیں لیکن میں اسوس ہو کہ ان کے اس اعلان کو کہ وہ بدعتی چادر ہوگی اتنا ہی یہ پھیلائیے گی۔ مالی مسئلہ کا آخری حل کی حیثیت نہیں دے سکتے فی الحال اس معاہدے کو ہمیں رہنا چاہئے جہاں ہم نے لے چھوڑا ہے۔ معاہدے کی دوسری دفعات کا ذکر خیزل ضروری نہیں۔

پانچویں باب

ہندوستانی ریاستیں اور ریاست خارجہ

پبلک انخاص اور انجمنوں کا رویہ | اب ہم ہندوستانی ریاستوں کے مسائل کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ جو
دیہی ریاستوں کے معاملہ میں | نہایت اہم ہیں۔ اس موضوع پر بحث کے لئے شروع ہی میں ہم امن
عام اعتراض کا سد باب کر دینا چاہتے ہیں۔ جو آج کل بعض حلقوں میں برطانوی ہند کے سیاست میں کے
خلاف عام طور پر کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ اپنے مباحثہ اور تجاویز میں دیہی ریاستوں کے نفس وجود
کو اور موجودہ یا آئندہ زمانہ میں حکومت ہند کے ساتھ ان کے تعلقات کے سوال کو یکدم نظر انداز
کر دیتے ہیں۔ نہایت پر زور طریقہ کے ساتھ ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ ہرگز واقعہ نہیں کہ ہندوستانی ریاستوں
کے معاملات پر یا حکومت ہند کے ساتھ ان کے تعلقات کو کبھی عام جلسوں، سیاسی کانفرنسوں
یا ہمارے سیاست میں کی تقریروں میں نظر انداز کیا گیا ہو۔ اگر شکایت یہ ہے کہ ہندوستانی ریاستوں
کے معاملات پر یا حکومت ہند کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت و حیثیت پر مرکزی مجلس قانون ساز
کے اندر بحث نہیں کی گئی ہو۔ تو اس کا نہایت صاف جواب یہ ہے کہ نفس منکور کے موجودہ احکام
کی رو سے ایسی بحث ممنوع ہو۔ اور عملاً اس کی کبھی اجازت نہیں دی جاتی۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ
ذمہ داری ہندوستان کے سیاست میں کے سرعائد نہیں کی جاسکتی۔ بخلاف اس کے ملک کی شکل کوئی سیاسی
با اثر انجن ہوگی جس نے ہندوستانی ریاستوں کے مسئلہ پر کچھ دنوں کچھ نہ کچھ اظہار خیال نہ کیا ہو۔
کاگر کس، لبرل لیگ، ہندو سبھا اور سب سے آخر میں خود آل پارٹیز کانفرنس نے جس کی طرف سے
یکٹی مقرر کی گئی ہو، اس مسئلہ کو نظر انداز کرنا تو درکنار بہر بہت کافی زور دیا ہے۔ ہندوستانی
ریاستوں کی رعایا بھی اپنی اپنی ریاستوں کے داخلی معاملات میں کافی دلچسپی کا اظہار کرتی رہی ہے
اور عوام کے حقوق و آزادی کے باضابطہ تسلیم کئے جانے پر زور دیتی رہی ہے۔ ان کے نمائندوں
کی دوکان نہیں منقذ ہو چکی ہیں۔ اور دوسری نے جو در اس میں ہوئی تھی، ایک کیٹی مقرر کی تھی جس نے

برطانوی ہند اور ویسی ریاستوں دونوں کے لئے سوراہ کی ایک اسکیم منظور کر کے ہمارے سامنے پیش کی ہو۔ اس اسکیم پر بحث ہم بعد میں کریں گے۔ ہم جانتے ہیں کہ انھیں تھوڑے دنوں کے اندر بعض دالیان ملک کے جذبات کو برطانوی ہند کی رائے عامہ کے اس دلچسپی لینے سے ٹھیس لگی ہو جو ان کے نزدیک مداخلت یجا کی حد تک پہنچتی ہو۔ اور جس میں وہ یہ عیب بتلاتے ہیں کہ اس میں یا تو واقفیت کی کمی ہے یا سیاسی تدبیر کی، یا ہمدردی کی۔ لہذا ہم نہایت زور کے ساتھ اس بے بنیاد الزام کی تردید کرتے ہیں کہ برطانوی ہند کے سمجھدار لوگوں کی رائے کبھی اس قدر خود غرض رہی ہے، کہ وہ برطانوی ہند کے حدود کے باہر نظر نہ اٹھائے، یا دالیان ملک یا ان کی رعایا کے نقطہ نظر کے سمجھنے پر آمادہ نہ ہو۔ یا جہاں اور جب کبھی ہمدردی کا امکان ہو تو اس کے اظہار میں کوتاہی کی ہو۔ اگر اس نے کبھی کبھی دالیان ملک کے مطالبات پر تکتہ چینی کی ہے۔ یا بعض اوقات ان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی ہو، یا کبھی ان کے اور آئندہ خود مختار ہندوستان کے درمیان دستوری تعلقات کے ارتقا کو دوسرے زاویہ نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کی ہو، تو یہ ظاہر ہے کہ اس کا اسے حق حاصل تھا۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ برطانوی ہند کے درجہ نوآبادیات حاصل کرنے کی راہ میں ہندوستانی ریاستوں کے مسئلہ کو ایک ناقابل حل دشواری کی شکل میں پیش کرنا دونوں کے لئے بیشمار نقصانات کا موجب ہوگا اور بجائے اس کے کہ یہ سیلان دونوں ہندوستانوں کو ایک دوسرے کے قریب کرنے میں معاون ہو، احتمال ہے کہ شدید غلط فہمیوں کے پیدا ہونے کا باعث ہوگا۔

برطانوی ہند اور ہندوستانی ریاستوں کے روابط

جہاں یہ واقعہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ایک ہندوستانی ہندوستان ہے جو ان ریاستوں پر مشتمل ہے جن میں سے بعض اگر بڑی نہیں تو کم از کم پورے کے بعض ملکوں کے برابر ہیں جنہیں ایک قسم کی اندرونی حاکمیت، خود مختاری، اور آزادی، رتبہ اور حیثیت حاصل ہے۔ وہاں ہمارا خیال ہے کہ اس کھلے تاریخی، مذہبی، تمدنی اور معاشی لگاؤ کو نظر انداز کرنا جو برطانوی ہند اور ان ریاستوں کے باشندوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔ خلاف تدبیر اور

تنگ نظری کا مرادف سمجھا جائیگا۔ اور نہ ہمارے خیال میں ان دونوں علاقوں کے درمیان کوئی مصنوعی جغرافیائی حد فاصل کھڑی کرنا ممکن ہے۔ آج خیالات اور رائیں ہندوستان کے ایک حصے سے دوسرے حصہ میں اس سے کہیں زیادہ تیزی کے ساتھ پہنچ جاتی ہیں، جتنا ۱۶۰، ۱۷۰ برس پہلے پہنچا کرتی تھیں۔ ہندوستانی ریاستوں کے مسئلہ کے متعلق اس غور سے کو پیش نظر رکھ کر گفتگو کرنی حاققت ہوگی کہ جو متحرک قوتیں اس وقت برطانوی ہند میں کارفرما ہیں، وہ بس برطانوی ہند کی سرحد پر پہنچ کر ختم ہو جائیں گی۔ یہ بات کسی طرح خیال میں نہیں آسکتی ہے کہ ریاستوں کے ہندو جبکہ سینوں میں دہی حوصلے اور انگلیں موجزن ہیں جو برطانوی ہند کے دونوں ہیں ہمیشہ موجودہ حالات کو اسی خاموشی کے ساتھ برداشت کرتے رہیں گے، یا برطانوی ہند کے لوگ جو اس فرضی خطہ کے دوسری جانب بننے والے بھائیوں کے ساتھ خاندانی ہنسلی اور مذہبی رشتوں سے وابستہ ہیں، کبھی ان کے شریک حال نہ ہوں گے۔ لہذا اس مسئلہ پر غور و فکر کرنے میں ہیں اپنے نتائج کی بنیاد ظاہری اختلافات سے زیادہ مفاد کے اشتراک پر رکھنی چاہئے۔ اس اشتراک مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ فریقین ابھی تحفظ اور ترقی کے لئے ملکر کوشش کریں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر کبھی کسی ایسی گول میز کانفرنس کا موقع تھا جس میں مکمل سمجھوتہ آسانی کے ساتھ ہو سکتا تو وہ یہ تھا۔ دالیان ملک، ان کی رعایا، حکومت ہند اور برطانوی ہند، ان میں سے ہر ایک کے نمائندے اس کانفرنس میں حسیع ہوتے۔ اور تمام مشکلات باہمی رضامندی سے حل ہو جاتیں، لیکن بد قسمتی سے اکثر دالیان ملک نے وہ اہم ترین جاعتوں یعنی اپنی رعایا اور برطانوی ہند کی رعایا کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے اور بڑے کمزوری کے تصور کی خواہش کی، یا اسے تسلیم کر لیا جو جو قطع نظر اس سے کہ اس میں ضروری فریقین موجود نہ ہوں گے خود اپنے حدود استصواب کے لحاظ سے (جیسا کہ ہم انہیں سمجھے ہیں) دستور کی سائل پر بحث کرنے سے معذوری ہے۔ یہ کیڑا اپنے مخفی چلے کر رہی ہے۔ لیکن جو منومات کہ مطبوعہ بیانات کے ذریعہ سے ہم تک پہنچی ہیں، ان کے دیکھنے کے بعد ہمارے ذہن میں کوئی مشتبہ باقی نہیں رہتا کہ دستور کی نظریوں سے کام لیکر ان ہندوستانی ریاستوں کو ہندوستانی الشٹر (Ulster) بنانے

کی کوشش کی جا رہی ہے۔

ہم نے اپنی تہذیبیں اس دستوری سوال کی طرف اشارہ کیا ہے جو سر ملکم ہیلی نے فروری ۱۹۳۱ء میں مجلس قانون ساز کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اٹھایا تھا۔ اس وقت سے وہی سوال یا اس قسم کے دوسرے سوالات دوسرے حلقوں سے بھی اٹھائے جا رہے ہیں اور اب ہم انہی سوالات سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔

دستوری حیثیت | اس وقت جو دستوری حیثیت ہے۔ اسکا سمجھنا باوجود اہم کے چنداں دشوار نہیں۔ دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ صحیح دستوری نظریہ کی روش میں دستاویزی ریاستوں کا تعلق تاج برطانیہ سے ہے۔ اور ہمیشہ رہا ہے۔ خواہ ان کے معاہدے الیٹ انڈیا کمپنی سے ہوئے ہوں خواہ تاج برطانیہ سے۔ یا ۱۷۵۷ء سے حکومت ہند کیساتھ۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ دستور کی رو سے تاج سے مراد صرف بادشاہ ہی نہیں ہے۔ یہ ایک عام دستوری اصطلاح ہے جس سے بادشاہت پارلیمنٹ مراد ہے۔ ۱۷۵۷ء سے قبل الیٹ انڈیا کمپنی کو ان اختیارات کی رو سے جو تاج کی طرف سے اُسے تفویض کئے گئے تھے۔ پورے حق کی حقوق حاصل تھے۔ اور ۱۷۵۷ء سے وہ اختیارات حکومت ہند اور وزیر ہند کی طرف منتقل کر دیئے گئے۔ جو اس نظام کا ایک لازمی جز ہے۔ جو پارلیمنٹ نے ہندوستان کی حکومت کے لئے قائم کیا جو ۱۷۵۷ء کے ایکٹ کی دفعہ ۶ میں ہے کہ ”تمام وہ معاہدے جو کمپنی مذکور نے کئے ہیں، ان کی پابندی ملک مظہر پر عائد ہوگی“ اور اسی طرح راج۔ الوقت ایکٹ کی دفعہ ۲ میں یہ ہے کہ ”تمام وہ معاہدے جو اس قانون کے نفاذ کے وقت قائم ہیں۔ ملک مظہر ان کے پابند رہیں گے۔“ واقعہ یہ ہے کہ ان معاہدوں کا نفاذ ان شرائط کی تکمیل جو ان معاہدوں کے رو سے عاید ہوتی ہیں اور ان معاہدوں کی تاویل یہ سب کچھ اب تک وزیر ہند کی نام نہاد نگرانی کے ماتحت حکومت ہند کے معمولی کام اور فرائض میں داخل رہا ہے۔ یہ خیال میں ہی نہیں آسکتا کہ کوئی والی ریاست موجودہ دستور کے ماتحت حکومت ہند یا وزیر ہند کو نظر انداز کر کے کوئی معاملہ جو اپنے فرائض کے تحت رکھتا ہو۔ بادشاہ یا ملک مظہر کی حکومت کے

پاس براہ راست لجا سکتا ہو علاوہ اس کے واقعہ یہ ہے کہ حکومت ہند کو بعض اختیارات متبعض اکثر استعمال رسم و رواج کے بنا پر حال ہو گئے ہیں جو تحریری معاہدوں کے حدود سے باہر ہیں۔ حکومت ہند نے اپنے حدود اختیار کی توسیع کے لئے بارہا فارن جورس ڈکشن ایکٹ ۱۹۰۹ء اور انڈین فارن جورس ڈکشن ایکٹ ۱۹۲۵ء کی طرف رجوع کیا ہے۔

حکومت ہند کی قرارداد ۱۹۲۵ء کو اکتوبر ۱۹۲۵ء کی قرارداد کی رو سے حکومت ہند نے ان معاہدات کو منظور کر لیا ہے، جو ہندوستان کی آئینی رپورٹ کے پیرا ۳۷ میں درج ہیں جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایسے معاملات میں کیا رویہ اختیار کیا جائے، جن میں کسی اہم ریاست کے والی کو عارضی یا مستقل طور پر ان حقوق، اعزازات، و اختیارات میں سے جو یہ حیثیت والی کے اُسے حاصل ہیں کسی سے محروم کرنے کا سوال پیدا ہو، یا ایسے والی کے ولیعہد یا کسی اور رکن خاندان کو جانشینی سے روکنے کا مسئلہ پیش آئے، جو ریاست کے قانون اور دستور کی رو سے جانشینی کا مستحق ہو۔

دستوری حیثیت کے متعلق اپنے خط مورخہ ۲ مارچ ۱۹۲۶ء میں لارڈ ریڈنگ نے دستوری حیثیت لارڈ ریڈنگ کے خیالات کے متعلق حسب ذیل الفاظ میں فرمایا ہے (۱) ہندوستان میں تاج برطانیہ کی حاکمیت سب سے اعلیٰ ہو۔ اور اس لئے کسی ہندوستانی ریاست کا کوئی والی برطانیہ کے ساتھ مساوی نہ حیثیت سے گفت و شنید نہیں کر سکتا ہے۔ اس کی برتری صرف معاہدوں اور صلح ناموں پر مبنی نہیں ہے، بلکہ وہ بذات خود اپنی ایک حیثیت رکھتی ہو، اور ان مخصوص اختیارات سے قطع نظر جو اُسے دول خارجہ اور سیاست خارجہ سے متعلق معاملات میں حاصل ہیں حکومت برطانیہ کا یہ حق اور فرض ہو کہ وہ ان صلح ناموں اور معاہدوں کا دیانت کے ساتھ لحاظ رکھتے ہوئے ہندوستان بھر میں امن اور انتظام قائم رکھے۔ (۲) ہندوستانی ریاستوں کے داخلی معاملات میں حکومت برطانیہ کا حق مداخلت تاج برطانیہ کی برتری کے لازمی نتائج کی ایک دوسری مثال ہو۔ رج، داخلی حاکمیت کے مختلف مدارج جو دالیان کو حاصل ہیں۔ وہ سب اس شرط

کے ماتحت ہیں کہ حکومت بالادست اپنی اس ذمہ داری کو پورا کرے۔

یہ ہر شخص جانتا ہے کہ ان وسیع اختیارات کے عمل میں لانے پر، یا صحیح طور پر یوں کہنا چاہئے کہ پچھلے چند سالوں میں حکومت ہند کے اس فیصلہ پر کہ بعض والیان کے معاملہ میں ان اختیارات کا استعمال کیا جائے بہت کچھ بحث ہوئی اور سب اطمینان کا اظہار کیا گیا ہے۔ اور لاٹو ریڈنگ نے ہنرکرا لٹید ہائینس نظام حیدرآباد کے اس خط میں جبکہ کچھ حصہ ہم نے اوپر نقل کیا ہے ان کی آئینی حیثیت کو جس طرح واضح کیا ہے، اُس سے بڑی تشویش پیدا ہو گئی ہے۔ ہمارا یہ نشانہ مقصد نہیں ہے کہ اس خط میں جو دعویٰ کیا گیا ہے اُس کی صحت یا عدم صحت پر بحث کریں۔ ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس قدر وسیع اختیارات بھی حکومت ہند ہی کی مرضی اور نشانہ اور اُنسی کی معرفت استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

رسم یا رواج یا بطانوی طاقت کی برتری کے لازمی نتیجہ کی حیثیت سے حکومت ہند نے (۱) گدی پر راجا یا نواب کے بٹھانے، (۲) حکمران کی کمپنی کے دوران میں ریاستوں کا انتظام کرنے، (۳) والیان اور جاگیرداروں میں تنازعات کے فیصلہ کرنے اور (۴) سخت پیدائشی کی صورت میں مداخلت کرنے کے حق کا ہمیشہ دعویٰ کیا ہے۔ اور اسے استعمال بھی کیا ہے ان معاملات میں والیان ریاست کو شکایتوں کے رفع کرنے کی جو جائز خواہش ہوگی۔ اُس کے ساتھ جمہوری ہند کا بھی ہمہ ردی ظاہر کرنا ممکن ہے، اور ہم اسے کسی طرح ناممکن اور ناقابل عمل نہیں سمجھتے کہ ان حدود کو متنبہ کر دیا جائے کہ حکومت ہند اپنی موجودہ یا آئندہ شکل میں مداخلت کر سکتی ہے۔ مگر ہمارا خیال ہے کہ اس کھلی ہوئی حقیقت کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ حکومت ہند ہمیشہ نوآبادی بھی ملک منظم کی ویسی ہی حکومت رہے گی جیسی کہ موجودہ حکومت ہند ہے۔ اور ہندوستان کی نوآبادی طرز کی حکومت کے لئے موجودہ حکومت ہند کی جگہ لینے میں کوئی آئینی رکاوٹ نہیں ہے۔

اگر وفاداری اور محبت کے کچھ ایسے شخصی رشتے ہیں جو ہندوستان کے راجاؤں اور

نوابوں کو ملک منظم کے خاندان، ذات، یا تخت سے وابستہ کئے ہوئے ہیں تو وہ رشتے اس وقت جبکہ ہندوستان نوآبادیاتی حیثیت حاصل کرے گا، ہندوستان میں ملک منظم کی حکومت کے اندر ترمیم یا تبدیلی سے ٹوٹ نہیں سکتے تاج کیساتھ اپنے فرائض یا تاج کو ان کے ساتھ اپنے ان حقوق کے استعمال کی گنجائش ہمیشہ باقی رہیگی جو تاج برطانیہ اور والیان ہند کے درمیان ذاتی تعلقات کی بنا پر عاید ہونے ہیں۔

سرسلی اسکاٹ کے خیالات | اسکے بعد ہم اس موضوع پر تازہ ترین خیالات کی طرف توجہ کریں گے یہ خیالات والیان ریاست کے لائق وکیل سرسلی اسکاٹ جیسے ممتاز شخص کے ہیں جن کو انھوں نے ایک خط میں ظاہر کیا ہے جو لاہور ٹری ریوویو کے جولائی نمبر میں شائع ہوا ہے۔ ہم چرچیت وکیل کے ان کی قابلیت تسلیم کرتے ہیں لیکن ہم یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ان کے خیالات چرچیت والیان ہند کے وکیل کے ایک غیر جانبدار منصف یا قانون دان کے آگے جس کے سامنے مسئلہ کے دونوں پہلو پیش کر دئے گئے ہوں، تحقیق و امتحان کے محتاج ہیں۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے وہیں ان سے قطعی اختلاف ہے، یہ بات بیان کرنے کے بعد کہ تاج اور ہندوستانی ریاستوں کے تعلقات نہ بین الاقوامی قانون کے تحت ہیں آسکتے ہیں، اور نہ میونسپل قانون کی تحت ہیں، سرسلی اسکاٹ دریافت فرماتے ہیں کہ پھر ایک ہندوستانی ریاست کے تعلقات تاج برطانیہ کے ساتھ قانونی اصولوں کے کس نظام کے ماتحت آسکتے ہیں، کوئی قانونی فیصلہ نہیں جو نظیر کا کام دے سکے، اور نہ کوئی مکمل مثال ہے جو رہبری کر سکے، اسی صورت میں قانون کے اولیں اصولوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے، ہمیں مقابلہ خود ہی سوچنا پڑے گا، قانون دان کے لئے یہ تقریباً اچھا تا سیدان ہوگا اگر یہ مان لیا جائے کہ ایک قانون دان کے لئے یہ اچھا تا سیدان ہے، جو ہمارے خیال میں صحیح نہیں تب سب بھی ہم سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ کا تعلق ایک نوٹنگ قانون دان سے اتنا نہیں ہے جتنا ایک کار ساز مدبر سے، سرسلی اسکاٹ نے اپنے اس خط میں پانچ خاص دیکھ بھال کیے ہیں انہیں سے بعض صحیح تسلیم کئے جاسکتے ہیں لیکن بعض کو بہت زیادہ وسیع الفاظ میں بیان

کیا گیا ہے۔

بہر صورت ان دعووں سے جو نتیجہ نکالنے کی کوشش کی گئی ہو، اس کا اثر اس قدر دور تک پہنچتا ہے کہ اگر دالیان ہند نے اپنے دعوای کو اسی اساس پر قائم رکھنے کا فیصلہ کیا جو اس قدر ہوشیاری سے ان کے لئے تیار کی گئی ہو۔ تو یہ بالکل یقینی ہو کہ برطانوی ہند اپنی نوآبادیاتی حکومت کی خواہش کے ساتھ انکے اظہار ہندی کو باور کرنے پر آمادہ ہو گا، اور ہندوستان کے لئے دولت متحدہ کا جو ذکر کرتے ہیں، اسے ایک خواب سے زیادہ نہ سمجھیں گے جس کی تعبیر کو ایک بیدار غیر متین مستقبل پر اٹھا رکھنا پڑے گا۔ سرسلی اسکاٹ کا پہلا دعویٰ یہ ہے کہ بنیادی رشتہ باہمی رضامندی ہو، اور برطانیہ نے اسے طرختائیم کر لیا ہو۔ اسے صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے لیکن اس دعوے میں اس سے زیادہ کوئی بات نہیں ہو جو ہر ان ریاستوں کے متعلق کہی جاسکتی ہے جو باہمی معاہدوں یا سمجھوتوں کے ذریعہ سے وابستہ ہیں۔

دوسرا دعویٰ جو انہوں نے پیش کیا ہو یہ ہے کہ یہ معاہدے حاکمان مطلق کے درمیان ہیں یعنی دالیان اور تاج برطانیہ کے درمیان ہوئے ہیں نہ کہ کمپنی یا حکومت ہند کے ساتھ۔ یہ دعویٰ ہمارے خیال میں تاریخی اور قانونی دونوں حیثیتوں سے بالکل ناقابل قبول ہو۔ اور بہر صورت قانونی نظر یہ خواہ کچھ لمبی ہو، واقعی عمل یہ بتاتا ہے کہ ہندوستانی نواب و راجگان اور ریاستوں کا تعلق زیادہ تر حکومت ہند سے رہا ہو اور انہوں نے اسی کے احکام فیصلے اور مداخلت کو ہمیشہ تسلیم کیا ہے، اور کبھی تاج یا ملک معظم کے حکومت سے تعلق نہیں رکھا ہو۔ ملک معظم اور ایک ہندوستانی والی ریاست میں اگر ذاتی تعلقات ہوں تو ہمارے خیال میں اس مسئلہ کی صحیح قانونی حیثیت میں نہ کوئی تبدیلی پیدا ہوتی ہو، نہ اس کی عملی تفسیر پر کوئی اثر پڑتا ہے۔ تیسرا دعویٰ یہ ہے کہ یہ تعلق بالکل قانونی ہو یعنی باہمی حقوق اور فرائض کا ایک رشتہ ہو۔

انہی اعتبار سے محض اس مانی چیز نہیں ہے۔

ہمارا خیال تھا کہ دالیان ہند کی ایک سب سے بڑی شکایت یہ ہوئی کہ حکومت ہند نے عملاً اپنے

اختیارات کو اس قانونی تعلق کے حدود سے باہر من مانے طریقہ پر استعمال کیا ہو اگر وہ ان اختیارات کی من مانی توسیع کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں تو ہمارے خیال میں یہ ایک سمجھ میں آنے والی بات ہے لیکن یہ ذرا خیال رکھنے کی بات ہے کہ جس سلسلہ میں یہ بات پیش کی جا رہی ہے اس کی موجودہ حالات میں اتنی علیٰ اہمیت نہیں ہے جتنی برطانوی ہند کی اس دستور پر ترقی کے سلسلہ میں ہو جو آئندہ ہونیوالی ہے۔

چوتھا دعویٰ یہ ہے کہ ان والیان نے معاہدے کرتے وقت برطانوی تاج اور برطانوی قوم پر اپنا اعتماد قائم کیا تھا۔ اور تاج ان معاہدوں کو کسی تیسری جماعت کے پرضمن کر سکتا حکومت برطانیہ نے چشیت حکومت بالادست کے تمام ریاستوں کا تحفظ اپنے ذمہ لیا ہے۔ اور اس لئے اس نے یہ پابندی بھی اپنے سر لی ہے کہ اس فرض کی ادائیگی کے لئے جتنی بری اور بھری فوج کی ضرورت ہے اس کے ساتھ ہندوستان میں موجود رہے۔ ان افواج کو وہ کسی دوسری حکومت کے ہاتھ میں نہیں دے سکتی۔ نہ کسی غیر ملکی طاقت مثلاً فرانس، جاپان کے ہاتھ میں نہ کسی نوآبادیاتی حکومت جیسے کنیڈا، اسٹریلیا کے ہاتھ میں، اور نہ خود برطانوی ہند کو خط ہم نے کھینچا ہے، اسکا لازمی نتیجہ جو نکلتا ہے وہ پانچویں دعویٰ میں بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ تاج معمولاً اپنے کارندوں کا انتخاب کر سکتا ہے۔ لیکن اگر کارندے کو مفاد اور ان کے فرض میں تضادم ہو تو اس صورت میں وہ کام نہیں کر سکتا۔ اپنے اور ریاستوں کے تمام شہر کے معاملات میں مثلاً محامل دیوبند، بندرگاہیں، تنک کے اجارے وغیرہ ہمیشہ اس بات کا امکان ہے کہ برطانوی ہند اور کسی مخصوص ریاست کا مفاد ایک نہ ہو۔ ایسی صورت میں تاج کا فرض ہے یا ہو سکتا ہے کہ وہ اس ریاست کے مفاد کی حفاظت کرے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ کوئی نابالغ حکومت کر رہا ہو کیا کارندہ کے مفاد کو آقا کے فرض سے متضادم ہونے کا موقع دینا چاہئے؟ یہ اگر صحیح ہے تو برطانوی ہند کے درجہ نوآبادیات حاصل کرنے کی راہ میں اس وقت بھی اور آئندہ ہمیشہ کے لئے ایک بہت بڑی رکاوٹ پیدا کرتا ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ والیان ہند اور برطانوی تاج و برطانوی قوم کے درمیان یہ

معاہدے اگر بالکل شخصی حیثیت رکھتے ہیں تو ہندوستان ہمیشہ دو مختلف حصوں یعنی برطانوی ہند اور ہندوستانی ریاستوں میں منقسم رہے گا۔ اور برطانوی قوم ان ریاستوں سے متعلق اپنے فرائض کی تکمیل کی غرض سے ہمیشہ کثیر بری اور بحری فوجیں رکھے گی۔ ہم یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ ایسے استبدال میں ذکاوت اور ذہانت کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ ایک تشیل سے شروع ہوتا ہے اور اس تشیل کی تطبیق کے لئے حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ یہ فرض کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ والیان ریاست اور تاج کے باہمی معاہدوں کی وہی حیثیت ہو جو عام افراد کے نجی معاہدوں کی سرکاری اسکاٹ نے خود اپنی خطا کے ابتدائی حصے میں یہ تسلیم کیا ہے کہ حاکمیت کے بعض فرائض کو تاج کے سپرد کر دینے کے بعد بھی والیان نے اس کی صفات کو اپنے لئے برقرار رکھا تھا اور اسی (حاکم کی) حیثیت سے انہوں نے دوسرے حاکموں سے معاملہ کیا خواہ وہ دوسرا حاکم ایٹ انڈیا کی پٹی ہو یا بادشاہ مس پارلیمنٹ۔

علاوہ اس کے یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کہ عام افراد کے درمیان ہر معاہدہ اس درجہ شخصی نوعیت کا ہوتا ہے کہ اسے کوئی دوسرا پورا ہی نہیں کر سکتا۔ یہاں تو یہ ہے نہیں کہ معاہدہ فریقین میں سے ایک دوسرے پر کوئی خاص اعتماد رکھتا ہو۔ یہ نام ہمارے معاہدے بعض مخصوص حالات کے زیر اثر کئے گئے تھے۔ اور کسی دوسری طاقت سے بھی بالکل وہی یا اس نوعیت کے ہوتے اگر وہ طاقت وہی حیثیت اختیار کر لیتی جو برطانیہ کی تھی۔ اس استبدال پر حکومت ہند کے مسلمہ طرز عمل کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور قانونی تولقات کی تعلین کرنے میں بنیادی اصولوں کا ذکر چھپ کر اس اٹل اور ناقابل انکار حقیقت کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے کہ کمپنی کے ابتدائی زمانہ سے والیان ہند اور ان کی ریاستوں کے ساتھ حکومت ہند اور صرف حکومت ہندی نے معاملہ کیا ہے اس استبدال میں ہندوستانی والیان ملک اور برطانوی قوم کے درمیان شخصی اعتماد کا عنصر بھی داخل کیا گیا ہے جبکہ کھنڈا سان نہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گذشتہ اور موجودہ حکومت ہائے ہندو جنہوں نے اب تک ان اختیارات کا استعمال کیا ہے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ تاج نے منتقل

کئے تھے۔ دالیان ہند اور ان کی ریاستوں کے لئے قابل قبول تھیں، لیکن آئندہ کی حکومت ہند اگر وہ نوآبادیاتی طرز کی نہ ہوئی تو ناقابل قبول ہوگی۔ صاف اور صریح الفاظ میں اسکا یہ مطلب ہے کہ گزشتہ اور موجودہ حکومت اسے ہند اسویج سے قابل قبول تھیں کہ ان کی ترکیب میں بہت بڑا غیر ملکی عنصر شامل تھا اور وہ ہندوستانی رائے دہندگان کے سامنے جوابدہ نہ تھیں، اور آئندہ کی ذمہ دار حکومت ہند ان دالیان ریاست کے لئے اس بنا پر قابل قبول نہ ہوگی کہ یہ خود اپنا الگ ملک پرستش ہوگی، اور اپنے ہی ملک کے رائے دہندگان کے سامنے جوابدہ ہوگی لیکن اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے تو کیا اس دعوے کی کوئی سند ہے کہ جس معاہدے کو کارندہ پورا کر سکے اس میں کارندہ کا انتخاب اصل مالک کے بجائے معاہدہ کے دوسرے فریق کے ہاتھ میں ہوگا۔ چنے یہ دکھایا ہے کہ اب تک "معاہدہ" جو گورنر کے کارندوں سے پورا کیا ہے، وہ کالے راجاؤں اور نوابوں کے لئے پورے اطمینان کا باعث ہوا ہے، ہم پوچھتے ہیں کہ کس اصول قانون کی بنا پر وہ معاہدہ "کارندہ" کالے راجاؤں اور نوابوں کیلئے اگر زیادہ نہیں تو اسی قدر قابل اطمینان طریقہ پر رہا نہیں کر سکتے۔

ہیں اب اس دلیل پر غور کرتے ہیں کہ اگر کارندے کا مفاد اس کے مفاد کے ادائیگی و تصادم ہو تو اصل مالک اپنے اختیارات اس کارندے کو تفویض نہیں کر سکتا ہو۔ یہاں بھی حقیقت کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ اس دلیل میں یہ واقعہ بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ تاج کا کارندہ یعنی موجودہ حکومت ہند ان صورتوں میں لمبی برابر اپنا کام کرتی رہی ہے جبکہ اسکا مفاد اس کے فرض سے متصادم ہوتا تھا اور نہ تو اصل مالک کے کان پر جوں رہی اور نہ کارندے اور نہ دوسری ریاستوں نے کوئی صدقہ احتجاج بلند کیا۔ سرسلی اسکات پھر فرماتے ہیں کہ جب "قانونی قلت" واضح ہو جائے۔ یعنی اس قلت کی نسبت ان کا جو تصور ہے جب وہ واضح ہو جائے تو پھر ہندوستان کے دونوں حصوں میں باہمی ہم آہنگی سے کام چلانے کے لئے مناسب نظام مرتب ہو سکتا ہو۔ اور دوسری ریاستوں نے تو پہلے سے یہ بات ظاہر کر دی ہے کہ وہ اس قسم کی معقول تجویز پر عمل کرنے کے لئے تیار اور رضامند ہیں۔ بالفاظ دیگر اگر سرسلی اسکات کا ذاتی تعلقات اور ذاتی اعتماد والا نظریہ مان لیا گیا اور اس سے جو نتیجہ

نکلتا ہے کہ حکومت بالادست کا فرض ہے کہ اپنے معاملوں کو پورا کرنے کے لئے ملک میں موجود رہے اگر اسے جی نہیں کر لیا گیا تو پھر وائیان ملک مقبول طریقہ پر برطانوی ہند کیساتھ آنے پر آمادہ اور رضا مند ہیں اگر اس استدلال کو ایک مرتبہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر ظاہر ہے کہ برطانوی ہند اور یوپی ریاستوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے جو کوئی نظام جی مرتب کیا جائے۔ ہندوستان کے لئے درجہ نوآبادیات کا سوال پیشہ کے لئے قلم زد ہو جاتا ہے۔ ہم نے بتلایا ہے کہ یہ استدلال بالکل غلط ہے۔ اور میں واثقی امید ہے کہ قانونی ذکاوت و ہوشیاری کو ملک کے وسیع تر اغراض پر غالب آنے کا موقع نہ دیا جائے گا اور دیسی و لہیان ملک کا جذبہ حب وطن اور تہ براہ ران کی رعایا کی روز افزوں وطن پرستی اور حب آزادی اسپرمر کو زہوگی کہ ان کے اور ذمہ دار دولت مشترکہ ہند کے درمیان مسائل کے طے کرنے کے لئے ایک عملی نظام قائم ہو جائے نہ اسپرمر قانونی تعلقات کا نظری سوال طے کیا جائے جس سے انکو کوئی فائدہ نہیں۔ اور جس میں ایسے خطرناک امکانات مضمر ہیں جن کا نتیجہ سوائے بربادی اور بگاڑ کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ باہمی تعلقات آپس کی رضا مندی ہی سے طے ہو سکتی ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ ابھی اسکے لئے بہت موقع باقی ہے۔ لیکن ہم اس سے متنبہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کے قدرتی اور جائز مطالبات کو ایسے پروہانت استدلالوں سے روکنے یا مسترد کرتے نہیں دیا جاسکتا جنکو واقعات موجودہ سے کوئی واسطہ نہیں۔

سرلسی اسکاٹ کے خط میں مندرجہ ذیل ٹکڑے کا ہم خاص طور پر ذکر کرنا چاہتے ہیں۔
 ”اس معاملہ کے سیاسی پہلو گل ہندوستان کے مستقبل کے لئے اول درجہ کی اہمیت رکھتے ہیں ان کے دانشمندانہ حل سے سر جان سائمن اور ان کے ساتھیوں کے اس کام کی کامیابی پر براہ راست اثر پڑے گا جو پارلیمنٹ نے برطانوی ہند کے آئینی کمیشن کو تفویض کیا ہے سامراجی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ان وائیان ملک سے اس وقت مدبرانہ سلوک سلطنت برطانوی کے ساتھ ہندوستان کے آئندہ رویہ میں نہایت مؤثر عنصر ثابت ہو سکتا ہے۔“

گویا ہندوستان کے باشندوں کی قسمت کا فیصلہ ان رالیوں سے ہو گا جو بٹرکینٹی پس
 پردہ اور ہندوستانیوں کو اپنا معاملہ پیش کرنے کا موقع دے بغیر قائم کرے گی۔ اور سر جان سائمن
 اور ان کے ساتھی جنہیں خود ان "اول درجہ کی اہمیت رکھنے والے سیاسی امور" پر تصرف نہیں ہو
 اگر اس کام کو کامیابی کے ساتھ انجام دینا چاہتے ہیں جو پارلیمنٹ نے ان کو تفویض کیا ہو۔ تو انہیں
 ان امور کے اس دانشمند "حل" کی پیروی کرنی چاہئے جو بٹرکینٹی کرے۔ ہندوستان میں
 لوگ اس بات کو پہلے سے جانتے تھے اور متعدد مواقع پر اسکا صریح اعلان بھی ہوا اب ہم ٹھیک
 ٹھیک جان گئے کہ آئینی کمیشن کیا کرنے والا ہے۔ سر سلی اسکاٹ نے ان معاملات کو بس ایک
 دانشمندانہ حل بتلایا ہے۔ اور وہ یہ کہ "برطانوی حکومت کو ہندوستان میں ان تمام بری
 و بھری افواج کے ساتھ رہنا چاہئے۔ جو اس کے فرائض کی بجا آوری کے لئے ضروری ہوں۔"
 ہم آئینی کمیشن کی سفارشات کی اس مقبول پیش گیری کے لئے سر سلی اسکاٹ کے شکریہ ادا کریں جس سے
 وہ رویہ بالکل حق بجانب ثابت ہوتا ہے جو ہندوستان کی تمام محروم جماعتوں نے اس
 کمیشن کی طرف اختیار کیا ہے۔

تاج برطانیہ اور ہندوستانی والیان ملک کے تعلقات کی نظری حیثیت کو چھوڑ کر
 ہم واقعی صورت حال کی طرف آتے ہیں، ہمارا دعویٰ یہ کہ ہمارا یہ بیان درست ہے کہ عملاً اور
 بطور امر واقعہ اپنی یا اپنی ریاست کے متعلق تمام معاملات میں ہندوستانی والیان ملک کو
 براہ راست حکومت ہند سے واسطہ پڑتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ حکومت ہند کا متحد سیاسی
 (پولیٹیکل سٹرکچر) ہندوستانی ریاستوں پر وسیع اختیارات رکھتا ہے۔ حکومت ہند کا رکن
 ہونے سے بغیر یہ عملاً ایک رکن کے تمام کام انجام دیتا ہے۔ کیونکہ قلمدان سیاسی کے لئے کوئی
 علیحدہ رکن نہیں ہوتا اور چھایا جاتا ہے کہ محکمہ سیاسی براہ راست گورنر جنرل کے زیرِ فکرائی ہی موجودہ
 صورت حال یہ ہے کہ اگر محکمہ سیاسی (پولیٹیکل) دیپارٹمنٹ کسی ہندوستانی ریاست یا والی
 ملک کے خلاف کوئی فیصلہ صادر کرے تو اس کے لئے صرف ایک چارہ ہے، اور وہ بعض حالتوں

میں اور بعض پابندیوں کے ساتھ وزیر ہند کی خدمت میں مرا فہ۔ ہم واقف ہیں کہ موجودہ حالات میں اسے ایک فنی حق سمجھا جاتا ہے۔ لیکن غالباً اس کی نگاہ یہ ہے کہ ابھار میں ہندوستان کے اندر جو ضابطہ برتا جاتا ہے۔ وہ بہت ہی غیر اطمینان بخش ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جس مقدمہ کی سماعت پہلے سے ٹھیک نہ ہوئی ہو۔ اس میں مرا فہ کا حق کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ آئندہ اس کے بجائے مناسب دستوری وقعات رکھے جاسکتے ہیں۔

معمولی طور پر جن معاملات میں دی ریاستوں کو حکومت ہند سے واسطہ پڑتا ہے یا مخالفت ہوتی ہے وہ یہ ہیں۔ سائر آبکاری، اخراج، ریلیں، ڈاک خانے، بندرگاہ۔ ان کے علاوہ تحفظ اور مدافعت کے وسیع تر مشترک مفاد ہیں ہمارے لئے یہ ضروری نہیں کہ ان معاملات میں ریاستوں کی شکایتوں کی نوعیت سے بحث کریں۔ ہم صرف اس حقیقت کا ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ ذمہ دار والیان ملک اور دی ریاستوں کے وزراء نے وقتاً فوقتاً اپنی اولاد حکومت ہند کے اس رویہ کے خلاف بلند کی ہے جسے یہ غیر منصفانہ بتلاتے ہیں۔ یہ شکایات کہاں تک رفع ہو سکتی ہیں اور ان کے رفع کرنے کی بہترین صورت کیا ہے یہ ایسے سوالات ہیں جو تحقیق اور باہمی مشورے سے حل ہو سکتے ہیں لیکن ہم یہ کہنے کی جرات کرتے ہیں کہ ان کے تصفیہ کو حکومت ہند کے موجودہ دستور اساسی کے برقرار رہنے سے یا محض ان معاملات کے تصفیہ کے لئے ایک ایسے قلع اور جداگانہ نظام کے قیام سے کوئی لازمی تعلق نہیں۔ ہم اس مسئلہ کی تفصیل میں اس وقت صرف اسے نہیں پڑتے کہ پچھلے چند ماہ میں جو تجویز تیار ہوتی رہی ہے اس کے متعلق اتنا بے جا کہ کوئی علم حاصل نہیں کرنے دیا گیا ہے۔ لیکن دی ریاستوں کے وکیل سر سلی اسکاٹ نے انگلستان جانیے قبل جو بیانات دئے ہیں ان سے نتیجہ نکالنا اگر جائز ہے تو ہم لوگوں کو اس کوشش سے متنبہ کر دینا چاہتے ہیں جو گورنر جنرل کے ساتھ کام کرنے کے لئے دی ریاستوں کی علیحدہ کونسل کو جو دو میں لاکر ایک دوسرے نظام کے قیام کے لئے کی جا رہی ہے۔ علاوہ اسکے کہ یہ ایک بوجھل بھدی چیز ہوگی اس کے جداگانہ وجود سے برطانوی ہند یا آئندہ دولت مشترکہ کی حکومت کے ساتھ تنازعات کے حل

کرنے کی ضمانت بھی نہیں ہوتی ہیں تو یہ تجویز نظام دوغلی (Diarchy) کی ایک مضرت
رساں تو سچ نظر آتی ہے جس میں اس نظام کی تمام بے ربطیاں، دشواریاں اور آئینی مشکلات
موجود ہیں

سرملک پہلی نے اپنی اس تقریر میں جبکہ ہم ذکر کر چکے ہیں کسی نہ کسی قسم کی ریاست متحدہ کا
ذکر کیا تھا۔ اور اس میں ذرا شک نہیں کہ اسی قسم کا خیال سرسلی اسکاٹ کے ذہن میں بھی ہے لیکن اگر
ہندوستان کا دستور اتحادی اصول ہی رہے، جیسا کہ ہمارے خیال میں ضرور بن سکتا ہے
تو پھر اس اتحاد میں ہندوستانی ریاستوں کی حیثیت کو قطعی طور پرستین کرنے کی بہت ضرورت ہے
اور اس کے متعلق خیالات میں وضاحت درکار ہے۔ کیا ہندوستانی ریاستیں ایک حقیقی اتحاد
میں شامل ہونے کے لئے تیار اور رضامند ہیں؟ ہم یہ سوال اس لئے کرتے ہیں کہ ہمارے یقین ہے
کہ جس راہ پر والیان ملک اور سرسلی اسکاٹ چل رہے ہیں وہ معروف معنوں میں تو کسی قسم کی اتحادی
ریاست کی طرف نہیں لے جاتی۔ پروفیسر نیوٹن کا قول ہے کہ ”اتحادی ریاست بہت سی حاکم ریاستوں
کے دائمی اتحاد کو کہتے ہیں جو بنی ہوتا ہے اولاً تو ان ریاستوں کے درمیان باہمی معاہدہ ہو، یا اس
حیثیت پر جو ان میں تاریخی اعتبار سے مشترک ہو اور ثانیاً اسپر کہ ان کے شہری ایک اتحادی
دستور کو قبول کریں۔ مرکزی حکومت ہندوستان ریاستوں ہی پر اثر نہیں رکھتی۔ بلکہ براہ راست ان کے
شہریوں پر بھی متحدہ ریاستوں کی اپنی اپنی داخلی اور خارجی حاکمیت اعلیٰ میں اس سے نقص پیدا ہوتا
ہے۔ اور اکثر بین الاقوامی رشتے صرف حکومت متحدہ ہی قائم کرتی ہے جو ہماری اسے میں یہ تو بالکل
ہی ایک طرف انتظام ہوگا کہ ہندوستانی ریاستیں اتحاد میں اس طرح شامل ہونا چاہیں کہ اپنی
رہائے سے اور کسی طرح ہندوستانی قوت قانون سازی کی سیاست و آئین سازی پر تو اثر ڈال لیں
لیکن اس میں جو مشترک قوانین ہیں ان کے اثر سے آزاد رہیں۔ یہ تو اتحادی ریاست کے تخیل کا
مذاق اڑانا ہے۔ اگر ہندوستانی ریاستیں اتحادی تصور کے تمام نتائج کو اچھی طرح سمجھ کر
ایسے اتحاد میں شامل ہونے کو آمادہ ہیں تو ہم ان کے اس فیصلہ کا خیر مقدم کریں گے اور ان کے

حقوق کے تحفظ کے لئے جو کچھ ہمارے بس میں ہوگا کریں گے۔ لیکن یہ بات صاف طور پر ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اس فیصلہ کی وجہ سے یہ ضروری ہوگا کہ ان کے علاقوں میں جو طریق حکومت اور انتظام ملکی رائج ہو ان میں مختلف جگہ مختلف درجہ کی تبدیلیاں کی جائیں یہیں امید ہے کہ تجربہ کی روشنی میں ہندوستانی ریاستیں بالآخر باضابطہ طور پر اس اتحاد میں شرکت پر آمادہ ہو جائیں گی۔ اس انتظار میں ہمارا خیال ہے کہ انتظامی اور دیگر امور کے متعلق باہمی اختلافات کو طے کرنے کے لئے مناسب نظام کا قائم کرنا کیسے طرح ناقابل عمل نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں ان کے معاہدہ کے حقوق اور جو کچھ خود مختاری انہیں حاصل رہی ہے یا جس کے وہ مدعی ہیں ان کو محفوظ رکھنے کا عملی مسئلہ اس سوال پر خشک علمی بحث سے کہیں اہم تر ہے کہ آیا نظری حیثیت سے ان کے تعلقات حکومت ہند سے ہیں یا تاج برطانیہ سے۔

ہماری سفارشات | چنانچہ ہم نے یہی قرار دیا ہے کہ (۱) تمام وہ معاہدے جو ایسٹ انڈیا کمپنی اور ہندوستانی ریاستوں کے درمیان یا اس کے بند ہوئے تھے اور جو اس قانون کے نفاذ کے وقت برقرار ہیں۔ دولت مشترکہ ہند بھی ان کی پابند ہوگی۔ (ب) دولت مشترکہ ہند کو ہندوستانی ریاستوں پر سب وہ حقوق حاصل ہوں گے۔ اور ان کے متعلق سب وہ فرائض پورے عائد ہوں گے۔ جو اس قانون کے نفاذ کے وقت حکومت ہند کو حاصل یا اس پر عاید تھے۔ ہم نے یہ سفارشات کوئی شیخی یا تینل پرستی کی وجہ سے نہیں کی ہیں۔ ہم ان کے نتائج کو خوب سمجھتے ہیں اور ان فرائض کو بھی خوب جانتے ہیں جو ان کی وجہ سے آئندہ حکومت پر عاید ہوں گے ہیں پورا یقین ہے کہ مستقبل کی حکومت اپنے فرائض کو نہایت دیانتداری سے پورا کرے گی۔ یہ ہم آہنگی پیدا کرنے کی ہر طرح مہمی ہوگی اور چوتھے حقوق یا جذبات کو ہرگز نظر انداز نہ کرنا چاہیے گی۔ اسی طرح جن معاملات میں عدالتی کارروائی ممکن ہے۔ ان میں ہم نے تجویز پیش کی ہے کہ اگر دولت مشترکہ ہند اور کسی دیہی ریاست میں ان معاملات کی بابت اختلاف ہو جو معاہدوں، اصولوں، اسنادوں یا اس قسم کے دستاویزوں سے پیدا ہوتے ہیں تو گورنر جنرل باجلاس کونسل متعلق ریاست کی اخصامند

سے معاملہ فیصلہ کے لئے عدالت عالیہ (سپریم کورٹ) کے سامنے بھیج سکتا ہے۔ ہمارے خیال میں ایسے معاملات کو طے کرنے کا یہ طریقہ موجودہ طریقے سے کہیں بہتر ہوگا کہ اس میں تو حکومت ہند اپنے اور دی ریاستوں کے درمیان تنازعات میں خود ہی فریق ہوتی ہے اور خود ہی منصف اس کے کہنے کی تو ضرورت ہی نہیں کہ ہم توقع کرتے ہیں کہ اس عدالت عالیہ (سپریم کورٹ) کے جج اعلیٰ ترین قانونی قابلیت، بہترین سیرت اور عدالتی دیانت و بے لوثی کی صفات سے منصف ہوں گے۔

جن امور میں عدالتی کارروائی ممکن نہیں اور جن میں مالی یا انتظامی معاملات کا تفسیہ کرنا بہتر ہے، ان میں باہمی مشوروں اور سمجھوتوں سے معاملات کو طے کر لینا چنداں شکل نہ ہونا چاہئے۔ ہمارے خیال میں تو آئندہ صورت حال موجودہ سے بری نہ ہوگی بلکہ واقعی یہ گمان ہے کہ جہاں مختلف ریاستوں میں دیانتداری سے اختلاف ہونگے اور منصفانہ اور عادلانہ تفسیہ کی غیر جانبدارانہ کوشش کرنی ہوگی۔ وہاں تو یہ انتظام بہتر ہوگا۔ عملی نیک نیتی اور وسیع تر مشترک اغراض آخری حکم کے متعلق دو سنگاپور سے کہیں زیادہ اہم ہیں۔ یہیں یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ مشترکہ تحفظ کا مسئلہ حکومت ہند اور دی ریاستوں میں ضرور مرکز اتحاد بنے گا۔ اور اگر ماضی میں یہ بات ممکن تھی کہ مشترک فرائض کو قائم اور بحیثیت مجموعی ملک کی طرف احساس فرض کو برقرار رکھا جائے تو ہم مستقبل کے متعلق مایوسی نہیں ہے۔

یہ ملاحظات کرتے ہوئے ہم محسوس کر رہے ہیں کہ ہیں والیاں ملک کے غامد دل و بحث و مشورہ کا موقع نہیں ملا ہے۔ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ ایسے بحث و مشورہ سے کل مسئلہ کے بعض تاریک گوشوں پر بہت کچھ روشنی پڑنے کا امکان ہو، لیکن فی الحال ہم یہ کہنے پر قناعت کرتے ہیں کہ گو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ چونکہ دولت متحدہ ہند میں تمام اجزاء کو خواہ وہ صدیوں یا ریاستیں زیادہ سے زیادہ آزادی ملی سکتی ہے اس لیے صرف یہی ذمہ دار حکومت کی مضبوط بنیاد بن سکتی ہے تاہم ہم یہ ماننے پر تیار نہیں کہ جب تک ہندوستانی ریاستیں نہایت باضابطہ طور پر اس میں شامل ہونے کے لئے راضی نہ ہو جائیں اس وقت تک برطانوی ہند کو کامل ذمہ دار حکومت یا درجہ نوآبادیت

سے محروم رکھا جائے اور یہ صرف اسوجہ سے کہ سمجھا جاتا ہے کہ تاج برطانیہ یا موجودہ حکومت ہند جو فرانس ہندوستانی ریاستوں کے متعلق عائد ہوئے ہیں انہیں صرف ایک ایسی مرکزی حکومت ادا کر سکتی ہے جو غیر جمہوری ہو۔ اور اسی لئے اسے لازماً غیر جمہوری رہنا بھی چاہئے، اس استدلال کے معنی تو صرف یہ ہیں کہ گوہندوستانی ریاستیں برطانوی ہند کی ترقی کے ساتھ ہمدی کا اظہار کرتی ہیں لیکن دراصل وہ ہمارے مقاصد اور آرزوؤں کو ایک ایسے رویہ سے عملاً شکست دینا چاہتی ہیں جس کی بنیاد مجھدار خود غرضی پر بھی نہیں بلکہ ہمارے مقاصد و مطالبات سے علی نفعت پر ہے۔

گوہم والیان ملک کیساتھ باہمی مشورہ و بحث پر مستفید نہ ہو سکے لیکن ان کی رعایا کی نمایندگی آل پارٹیز کانفرنس کے سامنے ہوئی اور انھوں نے اپنے معاملہ کو قابلیت کیساتھ پیش کیا۔ کانفرنس کی پہلی کمیٹی نے جو سفارشات دیسی ریاستوں کے متعلق کی تھیں ان پر مسٹر ہوا کو پا کرشن راؤ رکن مجلس نمایندگان ریاست میسور نے نہایت سختی سے نکتہ چینی کی ہے انھوں نے سوراہج کا ایک دستور بھی تیار فرمایا ہے جسے ریاستوں کی رعایا کی آل انڈیا کانفرنس مدراس کی مقرر کردہ کمیٹی نے بھی منظور کیا ہے۔ ہنرے مسٹر کرشن راؤ کی تنقید اور ان کے دستور سوراہج کے مسودہ پر کافی غور کیا۔ لیکن ہیں افسوس کہ اس دستوری مسک کی وجہ سے جس پر ہم نے اوپر بحث کی ہے ہم اس وقت ایک ایسے مفصل دستور کے پیش کرنے سے قاصر ہیں جو برطانوی ہند اور ہندوستانی ریاستوں دونوں پر حاوی ہو۔

ہر شخص جانتا ہے کہ اصطلاح ”ہندوستانی ریاستیں“ حکومت کی کسی خاص قسم پر دلالت نہیں کرتی۔ یعنی اصلاحات کی رپورٹ کے مصنفین نے ان ریاستوں کے متعلق یوں لکھا ہے۔
”یہ ترقی کے ہر درجہ میں پائی جاتی ہیں کہیں ریاست قبائلی کہیں منصب داری کہیں اس سے کچھ ترقی یافتہ اور بعض بعض میں تو نیابتی اداروں کی ابتدا بھی پائی جاتی ہے لیکن ان سب کی خصوصیت انتیازی (اور ان میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ بھی شامل ہیں) والی ریاست کی شخصی حکومت اور قانون سازی

اور انتظام عدالت پریس کا تصرف ہو۔“

جب تک شخصی حکومت کی اس امتیازی خصوصیت میں مستبدہ تبدیلی نہیں ہوتی اس وقت تک مطلق ہندوستانی ریاست سے مراد لازماً متعلقہ ریاست کے انفرادی حکمران سے لی جائے گی۔ اور اسے انتظام ریاست کی نوعیت سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ یہ مستبدہ تبدیلی دستور کی طریق پر بلان ریاستوں کے حکمرانوں کی مرضی کے عمل میں نہیں آسکتی کہ صرف یہی اپنی حکومت کی نیابت کرتے ہیں۔ سربراہ فرماتے ہیں کہ ”روایات رسم جذبات اور ان سب سے زیادہ وفاداری کا شدید احساس جو اس قدر گہرا ہے کہ مٹایا نہیں جاسکتا اور آخر میں اپنی اپنی ریاستوں کی انفرادی حیثیت کو برقرار رکھنے کی قوی خواہش ان کو (یعنی ریاستوں کے باشندوں کو) حکمران خاندانوں کیساتھ وابستہ کئے ہوئے ہے“ لیکن باوجود ان روایات رسم، اور جذبات کے سربراہوں کی خواہشات کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں، اور ان سے اور ملک معظم یا دولت متحدہ کی پارلیمنٹ، یا بادشاہ باجلاس کونسل، یا وزیر ہند، یا گورنر جنرل باجلاس کونسل، یا ان سب سے جو صلح نامہ یا معاہدے ہیں انھیں بالکل مشا دیتے ہیں اور ایک جنبش قلم سے اعلان کر دیتے ہیں کہ یہ تمام صلح نامے اور معاہدے دستور جدید کے آغاز سے کالعدم سمجھے جائیں گے۔ پھر یہ اسی شرائط کے ماتحت جنہیں ریاستوں نے تسلیم ہی نہیں کیا ہے، ان کے لئے تحفظ حدود، اندرونی خود مختاری، دستور کی پائیداری اور ان کی رعایا کے بنیادی حقوق کی ضمانت دیتے ہیں، انھوں نے جو شرائط رکھی ہیں اگر ریاستیں انھیں پورا نہ کریں تو ان کی رائے ہے کہ یہ ضمانتیں ہٹالی جائیں۔ یہیں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ اگر ریاستوں کے حکمران ان ضمانتوں یا ان شرائط کو منظور نہ کریں تو کیا ہوگا، اور وہ ضروری کارروائیاں کیا ہیں جن شرائط کو پورا نہ کرنے کی صورت میں سربراہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں تک طریق حکومت کا تعلق ہے یہ ”موروثی شاہی حکومت ہوگی یعنی ایسی حکومت جس میں ریاست کا سربراہ ایک موروثی حاکم یا منتظم ہوگا اُس کیساتھ ایک عمومی مجلس ہوگی اور قوت عا ملاس مجلس کے سامنے جوابدہ ہوگی آخر میں یہ دولت متحدہ کے باشندوں کے اس حق کا ذکر کرتے ہیں کہ اگر مجوزہ دستور

کی بنیاد پر برطانیہ اور حکومت ہند سے معاملہ طے نہ ہوسکے تو وہ کابل قومی آزادی کا مطالبہ کر دیں (یعنی برطانوی اور برطانوی دولت مشترکہ اقوام کی تمام سیاسی، معاشی اور معاشرتی تعلقات بلا شرط منقطع کر لیں) اور کابل اتحادی جمہوری بنیاد پر اپنا آئندہ دستور بنائیں۔

ان دفعات کی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کے وجود سے اس پر تنقید کرنا غیر ضروری ہے اور تذکرہ بالا وجوہ کی بنا پر ہم ان حدود سے باہر نہیں جانا چاہتے۔

سیاست خارجہ | ہم نے اب تک حکومت ہند اور دیسی ریاستوں کے تعلقات سے بحث کی ہے۔ اب ہم حکومت ہند اور دیسی ریاستوں کے تعلقات کی طرف رجوع کرنا چاہتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ایک نئی حکومت ہند کی حالت دوسری نوآبادیوں کے مقابل میں ذرا زالی ہے، شمال مغرب اور شمال مشرق میں ہندوستان کی نہایت وسیع سرحدیں ہیں اور اسے دول خارجہ اور نیم خود مختار قبائل سے واسطہ پڑتا ہے۔ حکومت ہند کا محکمہ سیاسی عملیات خارجہ (فارین سکریٹری) کے زیر اثر ہے جو براہ راست گورنر جنرل کی نگرانی میں کام کرتا ہے۔ اس کے فرائض گونا گوں ہیں اسے شمال مغربی سرحدی صوبہ کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے، ”کچھنی علاقوں“ کے قبائل کے معاملات اسکے قبضہ میں ہیں، اسے شمال مغربی صوبہ میں اور اورنگزیہ نیم خود مختار سرداروں سے سابقہ پڑتا ہے بعض معاملات میں اس کا حلقہ اثر خلیج فارس اور عدن تک پہنچتا ہے۔ اس کے حلقہ اثر کے بعض معاملات سب نہیں کبھی کبھی بحث کے لئے مجلس قانون ساز کے سامنے آتے ہیں۔ اور اس وقت اسے حکومت ہند کے طرز عمل کی موافقت یا اس کی تشریح کرنی ہوتی ہے، سیاست علی کے وسیع تر مسائل جنہیں سامراجی حیثیت حاصل ہے۔ ہندوستان میں نہیں بلکہ انگلستان میں طے پاتے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ جہاں تک نوآبادیوں کی خود مختاری میں خلل نہ پڑے، سیاست خارجہ میں کم از کم ایک حد تک تو یکسانیت ہونی چاہئے۔ لیکن یہ یکسانیت جہاں تک نوآبادیوں کا تعلق ہے شاہی فرامین سے اس قدر حال نہیں ہوتی جتنی کہ باہمی مشاورت اور سمجھوتہ سے۔ واقعہ یہ ہے کہ سیاست خارجہ کے مسائل میں پچھلے سالوں میں کنیڈا، جنوبی افریقہ، اسٹریلیا نے جس آزادی کا مطالبہ کیا ہے

اور جو انھیں حاصل رہی ہے اس میں برابر اضافہ ہوتا گیا ہے۔ اگرچہ اس سے سلطنت کے تحفظ میں کوئی کمزوری نہیں پیدا ہوئی۔ نہ پرڈسی ممالک اور ریاستوں سے تعلقات کے وسیع تر مسائل میں اتحاد سیاست کے امکانات میں کمی ہوئی۔

واقعہ یوں ہے کہ حکومت ہند ان فرائض کو ادا کرتی اور پورا کرتی ہے جو ملک منظم کی حکومت اور پڑوس کی بعض پرڈسی ایشیائی طاقتوں پر باہم عاید ہوتے ہیں۔ یہیں کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ کہ ہندوستان کی خود مختار مملکت اس سے کم کام کیوں انجام دے۔

ہم سیاست خارجہ کے مسائل کی نزاکت سے خوب واقف ہیں۔ اور مجلس قانون ساز میں بعض وقت ان پر مباحثہ کے خلاف مصلحت ہونے کو بھی جانتے ہیں، لیکن یہیں کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی کہ مملکت ہند کی مجلس قانون ساز احتیاط و اختیار تیزی کے ان قواعد کو ملحوظ نہ رکھے گی جو دوسری مجالس ملحوظ رکھتی ہیں۔۔۔

باب ششم

دوسری تجاویز

اب ہم اس دستوراسی کے خاص خاص دفعات پر نظر ڈالتے ہیں۔ جو ہم نے پیش کیا ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہو۔ یہ دفعات نوآبادیات کے نمونہ پر مرتب کئے گئے ہیں۔

اعلان حقوق | مدراس کانگریس کی قراردادوں نے یہ طے کیا ہے کہ اس دستوراسی کی اساس بنیادی حقوق کے ایک اعلان پر رکھی جانی چاہئے۔ اس بات پر بہت کچھ زور دیا گیا ہے۔ اور دستوراسی کے جو مسودے ہمارے سامنے آئے ہیں ان سب میں اس قسم کا اعلان شامل کیا گیا ہے۔ کنیڈا، آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ کے دستوراسی میں کوئی اعلان حقوق نہیں ہو لیکن حکومت آزاد آئرلینڈ کے دستور میں متعدد دفعات ایسے ہیں جنہیں جائز طور پر "بنیادی حقوق" کے عام عنوان کے ماتحت رکھا جاسکتا ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ آئرلینڈ ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں عہد نامہ (آزادی) سے پہلے حالات ہندوستان کی موجودہ حالت سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔ آئرلینڈ کے باشندوں کا باشندگان ہند کی طرح سب سے پہلا کام یہ تھا کہ وہ ان بنیادی حقوق کو محفوظ کر لیں جن سے انہیں محروم رکھا گیا ہے۔ دوسری نوآبادیاں تو سابقہ برطانوی بستیوں سے ترقی کر کے آگے بڑھی ہیں جن کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ انگریزی قانون بھی لے گئی تھیں۔ صرف آئرلینڈ کو اس کی مرضی کے خلاف حاصل کیا گیا تھا اور انگلستان کے زیر حکومت رکھا گیا تھا اس لئے اس کا مرتبہ نوآبادی (ڈومینین) حاصل کرنا دونوں قوموں کے درمیان معاہدہ کے ذریعہ عمل میں آیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کی دستوری حیثیت بہت کچھ ایسی ہی ہے۔ اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان برطانیہ عظمیٰ کا محکوم ہے۔ اس حیثیت میں تبدیلی صرف دو صورتوں سے ممکن ہو سکتی ہے۔

جبراً قوت سے یا باہمی مفاہمت اور سمجھوتہ سے۔ موخر الذکر طریقہ کے سلسلہ ہی میں ہمیں ہندوستانی دستور اساسی کے اصول پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسا کرنے میں ظاہر ہے کہ ہماری پہلی توجہ اس پر ہونی چاہئے کہ اپنے بنیادی حقوق کی اس طرح ضمانت کرائیں کہ کسی حالت میں بھی ان کے واپس لئے جانے کا احتمال نہ رہے۔ غالباً ان سے کم معقول وجہ کی بنا پر یورپ کے اکثر جدید تر دستور ہائے اساسی میں لوگوں کے ایسے حقوق کو محفوظ کرنے کے لئے علیحدہ دفعات رکھے گئے ہیں۔

اعلان حقوق کو اس درجہ اہمیت حاصل ہونے کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ برہمنی سے اس ملک میں فرقہ دارانہ اختلافات موجود ہیں جو لوگ ایک دوسرے کو بے اعتمادی اور شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں ان میں اطمینان پیدا کرنے اور قائم رکھنے کے لئے بعض ضمانتوں اور حفاظتوں کی ضرورت ہے۔ ہم تمام قوموں کے مذہبی اور فرقہ دارانہ حقوق کی حفاظت اس سے بہتر طریق پر نہیں کر سکتے تھے کہ انہیں دستور اساسی کے بنیادی اصولوں میں شامل کر دیں۔ جو اعلان حقوق ہم نے تجویز کیا ہے۔ اس کے مختلف دفعات کو دیکھنے سے ظاہر ہو جائے گا کہ ہم نے ان دونوں پہلوؤں کو پیش نظر رکھا ہے۔

حقیقت راضی کا تین | آل پارٹیز کانفرنس کی پہلی کمیٹی نے اس سوال پر کافی غور کیا تھا۔ اور ہم نے ان کی اکثر سفارشات کو (اپنے اعلان میں) شامل کر لیا ہے۔ اس اعلان میں ہم نے فردوروں اور کانونوں کے حقوق کے متعلق پہلی کمیٹی کی ایک مستقل سفارش کا اضافہ کر دیا ہے یہ استثنا اس سفارش کے کہ ”پارلیمنٹ ایسے قوانین بنائے گی جس سے زرعی سامیوں کے لئے ایک جائز شرح لگانا اور مستقل حقیقت آراضی کا تحفظ ہو جائے“ ہم نے اس سفارش کو اس لئے نہیں چھوڑ دیا ہے کہ ہم استعمال آراضی کے مستقل حق کو پسند نہیں کرتے بلکہ اس لئے کہ ہم نے محسوس کیا کہ اگر اسے بنیادی حق بنا دیا گیا۔ تو یہ سامیوں کے لئے بجائے تحفظ کے انکی آئندہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہو گا۔ ہندوستان کے اکثر حصوں میں حقوق استعمال آراضی کا موجودہ نظام کسی طرح

جی پسندیدہ نہیں اور یہ نہایت بنیادی تبدیلیوں کا محتاج ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اسمبلیوں کی موجودہ حالت نہایت افسوسناک ہے۔ اور اگر حقوق استعمال اراضی کو تھوڑا بہت بھی مستقل کر دیا جائے تو انہیں بہت کچھ اطمینان ہو جائیگا۔ لیکن یہ بڑی کوتاہ اندیشی ہوگی اگر اس تھوڑی سی سہولت کو حاصل کرنے کے لئے ہم کسانوں کے آئندہ حقوق کو بیچ ڈالیں۔ جب تک موجودہ نظام قائم ہے اس وقت تک اسمبلیوں کے حقوق کی حفاظت "اعلان حقوق" کے اس دفعہ سے ہو سکتی ہے جس میں پارلیمنٹ کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ یعنی ایک ہندوستانی پارلیمنٹ ہوگی۔ جب تک فرض ہوگا کہ وہ ایسے قوانین وضع کرے کہ ہر کام کرنے والے کے لئے کم سے کم قوت لامیت کی تو ضمانت ہو سکے۔

شرکوں وغیرہ کے استعمال کا حق | اس اعلان میں ہم نے ایک دفعہ کا اور اضافہ کیا ہے۔ جو تمام شہریوں کے شہر اہلوں، عام کنوؤں، اور دوسرے اجتماع عام کے مقامات پر جاسکتے اور ان کے استعمال کرنے کے حق سے متعلق ہے۔ یہ ایک بدیہی سی بات معلوم ہوتی ہے تاہم ان خاص حالات اور رسوم کا خیال کرتے ہوئے جو ملک کے بعض حصوں میں رائج ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اس پر زور دینا مناسب ہوگا۔

دارس میں ذات کی | بعض دوسرے دفعات میں کچھ ترسیں اور اضافے کیے گئے ہیں۔ بلا معاوضہ کوئی دفعہ بن نہ ہوگی | بتدائی تعلیم کے حق والی دفعہ میں ہم نے یہ اضافہ کر دیا ہے کہ "جن اداروں کو حکومت چلاتی ہو یا مدد دیتی ہو ان میں داخلہ کے لئے ذات یا مذہب کی تفریق نہیں کی جائے گی۔"

"Habeas Corpus" | اگر فتاری کی صورت میں تحقیقات عدالتی کے مطالبہ کیے جاتے ہیں تو یہ اضافہ کیا گیا کہ اگر مرکزی مجلس قانون ساز کا اجلاس نہ ہو رہا ہو تو جنگ یا فساد کے زمانہ میں سلطنت کی قوت عاملہ کو اختیار ہوگا کہ کچھ عرصہ کے لئے اس حق کو سلب کرے۔ لیکن جلد سے جلد اس کی اطلاع مرکزی مجلس قانون ساز کو ہونی چاہئے تاکہ وہ اس پر جو کارروائی مناسب سمجھے کرے۔

کرپان | اپنے ساتھی سردار سنگ سنگھ کی درخواست پر ہم نے اعلان حقوق میں ایک نوٹ کا اضافہ کیا ہے جس میں سکھوں کے اس حق کو تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ ہر موقع پر کرپان لگا سکتے ہیں۔

قانون ساز مجلس | ہماری رائے ہے کہ مرکزی مجلس قانون ساز دواپورانوں پر مشتمل ہو ایک سینیٹ

اور ایک دارالمنذوبین (House of Representatives) — اصولوں کی

قانون ساز مجلس کا ہماری رائے میں صرف ایک ایوان ہونا چاہئے۔

اراکین کی تعداد | سینٹ کے لئے ہم ۲۰۰ اراکین کی سفارش کرتے ہیں اور دارالمنذوبین کے لئے ۵۰۰ اراکین کی اس شرط کے ساتھ کہ اگر ضرورت ہو تو کمیساں طور پر آبادی کے اعتبار سے۔ اس تعداد میں اضافہ ہو سکے۔ صوبوں میں عموماً ہر ایک لاکھ کی آبادی پر ایک رکن ہونا چاہئے لیکن جس صوبہ میں ایک کروڑ سے کم آبادی ہو اس میں زیادہ سے زیادہ ایک سو اراکین کی تعداد ہو سکتی ہے۔

حق رائے دہنگی | دارالمنذوبین اور صوبہ کی کونسلوں کے لئے ہماری رائے ہے کہ جتنی وسیع پیمانہ پر حق رائے دہنگی دنیا ممکن ہو دیا جائے ہم میں بعض اس تجویز کے بہت زیادہ موافق تھے کہ تمام بالغ افراد کو حق رائے دہنگی ہو لیکن بعض کا خیال تھا کہ اگرچہ منزل مقصود اسی کو قرار دیا جائے کہ تمام بالغ افراد کو حق رائے دہنگی ہو تاہم شروع شروع میں اس میں بہت زیادہ عملی دشواریاں ہوں گی۔ تمام بالغوں کو حق رائے دہنگی دینے کے علاوہ اور بہت سی تجاویز پر غور کیا گیا جنہیں مندرجہ ذیل تجاویز شامل تھیں۔

(۱) تمام بالغوں کو حق رائے دہنگی دیا جائے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جو رائے دینے کا ارادہ رکھتا ہو وہ پہلے سے اپنا نام رائے دہندوں کی فہرست میں درج کر اسے۔
(۲) رائے دہندوں کی موجودہ ۶۰ لاکھ کی تعداد کو ہڑاکر تقریباً ۸۰ کروڑ کر دیا جائے اور ان شرائط کا تعین جن سے رائے دہندوں کی تعداد اتنی بڑھ سکے ایک کمیٹی کے سپرد کیا جائے۔

(۳) ذیل کے اشخاص میں سے جو چاہے رائے دے سکے۔
(۴) سب وہ اشخاص جو مالگذاری، لگان، زمین یا مکان کا کرایہ یا ٹیکس ادا کرتے ہوں۔

(ب) تمام خواندہ اشخاص۔

(ج) تمام وہ اشخاص جو سہانی یا ذہنی کام سے روزی کماتے ہوں۔

(د) تمام ایسے بیکار لوگ جنکا نام سرکاری رتبہ بیکاران میں درج ہو۔

(لا) مشترکہ خاندانوں کے اراکین۔

(و) مرد رائے دہندوں کی بیویاں۔

مندرجہ بالا تجاویز میں سے تیسری تجویز تو عملاً تمام بالوں کو حق رائے دینے کے برابر ہو جاتی ہے۔ ہم میں سے بعض دوسری تجویز کے موافق تھے کہ رائے دہندوں کی تعداد ۶ کڑوڑ کر دی جائے۔ اور یہ تمام بالوں کو حق رائے دینے کی راہ میں پہلا قدم ہو۔ تمام بالوں کو حق رائے دیا جائے تو غالباً برطانوی ہند میں ۱۴ کڑوڑ رائے دینے والے ہوں گے۔ اس طرح دوسری تجویز سے ان میں سے نصف کو حق رائے حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہ ترقی کی طرف ایک بڑا قدم ہے۔ لیکن اس تجویز کی اہم بہت سی رکاوٹیں ہیں آج کل مختلف مذہبی جماعتوں میں رائے دینے والوں کے اعتبار سے وہ نسبت نہیں ہے جو ان کی آبادیوں میں ہے۔ مثلاً پنجاب میں مسلمان ہندو اور سکھوں کی مجموعی تعداد سے زیادہ ہیں تاہم ان کے رائے دہندوں کی تعداد ہندو اور سکھ رائے دہندوں سے بہت کم ہے۔ یہ موخر الذکر کی بہتر اقتصادی اور معاشی حالت کی وجہ سے ہے۔ ہم ذور کے ساتھ یہ رائے رکھتے ہیں کہ یہ تباہی ختم کر دینا چاہئے۔ اور رائے دینے والوں کا وہی تناسب ہونا چاہئے۔ جو آبادی کا ہے۔ سب بالوں کو حق رائے دیدیا جائے تو ایسا خود بخود ہو جائے گا۔ لیکن اگر حق رائے کو کسی طرح محدود کر دیا گیا تو پھر اس غرض کے لئے صرف یہ ایک ممکن طریقہ ہے کہ مختلف جماعتوں اور گروہوں کے لئے رائے دہندگی کے مختلف شرائط مقرر کئے جائیں۔ اس طرح مختلف جماعتوں کی نمائندگی کی بنیاد یکساں نہ رہے گی۔ اور اس پر بعض گروہ شکایت کر سکیں گے اسلئے ہمیں اس نتیجہ پر پہنچنا پڑا کہ مسئلہ کا حل صرف یہی ہے کہ سب بالغ لوگوں کو حق رائے حاصل ہو

چنانچہ پہلے اس کی سفارش بھی کی ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ سیلون میں اصلاحات کا کمیشن بھی اسی نتیجہ پر پہنچا ہے۔ اس نے بالغ مردوں کے لئے عام حق رائے کی سفارش کی ہے۔ اور عورتوں میں یہ حق صرف ان تک محدود کر دیا ہے جن کی عمر ۲۰ سال سے زیادہ ہو۔ یہ حد اس لئے لگائی ہے کہ آزار کی تعداد کو معقول حد دو کے اندر رکھنے کی ضرورت تھی۔ ہمیں اس قسم کی کوئی ضرورت نظر نہیں آتی۔ کسی جمہوری دستور اسٹی میں رائے دینے کے حق پر مہر مصنوعی پابندی خود جمہوریت پر ایک نا واجب پابندی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ سب بالغوں کو حق رائے دینے میں علی دشواریاں پیدا ہوتی ہیں تو یہ بالکل دوسری بات ہے۔ لیکن یہ دشواری چاہے کسی قدر بڑی ہو ہمیں اس کا سامنا کرنا ہے اگر ہمارا مقصود صحیح معنوں میں ہو کامل ذمہ دار حکومت مع اس کے تمام لوازم اور اثرات کے۔ سیلون کے اصلاحی کمیشن نے حکومت کی ایک زائل شکل پیدا کر دی ہے۔ جس کی مثال دنیا کے دستور ہاں ایسی میں کہیں نہیں ملتی، لیکن یہ حکومت اور جو چاہے ہو مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ذمہ دار حکومت تو کسی معنی میں نہیں اور ہمیں جس چیز سے واسطہ ہے وہ ذمہ دار حکومت ہی ہے۔ لہذا ہم عورتوں کے حقوق پر کوئی ایسی پابندی عائد کرنا نہیں چاہتے جو اسی طرح مردوں پر بھی عائد نہ ہو۔

سب بالغوں کے عام حق رائے پر شرمینی گرو دوارہ پرابندھک کمیٹی کے انتخابات میں کامیابی کے ساتھ عمل ہوتا ہے۔ اور یہ انتخابات تمام پنجاب میں ہوتے ہیں۔ زیادہ وسیع پیمانہ پر اسکو رائج کرنے کے معنی صرف یہ ہیں کہ کام کرنے کے نظام کو اور بڑا دیا جائے۔ ہم کوئی وجہ نہیں پاسے کہ باوجود ان تمام دشواریوں اور مصارف کے جو اس توسیع کے ساتھ لازم ہیں اس تجویز کو نا واجب کیوں سمجھا جائے جبکہ یہ اس بنیاد کے قیام کے لئے ضروری ہے۔ جس پر ذمہ دار حکومت کا انحصار ہوتا ہے۔

عوام کے ناخواندہ ہونے اور ان میں سیاسی تجربہ کی کمی کی بنا پر جو اعتراضات

کہتے جاتے ہیں انھیں ہم کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ ملک کی آبادی میں چونکہ بڑے کچے لوگوں کا تناسب بہت کم ہے اسلئے ہی رائے کو کتنا ہی محدود کیا جائے رائے دینے والوں کی اکثریت پر یہ اعتراض ہمیشہ باقی رہے گا۔ اس کے لئے نہ کوئی مقولہ وجہ نظر آتی ہے۔ اور نہ انصاف کا یہ تقاضا ہے کہ جو شخص ایک مقررہ آمدنی کما لیتا ہو اس کی سیاسی تعلیم کا پیرا تو اٹھایا جائے لیکن ایک دوسرے شخص کو اس تعلیم سے صرف اس بلو محروم رکھا جائے کہ وہ اس سے ذرا کم کما تا ہے۔ سیاسی تجربہ سیاسی اداروں میں عملی حصہ لینے سے حاصل ہوتا ہے اور اس کا تمام تر انحصار کچے بڑے ہونے پر نہیں ہوتا۔ اس تجربہ کو حاصل کرنے کے مواقع سب لوگوں کے لئے یکساں ہونے چاہئیں۔ دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ممالک نے بھی تمام بالوں کو حق رائے دینے سے پہلے اس کا انتظار نہیں کیا کہ سو میں سوادھی کچے بڑے ہو جائیں پھر مستان کیوں انتظار کرے۔

سینیٹ | سینیٹ کے متعلق ہماری سفارش ہے کہ انتخاب کنندہ صوبہ کی قانون ساز جماعتوں ہوں۔ ہر صوبہ کے لئے ممبروں کی تعداد مقرر کر دی جائے جو آبادی کے اعتبار سے ہو اور اس میں ایک کم سے کم تعداد کا خیال رہے۔

پہلی آل پارٹیز کمیٹی میں اکثریت سینیٹ کے لئے ایک محدود حلقہ انتخاب کنندگان کی تجویز پیش کی تھی۔ اگرچہ اقلیت ہماری موجودہ تجویز کے موافق تھی۔ ایوان اعلیٰ کا انتخاب اگر براہ راست ہو تو یا انتخاب کرنے والوں کا حلقہ تنگ اور محدود ہو گا۔ یا اسی قدر وسیع جتنا کہ ایوان زیریں کے لئے ہے۔ دوسری صورت میں ایوان اعلیٰ ایوان زیریں کا مشی بن جائیگا اور اس طرح بالکل غیر ضروری شے ہو گا پہلی صورت میں وہ جماعت کے صرف ایک محدود طبقہ کی نمایندگی کرے گا۔ اور ہمیشہ رکاوٹیں اور جھگڑے پیدا ہوں گے۔ ایک ایسے ایوان دوم کے وجود کے لئے کوئی وجہ نہیں جو تمام تر مخالفین اصلاح اور ایسے لوگوں پر مشتمل ہو جو خاص خاص طبقوں سے تعلق رکھتے ہوں اور جن کا خاص مقصد خود اپنے اغراض کی حفاظت کرنا

اور تمام اصلاحی کارروائیوں میں رکاوٹیں ڈالنا ہو۔ اسکو حق بجانب قرار دینے کے لئے اگر کوئی وجہ ہے تو یہ ہے کہ ایوان زیریں سے نکلی ہوئی تمام تجاویز پر یہاں ذرا زیادہ پرسکون فضا اور زیادہ بے تعلقی کے ساتھ پھر غور کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔ کیونکہ جب متنازعہ فیہ مسائل درپیش ہوں تو ایوان زیریں میں اس کا کم امکان ہے۔ ہندوستان میں چونکہ فرقہ دارانہ احساس موجود ہے اس لئے یہ پتیز اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ براہ راست انتخاب کی صورت میں سینیٹ یا تو ایوان زیریں کا نشئی جگر رہ جائے گا۔ یا ایک ایسی ترقی دشمن جماعت بن جائے گا جو صرف چند مخصوص اغراض کی نمایندگی کرے۔ ہم نے جو بالواسطہ انتخاب کا طریقہ تجویز کیا ہے اس سے یہ دشواری حل ہو جاتی ہے۔ اس میں انتخاب کرنے والے چونکہ گمان یہی ہے کہ سمجھ بوجھ کے اعتبار سے خاصی بلند سطح پر ہوں گے اس لئے امکان ہے کہ صحیح قسم کے آدمی منتخب ہو سکیں گے یعنی وہ آدمی جو اس شور و غل اور ڈھول پیٹنے کو گوارا نہ کرتے ہوں جو ایسے جمہوری انتخابات کا لازمہ ہیں جن کی بنیاد وسیع حلقہ ہائے انتخاب پر ہو۔ ان کو منتخب کرنے والی جماعت اگرچہ تعداد میں محدود ہوگی لیکن محض حیثیت، مخصوص اغراض یا طبقہ پر مبنی نہ ہوگی۔ گمان یہی ہے کہ اس میں ملک کے عام انتخاب کرنیوالوں کے مزاج کا عکس دکھائی دے گا۔ اس میں اقلیتیوں اور دیگر مخصوص مفاد کی نمایندگی کا زیادہ موقع ہوگا۔ خصوصاً اس صورت میں کہ ہماری سفارشات کے مطابق سینیٹ کا انتخاب نمایندگی بہ اعتبار تناسب (Proportional Representation) کے اصول پر کیا جائے۔

اس تجویز کو منظور کرنے میں ایک اور فائدہ بھی ہے یعنی مرکزی قانون ساز جماعت میں صوبوں کی نمایندگی براہ راست یہ حیثیت صوبوں کے ہوگی اور صوبوں کا نقطہ نظر سینیٹ میں پیش ہو سکے گا۔ صوبوں کی قانون ساز مجالس اور مرکزی قانون ساز جماعت میں رد وابط پیدا کرنے اور دست و پر ہم آہنگی و یکجہتی کے ساتھ عمل کرانے کے لئے یہ اور

بھی ضروری چیز ہونے تجویز کیا ہے کہ ہر صوبہ کے لئے نشستوں کی تعداد متعین کر دی جائے جو آبادی کی بنیاد پر ہوں۔ اور ایک کم سے کم تعداد کا خیال رکھیہ کم سے کم تعداد ہونے مقرر نہیں کی ہو۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر یہ نشستوں کا تعین کرنے میں کم و بیش آبادی کا میٹریکس نظر رکھا جائے لیکن کامل طور پر اس کی پابندی نہ ہونا کہ چھوٹے صوبوں کی بھی مناسب نمائندگی ہو سکے بعض ممالک میں مثلاً ریاستہائے متحدہ امریکہ میں حکومت متحدہ کی تمام ریاستیں بلا لحاظ آبادی سینیٹ میں برابر برابر رکائی جاتی ہیں۔ ہمارے صوبوں کے رقبہ اور آبادی میں جو بڑا فرق ہے اس کا لحاظ کر کے سب صوبوں کے لئے مساوی نمائندگی کا اصول صحیح نہ ہی لیکن یہ ضرور ہے کہ ایک صوبہ اور دوسرے صوبہ کی نمائندگی میں بہت زیادہ تباہی نہ ہونا چاہئے۔

قانون ساز جماعتوں ہم نے تجویز کیا ہے کہ دارالمنذوبین کی مدت ۵ سال اور سینیٹ کی مدت تین سال ہو۔

تقسیم خراج ہم نے پہلی کمیٹی کی اکثر سفارشوں کو منظور کر لیا ہے لیکن ان میں اضافے کے ہیں اور بہت سی تبدیلیاں بھی۔ ہمارے کسی معاملہ میں مرکزی اور صوبہ کی مجالس قانون ساز کو ساتھ ساتھ اختیارات نہیں دیئے ہیں۔ اس سے جھگڑے پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اس لئے ہمارے کوشش کی ہے کہ ان دونوں کے فرائض کو بالکل جدا جدا کر دیں۔

قانون ساز مجالس سے متعلق دوسری دفعات نوآبادیوں کے قوانین کے طرز پر ہیں۔ مرکزی جماعت قانون ساز میں مالی مطالبات کے متعلق دارالمنذوبین کو کامل اختیار دیا گیا ہے۔

جماعت عالم ہم نے سفارش کی ہے کہ دولت مشترکہ ہند کی مجلس عالم میں ایک وزیر اعظم ہو اور چھ سے زیادہ وزراء نہ ہوں۔ غالباً ایسا رجحان ہو گا کہ وزراء کی تعداد بڑھادی جائے تاکہ مختلف جماعتوں کو نمائندگی مل سکے۔ ہم اسے پسند نہیں کرتے۔ اور چونکہ ہم صوبوں کو خود مختاری دیتے ہیں اس لئے ہمارا خیال ہے کہ مرکزی مجلس عالم میں سات کن کافی ہونے چاہئیں۔ اس کے کہنے کی ضرورت

ہی نہیں کہ مجلسِ عالمہ مجموعی حیثیت سے مجلسِ قانون ساز کے سامنے جوابدہ ہوگی۔
صوبوں کی جماعتِ عالمہ میں ہم نے ۵ وزراء کی تجویز کی ہے۔ ایک وزیرِ خاص

اور چار اور۔

مرکزی اور صوبوں کی جماعتِ عالمہ کے اختیارات ویسے ہی ہیں جیسے کہ نوابادیل

کے دستورِ اساسی میں۔

عدالتیں | ہائی کورٹوں کے علاوہ ہم نے ایک عدالتِ عالیہ کی تجویز کی ہے۔ اور ہماری رائے
ہے کہ سوائے خاص صورتوں کے جن کی تفصیل ہم نے کر دی ہے معمولاً کوئی مراۃ ملکِ معظم
باجلاس کونسل کے سامنے نہ جائے۔

عدالتِ عالیہ | ہم خاص طور پر ان مقدمات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں جو براہِ راست عدالت کے
احاطہِ اختیارات میں آتے ہیں، ان میں سب سے اہم وہ معاملات ہیں جو صلیٹوں، عہد ناموں، سندوں
اور اسی قسم کے دوسرے دستاویزات کی بنا پر دولتِ متحدہ ہند اور ہندوستانی ریاستوں کے
درمیان پیدا ہوں۔ اونچیں گورنر جنرل، اجلاس کونسل، ریاست متعلقہ کی رضامندی کی بغیر
فیصلہ عدالتِ عالیہ کے سامنے بھیج سکتا ہے۔

مالیات | ملک کی آمدنی، مرکزی اور صوبوں کی حکومتوں میں تقسیم کرنا، اور فوجی تحفظ، تعلیم، اور
دوسرے ضروری امور کے لئے رقوم کا تین شکل کام ہوگا۔ اور اس میں سید غور و فکر کی
ضرورت ہوگی۔

تحقیقاتی کمیشن | ہم نے سفارش کی ہے کہ دولتِ متحدہ ہند کے قیام کے فوراً ہی بعد ایک کمیشن مقرر
کیا جائے۔ جو مندرجہ ذیل امور کی تحقیق کرے۔

(۱) آمدنی کے کون سے ذرائع دولتِ متحدہ ہند کو تفویض کئے جائیں۔ اور کون سے
صوبوں کو۔

(۲) مرکزی اور صوبوں کی حکومتوں میں مالی تعلقات کیا ہوں۔

اس سفارش میں ہم نے جنوبی افریقہ کے دستور اساسی کے دفعہ ۱۱۱ کو سب سے زیادہ مناسب سمجھ کر اسی کی پیروی کی ہے۔
ہم نے اس کمیشن پر ایک اور بھی فہرست عاید کیا ہے۔ اور وہ مندرجہ ذیل کمیٹیوں کا تقریب ہے،

(۱) ابری، بحری اور ہوائی فوجوں کے لئے افسروں کی تربیت کے تمام مسائل اور اس غرض کے لئے اسکولوں یا کالجوں کے قیام کے طریقوں پر غور کرنے کے لئے ایک مخصوص کمیٹی۔
(۲) عام ابتدائی تعلیم کے رواج اور پست جماعتوں کے لئے مخصوص تعلیمی اسانیاں ہم پہنچانے کے سلسلے کی تحقیق اور اسپرڈ پورٹ پیش کرنے کے لئے ایک دوسری کمیٹی۔
(۳) ایسی دوسری کمیٹیاں جنہیں یہ کمیشن ضروری سمجھے۔

سول سروس | ہم نے سفارش کی ہے کہ دولت مشترکہ ہند کے قیام کے بعد ایک مستقل پبلک سروس کمیشن بھی مقرر کر دیا جائے۔ دولت متحدہ ہند کے اولین فرائض میں سے یہ بھی ہوگا کہ وہ عام ملازمتوں کے محکموں کی از سر نو تشکیل و ترتیب کرے۔ موجودہ ہندوستانی حکومت کے انتظامات اسوجہ سے بہت بدنام ہیں کہ وہ بچے سے ہلکے اور اوپر سے بھاری ہیں ملک کے تباہ کن اخلاس کے باوجود بھی اعلیٰ ملازموں کو اتنی زیادہ تنخواہیں دی جاتی ہیں جتنی دنیا کے کسی ملک میں نہیں دی جاتیں۔ سلطنت ہند کے سامنے سب سے پہلا مسئلہ یہ آئیگا کہ فوجی تحفظ، تعلیم، صحت، حفظان و صحت اور دوسرے کثیر التعداد مقاصد کے لئے روپیہ کہاں سے فراہم کیا جائے۔ ایسے اعلیٰ فوجی سول ملازموں کا رکھنا جنہیں اس قدر بڑی تنخواہیں دی جاتیں ہمارے امکان سے باہر ہوگا اور ہمیں مجبوراً اسکی کوشش کرنی پڑے گی کہ حیثیت سے زیادہ مصارف میں تخفیف کر کے ملک کے اگھارنے کے لئے روپیہ بچائیں۔ عوام نے یا یوں کہنا چاہئے کہ عوام کے اس طبقے نے جو قوت گویائی رکھتا ہے ہمیشہ حاکموں کی گراں قدر تنخواہوں کے خلاف احتجاج کیا ہے لیکن اس احتجاج کا جواب ملا بھی تو وہ کی کمیشن کی صورت میں اس کو معلوم ہے کہ کمیشن باوجود ہندوستانیوں کی متفقہ مخالفت کے مقرر

کیا گیا۔ اور اس کی سفارشات پر ہندوستانی مجالس قانون ساز کو پس پشت ڈال کر عمل درآمد شروع ہو گیا۔ اس لئے ہمارا خیال ہے کہ ملازمتوں میں داخلے کے مصداق اور اس کے طریقے پر اور ملازموں کی تنخواہوں، معاوضوں، وظیفوں اور الاؤنسوں کے پورے مسئلہ پر ان جدید سیاسی حالات کی روشنی میں جو نئے دستور کے اجراء سے پیدا ہوں گے۔ آئندہ از سر نو غور کرنا پڑے گا۔ اسی لئے ہم نے ایک مخصوص پبلک سروس کمیشن کے قیام کی تجویز کی ہے۔ جو نئی تشکیل اور ترتیب کے بعد اپنے فرائض سے سبکدوش ہو جائے گا۔ لیکن ہم نے ان لوگوں کے لئے بھی جو دولت مشترکہ ہند کے قیام کے وقت سرکاری ملازم ہوں کافی ضمانت کر دی ہے۔ خواہ وہ لوگ ملازمتوں کو چھوڑ دینے کا ارادہ کریں یا دولت مشترکہ ہند کے ملازم کی حیثیت سے رہنا چاہیں۔ ہم نے ان لوگوں کو جو ملازمتیں چھوڑنا چاہیں تین سال کی مدت دی تھی جس میں وہ انہیں شرائط پر جو دولت مشترکہ کے قیام کے وقت نافذ ہوں اپنی ملازمتوں سے دست بردار ہو سکتے ہیں۔

فوجی ملازمین | ہم نے یہی تجاویز ان لوگوں کے حق میں بھی کی ہیں جو نئے دستور کے جاری ہونے کے وقت بری یا بحری فوج یا "شاہی ہندوستانی بیٹری" میں یا ہندوستانی ہوائی دستے میں ملازم ہوں۔

تحفظ ملک | ہم نے ایک مجلس تحفظ کے تقرر کی سفارش کی ہے۔ جو حسب ذیل اختیارات پر مشتمل ہوگی۔

(۱) وزیر اعظم

(۲) وزیر تحفظ

(۳) وزیر خزانہ

(۴) سپہ سالار اعظم

(۵) سپہ سالار فوج ہوائی

(۶) ایلیٹ

(۷) جنرل اسٹاف کا سردار اعلیٰ اور (۸) دوسرے ماہرین۔

اس مجلس کا فرض ہو گا کہ حکومت کو عام پالیسی کے مسائل میں مشورہ دے اور ہندوستان کے تحفظ کا خیال رکھتے ہوئے اگر فوجی اخراجات میں کوئی تخفیف ممکن ہو تو اس کی سفارش کرے۔ ہم نے یہ بھی تجویز کیا ہے کہ سالانہ تخمینہ جات اس مجلس کی سفارش کے مطابق مرتب کئے جائیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان تجاویز سے فوج کی کارکردگی اور انتظام کی بہتری میں کوئی شبہ نہیں رہے گا۔

دوسری تجاویز کے لئے ہم باب ہفتم کا حوالہ دینا چاہتے ہیں جس میں انہیں تفصیل بیان کیا گیا ہے۔

باب ہفتم

سفارشات

ہم نے تمام دستور اسہی کو اس قطعیت اور صحت کے ساتھ مرتب کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ جو جماعت قانون ساز کے سامنے پیش ہوئی اسے اسودات قانون کے لئے ضروری ہے۔ البتہ ہماری سفارشات نے اپنی ماہیت کے اقتضائے مسودہ قانون کی دفعات کی شکل اختیار کر لی ہے۔ لیکن ہم ہرگز نہیں چاہتے کہ انہیں دفعات قانون سمجھا جائے۔ یا ان میں اس سے زیادہ اور کچھ دیکھنے کی کوشش کی جائے کہ یہ بس ان اصولوں کو ظاہر کر دیتے ہیں جو مقصود ہیں۔ اور حدود استصواب کی رو سے ہم سے اسی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ یہ کام تو پارلیمنٹی مسودہ نگاروں کا ہے۔ کہ انہیں مرتب کریں۔ رسمی اور ضمنی دفعات کا اضافہ کریں۔ اور تفصیلات درج کر دیں جنہیں ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ ہم یہ ذکر کر دیں تو مناسب ہے کہ بعض مسودوں میں جو ہمارے سامنے پیش کئے گئے ہیں ایسے احکام انتقال اور احکام کونسل بھی درج ہیں جن سے اس دستور کو نافذ کیا جائے گا۔ یہ احکام بہت اہم ہیں لیکن ان کا تیار کرنا ہم سے نو یا وہ مسودہ نگاروں کا کام ہے۔ بعض باتوں میں ہم نے زیادہ تفصیل سے کام لیا ہے بعض میں کم لیکن یہ کم دبیش اتفاقی بات ہے۔ ہم نے نوآبادیات کے دستوروں، نیز ڈاکٹر اسبٹ کے کامن ویلتھ آف انڈیا بل (مسودہ قانون دولت مشترکہ ہند) اور جناب وجیارا گھو چاریار، سری تراس آئیگر، اور رنگا سوامی آئیگر صاحبان کے تیار کردہ اسودات، انڈین پرنٹ لیبر پارٹی کی کمیٹی کے مسودہ، اور گورنمنٹ آف انڈیا ایجٹ (قانون حکومت ہند) سے نہایت آزادی کے ساتھ استفادہ کیا ہے لیکن ہمیں اکثر یہ ضرورت پڑی کہ ان میں لفظی اور بعض اوقات زیادہ اہم معنوی تبدیلیاں کریں۔ ہم نے تہید

اور تعریفات کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ سوائے ایک شہری (Citizen) کی تعریف کے جو آل پارٹیز کانفرنس کی پہلی کمیٹی نے طے کر دی تھی۔ اب ہم اپنی سفارشات کو مناسب عنوانوں کے تحت میں پیش کرتے ہیں

ہندوستان کی دستوری حیثیت

۱۔ قوموں کی اس جمیعت میں جسے سلطنت برطانیہ کہتے ہیں، ہندوستان کی دستوری حیثیت وہی ہوگی جو ملک کنیڈا، دولت مشترکہ اسٹریلیا، مملکت نیوزی لینڈ، اتحاد جنوبی افریقہ یا دولت آزاد آئر لینڈ کو حاصل ہو۔ اس کی ایک پارلیمنٹ ہوگی۔ جو امن، انتظام ملکی اور ہندوستان میں اچھی حکومت کے قیام کے لئے قانون بنانے کی مجاز ہوگی۔ ایک جماعت عالمہ ہوگی جو پارلیمنٹ کے روبرو جوابدہ ہوگی۔ اور یہ دولت مشترکہ ہندوستان کے نام سے موسوم و معروف ہوگی

دستور اور قوانین کا تقاضا

۲۔ یہ دستور اور تمام وہ قوانین جو دولت مشترکہ کی پارلیمنٹ اس کے ماتحت بنائے وہ تمام صوبوں اور دولت مشترکہ کے تمام حصوں کی عدالتوں اور لوگوں پر واجب العمل ہوں گے۔ بلا لحاظ ہر اس شرط کے جو ہندوستان کی مرکزی یا صوبہ دار مجالس قانون ساز کے بنائے ہوئے کسی قانون میں یا سلطنت متحدہ کی کسی ایسے قانون میں ہو جس کا عمل ہندوستان میں ہے۔ اور دولت مشترکہ کے قوانین ان سمندر دہ میں بھی نافذ ہوں گے جہیز اس کی حکومت ہو۔

شہری کی تعریف

۳۔ اس دستور میں جہاں لفظ شہری استعمال ہوا ہے۔ وہاں اس کو مراد ہی ہر وہ شخص (الف) جو خود دولت مشترکہ کی حدود مملکت میں پیدا ہوا ہو۔ یا جس کا باپ ان حدود میں

پیدا ہوا ہو۔ یا اس نے حقوق قومیت حاصل کر لئے ہوں۔ اور جسے کسی دوسرے ملک کے شہری کی حیثیت سے حقوق قومی حاصل نہ ہوں۔

(ب) جو قانون رائج الوقت کے ماتحت دولت مشترکہ میں حقوق قومی حاصل کر لئے۔
توضیح: کوئی شخص جو کسی دوسرے ملک کا شہری ہو۔ وہ اس وقت تک دولت مشترکہ کا شہری نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ طریقہ معینہ قانون سے وہ اس دوسرے ملک کے حقوق شہریت کو دست بردار نہ ہو جائے۔

بنیادی حقوق*

۴۔ (۱) حکومت کا سارا اقتدار اور وضع قوانین، تنفیذ اور عدالت کے تمام اختیارات قوم سے حاصل ہوتے ہیں اور دولت مشترکہ ہند میں ان پر اس دستور کے مطابق اور ان نظموں کے ذریعہ عمل درآمد ہو گا جو اس دستور کے روسے یا اس کے ماتحت وجود میں آئیں۔

(۲) کسی شخص کو اس کی آزادی سے محروم نہ کیا جائے گا۔ نہ اس کی جائے سکونت یا اہلاک میں کوئی دخل ہو سکے گا۔ نہ انہیں فرق کر سکے گا۔ نہ ضبط۔ الا یہ کہ قانون کے تحت میں۔

(۳) اس دستور کی روسے ہر شخص کو ضمیر کی آزادی اور مذہب کے اقرار اور اس پر عمل کی آزادی حاصل ہوگی۔ بشرطیکہ اس سے امن عامہ یا اخلاق میں خلل نہ پڑے۔

(۴) اس دستور کی روسے ہر شخص کو انہماک کے آزادی، نیز پُر امن طریقہ سے اور بلا اسلحہ جمع ہونے اور زمین یا اتحاد قائم کرنے کی آزادی حاصل ہوگی۔ بشرطیکہ ایسے اغراض کے لئے ہوں جن سے امن عامہ یا اخلاق میں خلل نہ پڑے۔

(۵) دولت مشترکہ ہند کے تمام شہریوں کو بلا معاوضہ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کا حق ہو گا۔

یہ کانفرنس نے بنیادی حقوق میں ایک اور دفعہ کا اضافہ کیا ہے جس میں حقوق اور ذاتی جائداد سے بحث کی گئی ہے۔ دفعہ ۱۱ میں بھی کچھ بڑا کیا ہے جس کی وجہ سے مستقل حق امتیاز آراضی حاصل ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ اس دفعہ کی قرار داد نمبر ۱۱۱

اور جو تعلیم کا نہیں ریاست کی طرف سے قائم ہوں گی یا اس سے مدد پاتی ہوں گی۔ ان میں داخلہ کے بارہ میں ذات یا مذہب کی کوئی تفریق نہ کی جائے گی۔ جو بھی جماعت یا انجمن مناسب انتظامات کرے یہ حق نافذ ہو جائے گا۔

(۶) قانون کے سامنے سب شہری برابر ہیں۔ اور مسیحاوی مدنی حقوق رکھتے ہیں۔
(۷) کوئی تفریقی قانون (نہ اصول قانون نہ ضابطہ) ایسا نہ ہوگا جس میں کسی قوم کا امتیاز روا رکھا جائے۔

(۸) کسی شخص کو ایسے فعل پر سزا نہ دی جائے گی۔ جو از کتاب کی وقت قانون راج کی رو سے قابل سزا نہ تھا۔

(۹) کوئی جسمانی سزا یا ایسی سزا جس میں سخت اذیت ہو قانوناً جائز نہ ہوگی۔
(۱۰) ہر شہری کو گرفتاری کی صورت میں تحقیقات عدالتی کے مطابق کے حق حاصل ہوگا جنگ یا بغاوت کے زمانہ میں مرکزی مجلس قانون ساز اپنے کسی قانون سے اس حق کو کچھ عرصہ کے لئے روک سکتی ہے یا اگر مجلس قانون ساز کا اجلاس نہ ہو رہا ہو تو گورنر جنرل یا اجلاس کونسل ایسا کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ جلد سے جلد مناسب کارروائی کے لئے اس کی اطلاع جماعت قانون ساز کو دے گا۔

(۱۱) دولت مشترکہ ہند کا کوئی سرکاری مذہب نہ ہوگا۔ نہ دولت مشترکہ کے کسی صوبہ کا۔ اور نہ ریاست براہ راست یا بالواسطہ کسی مذہب کی مالی مدد کرے گی۔ نہ مذہبی عقیدہ یا مذہبی حیثیت کی وجہ سے کسی شخص کو ترجیح دے گی۔ نہ کسی کے استحقاق میں کمی کرے گی۔

(۱۲) کوئی شخص جو ایسے کسی مدرسہ میں تعلیم پاتا ہو جسے سرکاری مدد یا اور کسی عام فنڈ سے مدد ملتی ہو یا اس مذہبی درس میں شریک ہونے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا جو اس مدرسہ میں دیا جاتا ہو۔
(۱۳) سرکاری ملازمتیں حاصل کرنے، مناصب اہم یا اعزاز پر فائز ہونے، اور کسی پیشہ یا کاروبار کر نیے استحقاق میں کسی شخص کے مذہب یا ذات کی وجہ سے کوئی کمی نہ ہوگی۔

(۱۴) عام گذرگاہوں، کٹنوں اور دوسری عام اجتماع کی جگہوں پر جانے اور انہیں استعمال کرنے کا حق ہر شہری کو برابر حاصل ہوگا۔

(۱۵) مزدوروں کی حالت اور معاشی حالات کے برقرار رکھنے اور ترقی دینے کے لئے ہر شخص اور ہر پیشہ کے لوگوں کو ملنے اور انجمن بنانے کی آزادی حاصل ہوگی تمام معاہدے اور کارروائیاں جن سے ان آزادی کے محدود ہونے یا رکھنے کا احتمال ہو خلافت قانون بھی جائیگی۔

(۱۶) خدمت کے معاہدہ کو توڑنا یا اس کی ترغیب و نیا قیود جاری جرم نہ سمجھا جائے گا۔

(۱۷) صحت کو قائم رکھنے، تمام شہریوں کو کام کے لائق رکھنے، ہر کام کرنا اس کے لئے قوت لایموت کی ضمانت کرنے، ماؤں کی حفاظت، بچوں کی بہبود اور بڑھاپے، صحت و ناتوانی اور بیکاری کے معاشی نتائج سے مامون کرنے کے لئے پارلیمنٹ مناسب قانون بنائے گی۔

(۱۸) ہر شہری کو ان ضوابط کے مطابق جو اس باب میں بنائے جائیں اس طرح رکھنے اور باندھنے کا حق ہوگا۔

(۱۹) مردوں اور عورتوں کو بحیثیت شہری مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔

نوٹ۔ بلحاظ دفعہ ہم کی کسی تفریق کے جو اسکے خلافت پر مبنی ہو سکھوں کو کوکرانہ رکھنے کا حق ہوگا۔

پارلیمنٹ

۵۔ دولت مشترکہ کی قوت قانون ساز پارلیمنٹ ہوگی جو بادشاہ، سینیٹ (Senate) اور دارالمنذوبین House of Representatives پر مشتمل ہوگی۔ اور جسے اس دستور میں صرف پارلیمنٹ کے نام سے موسوم کیا جائے گا۔

۶۔ گورنر جنرل کا تقریر بادشاہ کرے گا۔ اور دوران خوشنودی شاہی میں وہ دولت مشترکہ

۷۔ کانفرنس نے یہاں ایک فقرے کا اضافہ کر کے کاشیٹکاروں کو مستقل حق استعمال آراضی عطا کیا جو ملا علی محمد خان کانفرنس کی قرارداد

میں وہ اختیارات و وظائف شاہی رکھے گا۔ اور کل میں لاسے گا جو آں بدولت اسے تفویض فرمائیں
 ۷۔ (الف) ہندوستان کی سرکاری آمدنی سے بادشاہ کو گورنر جنرل کی تنخواہ کی مدد میں
 مبلغ سالانہ کی رقم دی جائے گی۔ اور یہ رقم منسلکہ نقشہ کے مطابق ہوگی تا آنکہ دولت
 مشترکہ کی پارلیمنٹ اسکے خلاف سٹ کر دے۔

(ب) گورنر جنرل کی تنخواہ میں اس کے دوران ملازمت میں تبدیلی نہ کی جائے گی۔
 ۸۔ سینیٹ ۲۰۰ اراکین پر مشتمل ہوگا جنہیں صوبوں کی کونسلیں منتخب کریں گی۔ اور ایک کم سے
 کم تعداد کے تین کے بعد ہر صوبہ کے لئے آبادی کی بنیاد پر تینتیس مقرر ہوگی انتخاب نامزدگی با اعتبار سال کے
 طریقہ سے واحد انتقال پذیر رائے کے ذریعہ (Single Transferable Vote) عمل میں
 آنے کا طریقہ بہتر

۹۔ دارالمنذوبین ۵۰۰ اراکین پر مشتمل ہوگا جن کا انتخاب ان حلقوں سے ہوگا جو قانون کی رو
 سے مقرر ہوں۔ دونوں صنفوں کے ہر فرد کو جس کی عمر ۲۱ سال ہوگئی ہو۔ اور جو قانوناً حق رائے دہندگی
 سے محروم نہ کر دیا گیا ہو۔ رائے دینے کا حق حاصل ہوگا۔ اگر ضرورت ہو تو پارلیمنٹ وقتاً فوقتاً اراکین
 کی تعداد میں اضافہ کرنے کی مجاز ہوگی۔

۱۰۔ ہر دارالمنذوبین اپنے پہلے چلنے سے ۵ سال تک اور ہر سینیٹ ۷ سال تک قائم
 رہے گا۔ اس شرط کے ساتھ کہ

(الف) گورنر جنرل و دونوں ایوانوں کو اس مدت کے اندر برخاست کر سکتا ہے اور
 (ب) اگر گورنر جنرل خاص حالات میں مناسب سمجھے تو اس مدت میں توسیع کر سکتا ہے اور
 (ج) کسی ایوان کے برخاست ہونے کے بعد گورنر جنرل اس ایوان کے آئندہ اجلاس کی
 تاریخ مقرر کرے گا۔ جو تاریخ برخاستگی سے زیادہ سے زیادہ چھ ماہ بعد ہوگی۔

(۲) گورنر جنرل و دونوں ایوانوں کے اجلاس کے لئے جو وقت اور جگہ مناسب سمجھیا مقرر کرے گا
 اور وقتاً فوقتاً بریج اعظمی نامہ یا کسی دوسری طریقہ بلا تین مدت ایوان اجلاسوں کو ملتوی کر سکے گا۔

(۳) ہندوستانی مجالس قانون ساز کے دونوں ایوانوں کے کسی جلسہ کو وہ شخص ملوث کر سکتا ہے جو صدارت کر رہا ہو۔

(۴) دونوں ایوانوں میں تمام سائل کا فیصلہ حاضر اراکین کی کثرت رائے سے ہوگا جس میں صدارت کرنیوالا رکن شامل نہ ہوگا لیکن اس رکن کو رایوں کے برابر ہونے کی صورت میں ایک فیصلہ کن رائے کا حق ہوگا اور وہ اس حق کو استعمال بھی کرے گا۔

(۵) ہندوستانی مجالس قانون ساز کے دونوں ایوان باوجود اپنی کمی نشست کے خالی ہونے کے اپنے اختیارات کو عمل میں لاسکیں گے۔

۱۱۔ ہر ایوان پارلیمنٹ کا ایک صدر ہوگا جو اس ایوان کا رکن ہوگا اور جسے ایوان منتخب کریگا ہر ایوان کا ایک نائب صدر بھی ہوگا جو ایوان کا رکن ہوگا اور اس کا انتخاب بھی اسی طرح ایوان ہی کرے گا۔

۱۲۔ سینٹ اور دارالمنذہبین اور ان کے اراکین کو جو رعایتیں، برتیں، اور اختیارات حاصل ہوں گے ان کا ٹین وٹا فوٹا دولت مشترکہ کے قانون پارلیمنٹ کی رو سے ہوگا۔

۱۳۔ پارلیمنٹ کو اس دستور کی دفعات کے ماتحت حسب ذیل اغراض کے لئے قانون بنانے کا اختیار ہوگا۔

(الف) ان تمام معاملات کے بارہ میں جو اس دستور کی رو سے عدویوں کی مجالس قانون ساز کو تفویض نہیں کئے گئے ہیں۔ دولت مشترکہ کے امن، انتظام، اور اچھی حکومت کے لئے قانون بنانا۔

(ب) ہندوستان کے دوسرے حصوں نیز حدود ہند سے باہر وہ دولت مشترکہ کی رعایا اور ملازموں کے لئے قانون بنانا۔

(ج) سرکاری عہدہ داروں، سپاہیوں، ہوابازوں، اور ملک منظم کی افواج کے ہر کابوں کے لئے قانون بنانا۔ چاہے وہ کہیں بھی خدمت انجام دے رہے ہوں یا حد تک کہ وہ قانون فوج

بری یا قانون فوج ہوائی کے ماتحت نہ ہوں

(د) ان سب لوگوں کے لئے قانون بنانا جو شاہی ہندوستانی بحری سرورس ہندوستانی جنگی بیڑہ میں ملازم ہوں، خدمت کر رہے ہوں یا اس سے تعلق رکھتے ہوں۔

مزید تین کے لئے لیکن اس نفع کے مندرجہ بالا الفاظ کی عمومیت کو محدود کئے بغیر یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ باوجود کسی ایسی چیز کے جو اس قانون میں ہو دولت مشترکہ کی پارلیمنٹ کا اختیار قانون سازی ان تمام معاملات پر عادی ہو جو ان چیزوں کے متعلق ہوں جن کی تفصیل و تشریح نقشہ مامستکہ ہذا میں درج ہے۔

۱۳۔ امور خارجہ میں، جس میں ہندوستانی ریاستوں کے معاملات شامل نہیں، پارلیمنٹ کو وہی اختیارات ہوں گے جو حکومت خود اختیاری رکھنے والی نوآبادیوں کو حاصل ہیں۔

۱۵۔ اس کا انتظام کر دیا جائے کہ اس قانون کے ماتحت مجالس قانون ساز کے ایوانوں میں طریق کار ڈرائی کو مضبوط کرنے اور ان میں نظم قائم رکھنے کے لئے قواعد بنائے جاسکیں اور اس کے لئے کہ صدر اور نائب صدر کی عدم موجودگی میں کوئی شخص دارالمنذوبین کی صدارت کرے ان قواعد میں یہ بھی تصریح ہو کہ کتنے اراکین کی موجودگی ”کورم“ کے لئے کافی ہوگی۔ اور ان معاملات پر سوالات یا بحث کرنے کی ممانعت کر دی جائے۔ یا اسکے لئے ضابطہ مقرر کر دیا جائے جن کی تفصیل قواعد میں ہو

۱۶۔ (الف) جو مسودہ قانون دولت مشترکہ کی حکومت کے معمولی سالانہ خدمات کے لئے سرکاری آمدنی یا رقوم پر تصرف کے لئے پیش کیا جائے۔ اس میں صرف اس تصرف کی بحث ہوگی۔ (ب) جو مسودات قانون محاصل (ٹکس) لگانے کے متعلق ہوں ان میں صرف اس ٹکس کے لگانے سے بحث ہوگی۔ اور اس میں اگر کوئی دفعہ کسی دوسرے معاملہ کے متعلق ہوگی۔ تو وہ کالعدم سمجھی جائے گی۔

(ج) ایسے مسودات قانون جن سے قرض عامہ پر اثر پڑے۔ یا جن میں سرکاری آمدنی

اور رقوم پر تصرف سے بحث ہو۔ یا محصول لگانے سے انہیں مجلس عالمہ ہی کا کوئی رکن پیش کر سکے گا اور ان کی ابتدا دارالمندوبین ہی سے ہو سکے گی۔

۱۷۔ سودہ قانون بابتہ رقوم زر (Money Bill) سے مراد وہ سودہ ہے جس میں مندرجہ ذیل امور میں سے رب یا کسی سے بحث ہو، یعنی ٹیکس کا لگانا، منسوخ کرنا، واپس دینا، تبدیل کرنا، یا منضبط کرنا، سرکاری آمدنی اور رقوم پر کوئی بار ادا کیگی قرض یا دوسری مالی اغراض سے ڈالنا یا اس میں تغیر کرنا یا اسے منسوخ کرنا، سرکاری رقوم کی فراہمی، تصرف، رسید، امانت، اجراء اور حسابات کی جانچ، قرض لینا یا اس کی ادائیگی، یا ان معاملات سے متعلق کوئی ذیلی امر یا امور، اس تعریف میں اصلاح ٹیکس، سرکاری رقوم، اور قرض میں بالترتیب وہ ٹیکس رقم، یا تصرف شامل نہیں۔ جو مقامی جماعتیں، یا مقامی با اختیار لوگ حاصل کریں۔

۱۸۔ اس مسئلہ کا فیصلہ کہ کوئی سودہ قانون سودہ بابتہ رقوم زر ہے یا نہیں دارالمندوبین کا صدر کرے گا۔

۱۹۔ جس سودہ قانون بابتہ رقوم زر کو دارالمندوبین منظور کرے۔ وہ سینیٹ کے پاس اس کی سفارشات کے لئے بھیجا جائیگا۔ اور وہاں سے زیادہ سے زیادہ۔ دن میں دارالمندوبین کو واپس کر دیا جائے گا۔ جو سینیٹ کی تمام یا کسی سفارش کو قبول یا رد کرنے کے بعد اسے منظور کرے گا۔ اور ایسے منظور شدہ سودہ قانون کے متعلق سمجھا جائے گا۔ کہ دونوں ایوانوں نے اسے منظور کر لیا ہے۔

۲۰۔ (الف) اس قانون کے شرائط کو مدنظر رکھ کر کوئی سودہ قانون پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں سے کسی میں اول بار پیش ہو سکتا ہے۔ اور اگر اس ایوان میں منظور ہو جائے تو دوسرے ایوان میں بھی پیش کیا جائے گا۔

(ب) سوائے اس صورت کے کہ اس قانون نے اس کے خلاف کوئی شرط مقرر کر دی ہو کوئی سودہ قانون اس وقت تک پارلیمنٹ کی جانب سے منظور شدہ نہ سمجھا جائے گا جب تک

دونوں ایوان اس پر متفق نہ ہو جائیں۔ یا تو بلا ترمیم یا ایسی ترمیموں کیساتھ جنہیں دونوں ایوان منظور کر لیں۔
(ج) اگر کوئی ایسا مسودہ قانون جسے دارالمنذوبین نے منظور کر لیا ہے۔ اس ایوان

میں منظوری کے ہمدینہ بعد تک سینٹ میں بلا ترمیم یا ایسی ترمیمات کیساتھ جسپر دونوں ایوان متفق ہو جائیں
منظور نہیں کیا گیا تو کسی ایوان میں اس مضمون کی قرارداد منظور ہونے پر گورنر جنرل اس معاملہ کو فیصلہ
کے لئے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس کے سامنے پیش کرے گا۔ اس مشترکہ اجلاس میں جے اراکین
حاضر ہوں گے وہ ملکر اس مسودہ پر اس شکل میں غور کریں گے۔ اور ملکر اسپر رائے دیں گے۔ جس
نقل میں یہ دارالمنذوبین میں آخری مرتبہ پیش کیا گیا ہوگا۔ نیز اگر ایسی ترمیمیں ہوں جو اس مسودہ کے متعلق
ایک ایوان یا سینٹ نے پیش کی ہوں لیکن جس سے دوسرا ایوان متفق نہ ہوا ہو تو ان بھی غور کریں گے
اور رائے دیں گے اور ایسی ترمیم کے موافق سینٹ اور دارالمنذوبین کے اراکین شریک جلسہ کی
اکثریت ہوگی اس کے متعلق سمجھا جائے گا۔ کہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے اسے منظور کر لیا ہے۔

۲۱۔ (الف) جب کوئی مسودہ قانون دونوں ایوانوں میں منظور ہو جائے گا۔ یا دونوں ایوانوں
میں منظور شدہ منظور ہوگا تو فوراً اسے گورنر جنرل کے سامنے اس غرض سے پیش کیا جائے گا کہ بادشاہ
کی طرف سے اس کی منظوری دے۔ گورنر جنرل کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ منظوری دے یا نہ دے یا اس
مسودہ کو بادشاہ کے ایام کے لئے روک دے

(ب) کوئی مسودہ قانون جسے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے منظور کر لیا ہو اس وقت تک قانون
نہیں بن سکے گا جب تک کہ گورنر جنرل بادشاہ کی طرف سے اسے منظور نہ کرے یا ان مسودہ
کے بارے میں جنہیں شاہی ایام کے لئے روک دیا گیا ہو گورنر جنرل دونوں ایوانوں کے سامنے تقریر
یا پیام کے ذریعہ یا اعلان عام سے یہ ظاہر نہ کر دے کہ مسودہ کو ملک معظم پر اجلاس کو نسل نے منظور فرمایا ہے
اس شرط کے ساتھ کہ جب کوئی مسودہ دونوں ایوانوں میں منظوری کے بعد گورنر جنرل کے پاس بغرض
منظوری شاہی پیش کیا جائے یا کسی مسودہ کو گورنر جنرل نے بغرض دریافت یا شاہی روک لیا ہو۔
تو گورنر جنرل کو اختیار ہوگا کہ وہ مسودہ کو پارلیمنٹ کے پاس اس سفارش کیساتھ واپس کر دے کہ پارلیمنٹ

مسودہ میں ترمیمات پر از سر نو غور کرے

(ج) جو مسودہ اس طرح واپس کیا جائے گا اسپر پارلیمنٹ مع ان ترمیمات کے پھر غور کرے گی جن کی سفارش گورنر جنرل نے کی ہے۔ ۱۔ اور اگر پارلیمنٹ اسے مع یا بلا ترمیمات پھر منظور کرے تو پھر گورنر جنرل کی خدمت میں اس غرض سے پیش کیا جائے گا کہ وہ بادشاہ کی طرف سے منظوری شاہی کا اظہار فرمائیں

دولت مشترکہ کی قوت عالمہ

۲۲۔ دولت مشترکہ کی قوت عالمہ کا حال بادشاہ ہے۔ اور گورنر جنرل چھٹیت نمایندہ شاہی مجلس عالمہ کے مشورہ سے اور اس دستور اور دولت مشترکہ کے قوانین کے ماتحت اس قوت کو استعمال کر سکتا ہے

۲۳۔ (الف) ایک مجلس عالمہ ہوگی جس میں وزیر اعظم اور جب تک پارلیمنٹ اس کے خلاف فیصلہ نہ کر دے۔ دولت مشترکہ کے زیادہ سے زیادہ چھ وزراء شامل ہوں گے۔

(ب) وزیر اعظم کا تقرر گورنر جنرل کرے گا۔ اور وزیر کو بھی یہی وزیر اعظم کے مشورے مقرر کرے گا۔ (ج) مجلس عالمہ چھٹیت مجموعی تمام ان معاملات کے لئے مجلس قانون ساز کے سامنے جو ابہ ہوگی جو دولت مشترکہ کو دن محکموں سے تعلق رکھتے ہوں جن کا انتظام راکین مجلس عالمہ کے ہاتھ میں ہو۔

۲۴۔ جب تک پارلیمنٹ اس کے خلاف اسٹاپ نہ کرے اس وقت تک دولت مشترکہ کی حکومت عالمہ کے تمام عہدہ داروں کا تقرر اور ان کی برطرفی کا اختیار گورنر جنرل باایلاس کونسل کو ہوگا۔ الا یہ کہ گورنر جنرل باایلاس کونسل نے خود یا دولت مشترکہ کے کسی قانون کی رو سے یہ اختیار کسی دوسرے کو منتقل کر دیا ہو۔

۲۵۔ دولت مشترکہ کی بری، بحری اور ہوائی افواج کی سپ سالاری کا حال چھٹیت نمایندہ شاہی

گورنر جنرل ہوگا۔

ہائی کمانڈر اور خارجی نمائندے

۲۶۔ دولت مشترکہ کو ہائی کمانڈر اور دوسرے خارجی نمائندوں کے تقرر کا ویسا ہی اختیار ہوگا۔ جیسا کہ کنفیڈرل اور دوسری نوآبادیوں کو حاصل ہے۔ یہ تقرر گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کی طرف سے ہوگا۔ اور وہی قواعد کے ذریعہ ان کی تنخواہ، اختیارات، فرائض، اور دیگر شرائط ملازمت طے کرے گا۔

مالی نگرانی

۲۷۔ (الف) ہندوستان کے صدر محاسب کا تقرر گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کرے گا۔ اور وہی قواعد کے ذریعہ اس کی تنخواہ، اختیارات، فرائض، اور دیگر شرائط ملازمت یا اس کی جگہ کے عارضی طور پر خالی ہونے یا کام سے غیر حاضری کی حالت میں اس کے فرائض کے سرانجام کے شرائط طے کرے گا۔

(ب) ان قواعد کے ماتحت رہ کر جو گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل بنائے سرکاری ملازمت میں نہ کسی عہدہ کا اضافہ ہوگا نہ تخفیف نہ کسی عہدہ کی تنخواہ میں اس وقت تک تبدیلی ہوگی جب تک کہ اس مالیاتی صاحب اختیار سے مشورہ نہ کر لیا جائے جس کی تصریح قواعد میں ہوگی اور اس لحاظ سے کہ معاملہ کسی مقامی حکومت کے زیر نگرانی ہے یا نہیں وہ صاحب اختیار صوبہ کا آدمی ہوگا۔ یا دولت مشترکہ کا۔

صوبوں کی مجلس قانون ساز

۲۸۔ صوبہ کے اختیارات قانون سازی کے حامل بادشاہ اور مقامی مجلس قانون ساز ہوں گے۔

۲۹۔ ہر صوبہ کا ایک گورنر ہوگا جبکہ تقرر ملک منظم کریں گے۔ اور ہر صوبہ میں ملک منظم کی نمائندگی

کرے گا۔

۳۰۔ صوبہ کی آمدنی میں سے گورنر کی خواہ کے لئے ملک معظم کو سالانہ ————— کی رقم ادا کی جائے گی۔ جو اس وقت تک نقشہ ————— کے مطابق ہوگی۔ جب تک دولت مشترکہ کی پانچ اسکے خلاف کچھ طے نہ کرے۔

۳۱۔ (الف) صوبہ کی آبادی کے ہر ایک لاکھ باشندوں پر صوبہ کی مجلس قانون ساز میں ایک رکن ہوگا۔ اس شرط کیساتھ کہ جن صوبوں کی آبادی ایک کروڑ سے کم ہے ان میں ۱۰ رکن ہونگے۔ (ب) ہر رکن کا انتخاب اس حلقہ سے ہوگا جو قانون مقرر کرے۔ دونوں صنفوں کا ہر شخص جس کی عمر ۲۵ سال کی ہو چکی ہے۔ اور جو قانوناً رائے دینے سے محروم نہیں کیا گیا ہے رائے دے سکے گا۔

۳۲۔ ہر صوبہ کی مجلس قانون ساز اپنے پہلے اجلاس سے ۵ سال تک قائم رہے گی۔ ان شرائط کے ساتھ کہ

(الف) گورنر اسے اس سے پہلے منسٹر کر سکتا ہے۔

(ب) اگر خاص حالات میں گورنر مناسب سمجھے تو وہ سال کی اس مدت میں قیام کر سکتا ہے۔

(ج) کونسل کے انتشار کے بعد گورنر اس کے دوسرے اجلاس کی تاریخ مقرر کرے گا۔ جو انتشار سے ۶ مہینے سے زیادہ بعد نہ ہوگی۔

(د) گورنر کونسل کے اجلاس کے لئے جو جگہ اور وقت مناسب سمجھے گا مقرر کرے گا اور وقتاً فوقتاً بلا تعین مدت کونسل کے اجلاس کو ملتوی بھی کر سکے گا۔

(ک) کونسل کے کسی جلسہ کو اسکا صدر ملتوی کر سکتا ہے۔

(و) کونسل میں تمام مسائل کا فیصلہ اراکین حاضر جلسہ کی کثرت رائے سے ہوگا ان میں صدر شامل نہ ہوگا۔ لیکن جب رائیں برابر ہوں تو اسے فیصلہ کن رائے کا حق ہوگا۔ اور یہ اسے

استعمال بھی کرے گا۔

(نم) باوجود کسی جگہ کے خالی ہونے کے کونسل اپنے اختیارات پر عمل پیرا ہو سکے گی۔
۳۳۔ ہر کونسل کا ایک صدر ہوگا جو اس کا رکن ہوگا اور جسے کونسل ہی منتخب کرے گی۔ ایک نائب صدر بھی ہوگا۔ یہ بھی کونسل کا رکن ہوگا۔ اور کونسل ہی اسے بھی منتخب کرے گی۔

۳۴۔ ہر صوبہ کی مقامی مجلس قانون ساز کو اس قانون کی دفعات کا پابند رہ کر یہ اختیار ہے کہ ان علاقوں میں جہیز صورت ملے ہوئے ہے۔ اس قائم رکھنے اور اچھی حکومت کے لئے قانون بنائیں صوبہ کی کونسل کا اختیار قانون سازی ان تمام معاملات پر عادی ہے جن کی تفصیل و تصریح نقشہ ملے منسلک ہذا میں درج ہے۔

۳۵۔ صوبہ کی مقامی کونسل اپنے صوبہ کے متعلق ہر اس قانون کو منسوخ یا اس میں ترمیم کر سکتی ہے جو کسی صوبہ اور معاملہ سے تعلق رکھتا ہو۔ خواہ برطانوی ہند کی کسی با اختیار جماعت نے اسے اس قانون دستور کے نافذ ہونے سے پہلے بنایا ہو یا بعد۔

۳۶۔ ہر وہ قانون جس سے صوبہ کی آمدنی سرکاری بر اثر چڑتا ہو یا اس آمدنی پر کوئی بار عاید ہوتا ہو۔ اسے صرف گورنر کی مجلس عاملہ ہی کا کوئی رکن پیش کر سکتا ہے۔

۳۷۔ جب کوئی مسودہ قانون مقامی مجلس قانون ساز میں منظور ہو جائے تو گورنر اپنی منظوری یا منظوری کا اعلان کر سکتا ہے۔

۳۸۔ اگر گورنر کسی مسودے کو منظور نہ کرے تو یہ قانون نہیں بن سکتا۔

۳۹۔ اگر گورنر مسودہ کو منظور کرے تو وہ اس کی ایک مصدقہ نقل گورنر جنرل کو بھیجے گا۔ اور یہ قانون اس وقت تک نافذ نہ ہوگا جب تک کہ گورنر جنرل اسے منظور نہ کرے اور اپنی منظوری کی اطلاع گورنر کو نہ دیدے اور گورنر اسے شائع نہ کر دے۔

۴۰۔ جب گورنر جنرل کسی ایسے قانون کی منظوری نہ دینا چاہے۔ تو وہ تحریر میں اس نام منظوری کے وجہ سے گورنر کو مطلع کرے گا۔

۳۱۔ گورنر جنرل اگر کسی قانون کو منظور کر چکا ہو تو بھی ملک منظم باجلاس کونسل کے لئے یہ قانوناً جائز ہو گا کہ وہ اس قانون کو نامنظور فرمادیں۔
 ۳۲۔ جب کسی قانون کو اس طرح نامنظور کیا جائے تو گورنر فوراً اس کی نامنظوری کا اعلان کر دے گا اور تاریخ اعلان سے یہ قانون کالعدم سمجھا جائے گا۔

صوبہ کی قوت عاملہ

۳۳۔ صوبہ کی قوت عاملہ کا حامل گورنر ہو گا۔ جو صوبہ کی مجلس عاملہ کے مشورہ سے کام کرے گا۔
 ۳۴۔ ہر صوبہ کے لئے ایک مجلس عاملہ ہوگی جس میں زیادہ سے زیادہ ۵۵ وزراء ہوں گے جن کا تقرر گورنر کرے گا۔
 ۳۵۔ مجلس عاملہ کے تقریریں گورنر وزیر خاص کا انتخاب کرے گا اور باقی وزراء کا تقرر اسی وزیر خاص کے مشورہ سے کرے گا۔

عدل

۳۶۔ ایک عدالت عالیہ (Supreme Court) جس کے اختیارات پارلیمنٹ طے کرے گی۔ یہ عدالت اعلیٰ ایک لارڈ پریسیڈنٹ اور اتنے اور ججوں پر مشتمل ہوگی جو پارلیمنٹ مقرر کرے
 ۳۷۔ دولت مشترکہ کا لارڈ پریسیڈنٹ اور دولت مشترکہ کی عدالت اعلیٰ کے تمام دوسرے جج جن کا تقرر تمام دولت مشترکہ کے ہند ہو گا۔ وہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کی طرف سے مقرر ہوں گے۔ انہیں وہ معاوضہ ملے گا۔ جو پارلیمنٹ مقرر کرے۔ ان کے دوران کارکردگی میں اس معاوضہ میں کمی نہ کی جائے گی۔

۳۸۔ دولت مشترکہ کا لارڈ پریسیڈنٹ اور دولت مشترکہ کی عدالت عالیہ کے دوسرے جج اپنی عہدہ سے سوائے اس صورت کے نہیں ہٹائے جاسکتے کہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل انھیں اس وقت

برخواست کر دے کہ ایک ہی اجلاس میں پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی طرف سے عرضداشت پیش ہو کہ بدچلنی یا نا لائیتی کی بنیاد پر ان میں سے کسی کو ہٹا دیا جائے
۴۹۔ عدالت عالیہ کو ان تمام معاملات میں ابتدائی اختیار ہوگا۔

(الف) جنہیں گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل دفعہ ۵۰ کے ماتحت عدالت عالیہ میں بھیجے۔
(ب) جنہیں دولت مشترکہ فریق ہویا سٹینٹ یا مٹنٹا علیہ دولت مشترکہ کی طرف سے فریق ہو۔

(ج) جنہیں فیصلوں اور دیگر محاکمہ کے دوسرے نمائندوں سے واسطہ ہو۔
(د) جو صوبوں کے مابین ہوں

(۴) جو دستور اساسی سے پیدا ہوں یا جنہیں دستور کی تاویل و توضیح درکار ہو۔
۵۰۔ عدالت عالیہ کو ان مستثنیات کے ساتھ اور یہ ضوابط کے ماتحت جو پارلیمنٹ مقرر کرے ان تمام فیصلوں، ڈگریوں، احکام اور سزاؤں کے خلاف مراجعہ سے اور فیصلہ کرنے کا اختیار ہوگا۔
(الف) جو کسی جج یا ججوں نے عدالت عالیہ کے ابتدائی اختیارات کے سلسلہ میں صادر کی ہوں
(ب) جو صوبہ کے کسی ہائی کورٹ نے یا کسی صوبہ کی کسی ایسی دوسری عدالت نے صادر کی ہوں جو حکام مراجعہ دولت مشترکہ کے قیام سے پہلے ملک منظم بہ اجلاس کونسل کے سامنے پیش ہونا چاہئے تھا۔

(۵۱۔ ان تمام معاملات میں عدالت عالیہ کا فیصلہ قطعی اور لازمی ہوگا اور اس پر کسی دوسری عدالت، ٹریبونل، یا صاحب اختیار کی طرف سے نظر ثانی نہ ہوگی نہ ہوسکیگی

ملک منظم بہ اجلاس کونسل کی خدمتیں مراجعہ

۵۲۔ (الف) دولت مشترکہ اور کسی صوبہ یا صوبوں کے مابین دستوری اختیارات کی حدود کے متعلق یا کسی دو یا دو سے زائد صوبوں کے مابین دستوری اختیارات کے متعلق جو سوالات کسی طرح

بھی پیدا ہوں ان کا جو فیصلہ عدالت عالیہ کرے گی اس کا مراجعہ ملک منظم بہ اجلاس کونسل کے سامنے پیش نہیں ہو سکتا۔ سوائے اس صورت کے کہ عدالت عالیہ خود اس مسئلہ کے متعلق یہ تصدیق کر دے کہ اس کا فیصلہ ملک منظم بہ اجلاس کونسل ہی کو کرنا چاہئے۔

(ب) اگر کسی خاص وجہ سے عدالت عالیہ مطمئن ہو کہ ایسا صداقت نامہ دیدن چاہئے تو وہ ایسا کر سکتی ہے۔ اور اس کے بعد بلا مزید اجازت کے اس مسئلہ پر مراجعہ ملک منظم بہ اجلاس کونسل کی خدمت میں پیش ہو سکتا ہے۔

(ج) پارلیمنٹ ایسے قوانین بنا سکتی ہے جن سے ان معاملات کو محدود کر دیا جائے جن میں اس قسم کی اجازت طلب کی جا سکتی ہے بشرطیکہ ان قوانین سے کسی ایسے حق میں نقصان نہ پیدا ہوتا ہو جو ملک منظم از روئے شاہی اس لئے استعمال فرماتے ہوں کہ عدالت عالیہ سے ملک منظم باجلاس کونسل کے سامنے مراجعہ پیش کرنے کی خاص اجازت مرحمت فرمائیں۔

ہائی کورٹ :- سپریم کورٹ

۵۲۔ اس قانون میں جن ہائی کورٹوں کا ذکر ہے ان سے مراد ہائی کورٹ عدالت ہیں۔ جو فی الوقت برطانوی ہند میں قائم ہوں۔

۵۳۔ ہر ہائی کورٹ میں ایک چیف جسٹس ہوگا اور اتنے اور جج جتنے گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل مناسب سمجھ کر مقرر کر دے ان شرائط کے ساتھ کہ

(الف) گورنر جنرل باجلاس کونسل کسی شخص کو مطلوبہ مدت کے لئے کسی ہائی کورٹ کا ایڈیشنل (اضافی) جج مقرر کر سکتا ہے، لیکن یہ مدت ۲ سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اور جن ججوں کا تقرر اس طریق پر ہوگا۔ انہیں اپنے دوران ججی میں وہ تمام اختیارات ہوں گے جو گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے مقرر کردہ ہائی کورٹ کے ججوں کو ہوتے ہیں۔

(ب) کسی ہائی کورٹ کے ججوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد چیف جسٹس کو ملا کر ۲ ہوگی۔

۵۵۔ ہائی کورٹ کے جج کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ کم سے کم دس سال تک کسی ہائی کورٹ میں وکالت کر چکا ہو۔ لیکن لازم ہوگا کہ اس دفعہ سے ان ججوں کے برسر کار رہنے پر کوئی اثر نہ پڑے گا جو اس قانون کے وقت ان عہدوں پر مامور ہیں۔

۵۶۔ (الف) ہائی کورٹ کا ہر جج اس وقت تک اپنے عہدہ پر مامور ہوگا جب تک وہ نیک چلن رہے (ب) ہر ایسا جج اپنے عہدہ سے صوبہ کی حکومت کو استعفاء دے سکتا ہے۔

۵۷۔ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور دوسرے ججوں کو ان کے عہدہ سے صرف گورنر جنرل یا اجلاس کونسل صوبہ کی مجلس قانون ساز کی عرضداشت پر ہٹا سکتا ہے۔

۵۸۔ (الف) گورنر جنرل یا اجلاس کونسل مشاہدوں، بہتوں، انصافوں، ہیشنوں کا تعین کر سکتا اور ان میں تغیر کر سکتا ہے لیکن اس قسم کے کسی تغیر سے کسی ایسے جج کے مشاہرہ پر اثر نہیں پڑ سکتا جس کا تقرر تغیر کی تاریخ سے پہلے ہو چکا ہو۔

(ب) اس دفعہ کے ماتحت کسی جج کا جو معاوضہ مقرر ہوگا وہ اس وقت شروع ہوگا۔ جب وہ اپنے ذمہ اپنے عہدہ کے فرائض کی انجام دہی سے ملے۔

۵۹۔ (الف) اگر کسی ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کی جگہ خالی ہو جائے یا چیف جسٹس غیر حاضر ہو تو صوبہ کی حکومت اس ہائی کورٹ کے کسی جج کو اس عدالت میں چیف جسٹس کے فرائض کی انجام دہی کے لئے اس وقت تک کے لئے مقرر کر دیگی جب تک گورنر جنرل چیف جسٹس کے عہدہ پر کسی شخص کا تقرر نہ کر دے۔ اور وہ اپنے عہدہ کے فرائض کو انجام نہ دینے لگے۔ یا چیف جسٹس غیر حاضری سے واپس نہ آجائے۔

(ب) اگر ہائی کورٹ کے کسی اور جج کی جگہ خالی ہو جائے یا ایسا کوئی جج غیر حاضر ہو۔ یا کسی جج کو چیف جسٹس کا کام کرنے کے لئے مقرر کر دیا گیا ہو۔ تو صوبہ کی حکومت کسی ایسے شخص کو مقرر کر سکتی ہے جس میں وہ صفات موجود ہوں جو ہائی کورٹ میں تقرر کے لئے ضروری ہیں۔ ایسا شخص ہائی کورٹ میں اس وقت تک بیٹھیک اور جج کے فرائض انجام دے گا جب تک کہ گورنر جنرل یا اجلاس

کو نسل عہدہ چچی پر کسی شخص کا تقرر نہ کر دے۔ اور وہ اپنے عہدہ کے فرائض کو انجام نہ دینے لگے۔ یا غیر حاضر رہ جائے۔ یا عہدہ کی حکومت کو اس کی کوئی وجہ نہ ہو کہ وہ قائم مقام جج کے تقرر کو منحرف کر دے۔

اختیار سماعت

۶۰۔ مختلف ہائی کورٹ رکارڈ کی عدالتیں ہوں گی اور انہیں ایسے ابتدائی اور فوری کا اختیار سماعت ہوگا۔ نیز ان جرائم کے متعلق جبکہ ارتکاب سمندر پر عمل میں آئے۔ انہیں امارت بحری کے اختیارات ہوں گے۔ اور با نظام و انصرام عدل کے سلسلہ میں ان کو تمام وہ اقتدار اور اختیار ہوگا جو انہیں فرمان شاہی (Letters Patent) کے ذریعہ دیا جائے جس میں عدالت کے محرروں اور دوسرے انتظامی عہدہ داروں کے تقرر کا اختیار بھی شامل ہوگا۔ اور اس لٹرس پیٹنٹ کے شرائط کے ماتحت انہیں وہ تمام اختیارات بھی حاصل ہوں گے جو ان عدالتوں کو اس قانون کے نفاذ کے وقت حاصل تھے

(ب) جس فرمان شاہی سے کوئی ہائی کورٹ قائم ہو۔ یا اس کی دست اختیار سماعت کا تعین کیا جائے یا اسے اختیار و اقتدار دیا جائے۔ اس میں وقتاً فوقتاً دوسرے فرمان شاہی سے ترمیم ہو سکتی ہے۔

۶۱۔ ہر ہائی کورٹ ان تمام عدالتوں پر نگرانی کرے گا جو فی الوقت اس کے اختیار سماعت مرافعہ کے حلقہ میں واقع ہوں۔ اور مندرجہ ذیل باتوں میں سے کوئی کر سکتا ہے۔ یعنی۔

(۱) کیفیت طلب کر سکتا ہے۔

(۲) کسی مقدمہ یا مرافعہ کو کسی ایسی عدالت سے اتنے ہی یا اس سے برتر اختیارات والی عدالت میں منتقل کر نیا حکم دے سکتا ہے۔

(۳) ان عدالتوں کی کارروائی کو منضبط کرنے کے لئے عام قواعد اور فارم معین کر کے جاری

کر سکتا ہے۔

(۴) وہ فارم مقرر سکتا ہے جن میں ان عدالتوں کے عہدہ دار اپنی کتابیں، اندراجات اور حسابات رکھیں۔

(۵) ان فیسوں کا نقشہ طے کر سکتا ہے جو شریف، ٹارنی، اور عدالت کے تمام محروں اور عہدہ داروں کو دی جائیں۔

بشرطیکہ یہ قواعد فارم، اور نقشے کسی قانون رائج الوقت کے دفعات کے متافی نہ ہوں۔ اور صوبہ کی حکومت سے پہلے ان کی منظوری لے لی جائے۔

۶۲ (الف) ہر ہائی کورٹ خود اپنے قواعد کے ذریعہ جرح وہ مناسب خیال کرے اپنے مفروضہ اختیارات ابتدائی اور اختیارات مراقصہ کو اپنے کسی ایک یا چند ججوں کے سپرد کر سکتا ہے۔

(ب) ہر ہائی کورٹ کا چیف جسٹس یہ بات طے کرے گا کہ کون سا جج تنہا مقدمہ کی عشا کرے گا۔ اور کن کن ججوں سے بشمول یا بلاشمول چیف جسٹس مختلف ڈویژن کورٹ مرتب ہونگے۔ ۶۳۔ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل مجاز ہوگا کہ اپنے حکم کے ذریعہ کسی مقام یا حلقہ کو ایک ہائی کورٹ کے حلقہ اختیار سے کسی دوسرے ہائی کورٹ کے حلقہ اختیار میں منتقل کر دے۔ اور وہ کسی ہائیکورٹ کو مجاز کر سکتا ہے کہ وہ اپنی تمام یا بعض اختیارات کو برطانوی ہند کے کسی ایسے حصہ میں بھی استعمال کرے جو اس علاقہ میں شامل نہیں جبکہ لئے یہ ہائی کورٹ قائم کیا گیا تھا۔ اور اپنے اختیارات کو برطانوی رعایا کے کسی ایسے شخص کے متعلق بھی استعمال کرے جو ہندوستان کے کسی ایسے حصہ میں ہو جو حدود دولت مشترکہ سے باہر ہے۔

۶۴۔ (الف) گورنر جنرل، ہر گورنر، اور دولت مشترکہ یا صوبوں کی مجلس عاملہ کا ہر رکن کسی مشورہ حکم یا عمل کیوجہ سے جو انہوں نے اپنی پبلک حیثیت میں دیا یا کیا ہو کسی ہائیکورٹ کے ابتدائی مراقصہ یا نظر ثانی کے اختیارات کے تحت میں نہ ہوگا۔

(ب) یہ استثنائیں مختلف ہائی کورٹوں کے چیف جسٹس اور دوسرے ججوں کو بھی حاصل ہوگا۔

۶۵۔ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل مجاز ہوگا کہ اگر وہ مناسب سمجھے تو سرمان کے ذریعہ دولت مشترکہ کے کسی علاقہ میں ایک ہائی کورٹ قائم کر دے چاہے یہ علاقہ کسی دوسرے ہائی کورٹ کے حلقہ اختیار میں شامل ہو یا نہ ہو اور وہ مجاز ہوگا کہ کسی ایسے قائم شدہ ہائی کورٹ کو تمام وہ اقتدار و اختیار تفویض کر دے جو اس قانون کے نفاذ کے وقت کسی ہائی کورٹ کو حاصل تھے یا عطا کئے گئے تھے۔ اور جب کوئی ایسا ہائی کورٹ کسی ایسے علاقہ میں قائم ہو جو پہلے کسی دوسرے ہائی کورٹ کے حلقہ اختیار میں شامل تھا تو گورنر جنرل سرمان کے ذریعہ ان حدود کو تبدیل کر سکتا ہے۔ اور اس تبدیلی کی وجہ سے جو ضمنی، ذیلی، اور اضافی شرائط ضروری معلوم ہوں وہ بنا سکتا ہے۔

ایڈووکیٹ جنرل

۶۶۔ صوبہ کی حکومت ہر صوبہ کے لئے ایک ایڈووکیٹ جنرل مقرر کر سکتی ہے۔ اور جب ایڈووکیٹ جنرل کا عہدہ خالی ہو، یہ ایڈووکیٹ جنرل غیر حاضر ہو۔ یا کبھی سرکاری کام پر کہیں بھیجا گیا ہو۔ تو یہ کسی دوسرے شخص کو اس کی قائم مقامی کے لئے مقرر کر سکتی ہے۔ جو شخص اس طرح مقرر کیا جائے وہ اس وقت تک ایڈووکیٹ جنرل کے اختیارات رکھے گا جب تک کہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کسی دوسرے شخص کو اس عہدہ پر مقرر نہ کر دے اور وہ اپنے فرائض کی انجام دہی شروع نہ کر دے۔ یا جب تک ایڈووکیٹ جنرل غیر حاضری یا کام سے واپس نہ آجائے (ان میں سے جو صورت بھی ہو) یا جب تک کہ صوبہ کی حکومت مقامی مقرر کو منسوخ نہ کر دے۔

ملکیت، آمدنی اور مالیات

۶۷۔ تمام حقوق ملکیت جو ملک منظم، یا وزیر ہند بہ اجلاس کونسل کو قانون حکومت ہند ۱۹۴۷ء

۱۹۱۹ء اور ۱۹۱۹ء کی رو سے حاصل ہیں، یا جو اس املاک یا حقوق سے پیدا ہوتے ہیں جو ان کو حاصل ہیں۔ وہ سب گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کو حاصل ہوں گے۔

۶۸۔ ہندوستان کی تمام آمدنی گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے سپرد ہوگی۔ اور وہ اسے اس قانون کی شرائط کے ماتحت صرف دولت مشترکہ کے اخراجات کے لئے استعمال کرے گا۔

۶۹۔ اس قانون کے اندر اصطلاح ”ہندوستانی آمدنی“ میں برطانوی ہند کی تمام ملکی آمدنی اور دوسری آمدنی شامل ہے اور وہ آمدنی جو برطانوی ہند میں ہوتی ہے اور خصوصاً۔

دالہ کسی علاقہ کے متعلق تمام خراج اور دوسری ٹیکس جو ایسٹ انڈیا کمپنی کو یا اسکے نمائندوں کو اس صورت میں ملتیں کہ قانون حکومت ہند مستعمل نافذ نہ ہوا ہوتا۔

(ب) تمام جرمانے اور تادان جو برطانوی ہند کی کسی عدالت کے فیصلہ یا حکم کی بنا پر وصول ہوں۔ اور منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کی ضبطیاں جو برطانوی ہند میں کسی جرم کی بنا پر عمل میں آئیں۔

(ج) برطانوی ہند میں تمام منقولہ وغیر منقولہ جائداد جو وارث یا جائین نہ ہونے کی وجہ سے اور تمام جائداد جو کسی حقدار کے نہ ہونے کی وجہ سے بحق سرکار ضبط کر لی جائے۔

۷۰۔ پارلیمنٹ ریلوے اور بندرگاہ فنڈ قائم کرے گی جس میں وہ تمام آمدنی داخل ہوگی جو گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کو ریلوے، ڈاک اور بندرگاہوں کے محکموں سے ہو۔ اور اس فنڈ کو پارلیمنٹ ریلوے، ڈاک، اور بندرگاہوں کے کاموں کے لئے ان شرائط کے ساتھ اور اس طریقے سے تصرف میں لائے گی جسے وہ خود متین کرے۔ ایک مجموعی آمدنی کا فنڈ بھی ہوگا جس میں باقی تمام آمدنی داخل ہوگی جو گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کو وصول ہو اور اس فنڈ کو پارلیمنٹ دولت مشترکہ کے کاموں کے لئے اس طریقے سے تصرف میں لائیگی جو اس قانون میں متین کیا گیا ہے یا ان قواعد کی رو سے جو اس غرض کے لئے بنائے جائیں۔ اور اس بار کے ماتحت جو ان قواعد سے عائد ہو۔

۱۱۔ صرف ہندوستان کی آمدگی پر مندرجہ ذیل بار ہوں گے۔

(الف) ایسٹ انڈیا کمپنی کے تمام قرضے

(ب) تمام زمین، خرچے، مطالبات، اخراجات جو ان صلیخوں، معاہدوں، اقرا ناموں، معاہدوں، یا مالی ذمہ داریوں کی بابت جو اس قانون کے خفاذ کے وقت قائم تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان کی آمدگی سے دینے ہوتے۔ اگر قانون حکومت ہند ۱۹۱۵ء، قانون حکومت ہند ۱۹۱۹ء نافذ نہ ہوتے۔

(ج) تمام اخراجات قرضے اور مالی ذمہ داریاں جو حکومت ہند نے قانون اپنے ذمہ لی

ہیں۔

(د) اس قانون کے ماتحت تمام اور مطالبات اور ادائیگیاں (سوائے ان کے جن کے لئے اس قانون میں کوئی دوسرا طریقہ بتلایا گیا ہے)

۱۲۔ (الف) دولت مشترکہ کے قیام کے بعد جلد بعد ممکن ہو گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل ایک کمیشن مقرر کرے گا جو ہر صوبہ کے ایک ایک نمائندہ اور دولت مشترکہ کے نمائندوں پر مشتمل ہوگا۔ اور جس کی صدارت دولت مشترکہ کا ایک عہدہ دار کرے گا۔ کمیشن مندرجہ ذیل امور کی تحقیقات کرے گا:-

(۱) آمدنی کے کون کون سے ذرائع دولت مشترکہ کو، اور کون سے ذرائع صوبوں کی حکومت کو ان خدمات اور امور کے حسن انتظام اور ترقی کا لحاظ رکھتے ہوئے جو ان کے تحت میں ہیں تفویض کئے جائیں۔

(۲) دولت مشترکہ اور صوبوں کی حکومت میں کیا مالی تعلقات ہوں۔

(۳) اور ان تعلقات کو قائم کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کئے جائیں۔

(ب) مذکورہ کمیشن ایک کمیٹی مقرر کرے گا، جو دولت مشترکہ کی بری، بحری اور ہوائی افواج کے لئے عہدہ داروں کی تعلیم اور توجہ تعلیم کے لئے مدرسوں اور کالجوں کی ضروری تعداد

کے قیام کے متعلق تمام مسئلہ کی تحقیقات کرے گا۔

(ج) ایکشن کمیٹی کو رپورٹ دیگا کہ ایسے مدرسوں اور کالجوں کی کتنی تعداد درکار ہے، ان کے لئے کیا اسٹانڈ چاہئے ہوگا، وہ کہاں قائم کئے جائیں، اور ان میں سے ہر ایک میں جو تعلیم دی جائے اس کا میاں کیا ہو، اور ان مدرسوں اور کالجوں کے قیام کے ابتدائی مصارف اور ان کو قائم رکھنے کے خرچ کا تخمینہ کیا ہوگا۔

(د) مذکورہ کمیشن ایک کمیٹی اس غرض سے بھی مقرر کرے گا کہ وہ تحقیقات کر کے رپورٹ دے کہ دولت مشترکہ میں عام ابتدائی تعلیم رائج کرنے کے لئے ادیس ماندہ گروہوں کو خاص تعلیمی سہولتیں دینا کرنے کے لئے کیا کیا کارروائی کرنی چاہئے۔

(۴) اس کمیشن کو اختیار ہوگا کہ اپنی تحقیقات کے لئے جن اور کمیٹیوں کی ضرورت سمجھے۔ انہیں مقرر کرے۔

(و) مذکورہ کمیشن گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کو معاملات مندرجہ ذیل رالف پورٹ دے گا۔ اور اس امر کے بابتہ کہ معاملات مندرجہ ذیل (ب) اور (ج) (د) کے متعلق دولت مشترکہ اور صوبوں کی آمدنی پر کم سے کم کیا بار پڑنا چاہئے، خاص سفارشات کرے گا۔

۳۔ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کمیشن کی کل رپورٹ کو مع اس کی سفارشات کے پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرے گا تاکہ اس کی بابتہ مناسب قانون بنادیا جائے یا جو کارروائی وہ مناسب سمجھے کرے۔

۴۔ اس تحقیقات کی تکمیل تک اور جب تک کہ پارلیمنٹ دفعہ ۸ کے ماتحت کوئی کارروائی نہ کرے موجودہ ذریعہ آمدنی اور موجودہ تعلقات، مالی قائم و برقرار رہیں گے۔

تحفظ ملکی

۵۔ رالف گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل تحفظ ملکی کی ایک کمیٹی مقرر کرے گا جو مندرجہ ذیل

اشخاص پر مشتمل ہوگی۔

(۱) وزیر اعظم (۲) وزیر تحفظ ملکی (۳) وزیر امور خارجہ (۴) سپہ سالار اعلیٰ کمانڈران ہما
(۵) سپہ سالار افواج ہوائی (۶) امیر افواج بحری (۷) جنرل اسٹاف کا سردار اعلیٰ اور دو اور
ماہرین فن حرب۔

(ب) وزیر اعظم اس کمیٹی کا صدر ہوگا اور اس کمیٹی کے ساتھ ایک مستقل عملہ ہوگا جس میں ایک
مستند دستکڑی بھی شامل ہوگا۔

(ج) اس کمیٹی کا کام یہ ہوگا کہ حکومت اور مختلف محکموں کو تحفظ ملکی کے مسائل کے متعلق
اور عام مسائل حکمت عملی کے متعلق مشورہ دے۔

(د) اس کمیٹی کے قیام کے فوراً ہی بعد گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل اس سے مشورہ لیگا
کہ آیا تحفظ ہند پر اثر ڈالے بغیر تحفظ ملکی کے مصارف میں تخفیف ممکن ہے۔ اور اس کے کیا وسائل
و ذرائع ہیں۔ تحفے اس کمیٹی کی سفارشات کے بموجب تیار کئے جائیں گے۔

۷۔ ”تحفظ ملکی“ کے تحت میں آمدنی اور رقموں کے تصرف کی باتہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل
کی تجاویز کو دارالسنو میں کی رائے کے لئے پیش کیا جائے گا۔

۸۔ بلا لحاظ اس کے کہ گذشتہ بالا دفعات میں کوئی چیز اس کے خلاف ہے ہندوستان
پر باہر سے کسی بری، بحری، یا ہوائی حملہ کی صورت میں یا اگر وہ مظن ہو جائے کہ اس قسم کے حملہ کا بخول
اندیشہ ہے۔ تو گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل ایسے اخراجات کی اجازت دے سکتا ہے جو برطانوی ہند یا
اس کے کسی حصہ کے تحفظ کے لئے ضروری ہوں گورنر جنرل جب ایسی کوئی کارروائی کرے تو اس کی
اطلاع فوراً مجلس قانون ساز کو دی جائے گی اگر اس کا اجلاس ہو رہا ہو۔ ورنہ اگر اجلاس نہ ہو تا ہو تو اس کی
اطلاع ایک خاص اجلاس کو دے گا جو جس قدر جلد ممکن ہو بلایا جائے گا۔

۹۔ کوئی تجویز جس سے بری، بحری، یا ہوائی افواج کے نظم یا قیام پر اثر پڑتا ہو۔ اس وقت
تک پارلیمنٹ میں پیش نہیں کی جا سکتی جب تک تحفظ ملکی کی وہ کمیٹی اس کی سفارش نہ کرے جو اس

دستور کے ماتحت مقرر کی گئی ہو۔

سول ملازمتیں

۷۹۔ اگلی دفعہ کی شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے خدمات عامہ پر مامور تمام عہدہ دار، دولت مشترکہ کے قیام کے ساتھ دولت مشترکہ کے عہدہ دار بن جائیں گے۔

۸۰۔ دولت مشترکہ کے قیام کے بعد رجسٹرڈ جلد بعد ہوئے گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل ایک پبلک سروس کمیشن مقرر کرے گا۔ تاکہ وہ خدمات عامہ کے مختلف محکموں کی ضروری از سر نو ترتیب و تنظیم کے لئے سفارشات پیش کرے۔

۸۱۔ پارلیمنٹ ہندوستان میں سول ملازمتوں کی تقسیم ان میں بھرتی کے طریقوں اور ذرائع، ان میں خدمت، تنخواہ، اور بھرتوں کے شرائط، اور اسپین اور چال چلن کے متعلق قانون بنائیں جن معاملات میں او جس حد تک پارلیمنٹ مناسب سمجھے، وہ ان قوانین کے ماتحت قواعد بنانے کے حق کو گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل یا صوبہ کی حکومتوں کو منتقل کر سکتی ہے۔

۸۲۔ (الف) دولت مشترکہ کے قیام کے بعد گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل ایک مستقل پبلک سروس کمیشن قائم کرے گا اور اسے سرکاری عہدہ داروں کی بھرتی، تقرر، ڈسپین، علیحدگی اور پنشن دینے کے متعلق وہ اختیارات اور فرائض تفویض کئے جائیں گے، جو پارلیمنٹ متعین کرے۔

(ب) مستقل پبلک سروس کمیشن کے اراکین تاسیخ تقرر سے پانچ سال تک اپنے عہدہ پر رہیں گے۔

۸۳۔ سرکاری ملازمتوں میں اگر کوئی عہدہ دار دولت مشترکہ کے قیام کے تین سال کے اندر اپنی ملازمت سے علیحدہ ہونا چاہے۔ یا دولت مشترکہ اسے اپنی ملازمت میں نہ رکھے۔ تو اسے پنشن، بخشش و انعام یا دیگر معاوضوں کا دیسا ہی حق ہوگا۔ جیسے کہ اس قسم کے حالات میں انصاف

ہوتا کہ دولت مشترکہ قائم نہ ہوئی ہوتی۔

فوجی ملازمتیں

۸۴۔ تمام عہدہ دار، برطانوی ہوں، یا ہندوستانی، جو ہندوستانی فوج، بیڑہ شاہی انڈین مرین، یا ہوائی افواج میں ملازم ہوں اور اس نئے دستور کے نفاذ کے وقت ہندوستان میں خدمت کر رہے ہوں، ان کے جملہ موجودہ حقوق باقیہ نخواہ، بھتہ پنشن برقرار رہیں گے۔ یا اگر ان میں سے کسی میں نقصان ہوگا تو انہیں اس کی تلافی میں معاوضہ دیا جائیگا۔ جو گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل قرین عدل و انصاف متصور کرے یا جو انہیں ایسے ہی حالات میں اس وقت ملتا کہ یہ دولت مشترکہ قائم نہ ہوتی۔

علاوہ بریں، تمام ان عہدہ داروں کو، برطانوی ہوں، یا ہندوستانی جنہیں اس نئے دستور کے نفاذ کے وقت پنشن مل رہی تھی۔ وہی پنشن مالگذاوری ہند سے ملتی رہے گی۔

ہندوستانی ریاستیں

۸۵۔ ہندوستانی ریاستوں کے معاملہ میں دولت مشترکہ کو تمام وہ حقوق حاصل ہوں گے اور دولت مشترکہ تمام وہ ذمہ داریاں پوری کرے گی۔ جو عہد ناموں، اور کسی طریقہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ اور جو اب تک حکومت ہند کو حاصل تھے اور جو حکومت ہند پوری کرتی تھی۔

دولت مشترکہ اور کسی ہندوستانی ریاست میں اگر کسی ایسے معاملہ کے متعلق اختلاف ہو۔ جو صلح ناموں، عہد ناموں، سندوں، یا اسی قسم کے دشاویزات سے پیدا ہوا ہو تو گورنر جنرل اجلاس کونسل متعلقہ ریاست کی رضامندی سے اس معاملہ کو فیصلہ کے لئے عدالت عالیہ کے سامنے بھیج دے گا۔

نئے صوبے

۸۶۔ صوبوں کی از سر نو تقسیم زبان کی بنیاد پر ہوگی جب علاقہ کی آبادی کی اکثریت اسکا مطالبہ کرے۔ بشرطیکہ انتظامی اور مالی مصالح اجازت دیں۔

ترمیم دستور

۸۷۔ پارلیمنٹ قانون کے ذریعہ اس دستور کی کسی دفعہ کو منسوخ یا تبدیل کر سکتی ہے بشرطیکہ جو مسودہ قانون اس پیش یا ترمیم کے لئے پیش کیا جائے وہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں منظور ہو۔ اور جب تیسری مرتبہ اسے پیش کیا جائے تو دونوں ایوانوں کے کل اراکین کی کم سے کم پانچ تعداد اس کے موافق ہو۔ جو مسودہ قانون ایسے مشترکہ اجلاس میں منظور ہوگا اس کے متعلق سمجھائے گا کہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے اسے منظور کیا ہے۔**

فرقہ دارانہ اور دیگر متنازعہ فیہ امور کے متعلق ہماری سفارشاتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

فرقہ دارانہ نبابت**

۱۔ دارالمنذوبین اور صوبوں کی مجالس قانون ساز کے لئے مشترک مخلوط حلقہ ہائے انتخاب ہوں گے۔

۲۔ دارالمنذوبین میں نشستوں کا کوئی تحفظ نہ ہوگا۔ سوائے مسلمانوں کے لئے اُن صوبوں میں جہاں وہ اقلیت میں ہیں۔ اور صوبہ سرحدی میں غیر مسلموں کے لئے۔ نشستوں کا

*** اکی پارٹیز کا نفرنس اس دفعہ کو کالعدمی طور پر لیتی ہے پاس برعین ترمیم موجود ہے۔ ملاحظہ ہو قرارداد نمبر ۷

*** ان سفارشات میں سے بعض کو کالعدمی نے بدل دیا ہے۔ ملاحظہ ہو قرارداد نمبر ۷

تحفظ ان صوبوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں ٹھیک مسلمانوں کی آبادی کے تناسب سے اور ہر صوبہ سرحدی میں غیر مسلم آبادی کے تناسب سے ہوگا۔ جہاں نشستیں محفوظ کی جائیں وہاں مسلمانوں اور غیر مسلموں کو اور مزید نشستوں کے لئے مقابلہ کرنے کا حق ہوگا۔

۱۔ صوبوں میں راجستھان اور بنگال میں کسی قوم کے لئے نشستوں کا تحفظ نہ ہوگا۔
 ۲۔ راجستھان اور بنگال کے علاوہ دوسرے صوبوں میں مسلمان اقلیتوں کے لئے ان کی آبادی کے تناسب سے نشستیں محفوظ ہوں گی اور انہیں مزید نشستوں کے لئے مقابلہ کا حق ہوگا۔
 ۳۔ صوبہ سرحدی میں غیر مسلموں کی نشستیں اسی طرح محفوظ ہوں گی۔ اور انہیں بھی مزید نشستوں کے لئے مقابلہ کا حق ہوگا۔

۴۔ جہاں کہیں نشستوں کے تحفظ کی اجازت ہوگی وہ دس سال کی مقررہ مدت کیلئے ہوگی۔

•••••

صوبوں کی نئی تقسیم اور ان کا دور چھ

۵۔ سندھ کو کپڑی سے علیحدہ کر دیا جائے۔ اور مالی کیفیت کے متعلق ضروری تحقیقات کے بعد اسے علیحدہ صوبہ بنا دیا جائے

۶۔ علاقہ وہان چھوٹے ٹہنڈوں کے جو میوڑ کے علاقہ کے دوسری طرف ہیں۔ کرناٹک کے حصے بھی اسی طرح ان صوبوں سے علیحدہ کر لئے جائیں جن میں وہ اس وقت شامل ہیں۔ اور انکو بھی ایک علیحدہ صوبہ بنا دیا جائے۔

۷۔ صوبہ سرحدی میں اور تمام ان نئے صوبوں میں جو دوسرے صوبوں سے علیحدہ

*** کانفرنس نے صوبوں کی نئی تقسیم کے متعلق ایک مفصل تجویز منظور کی جو سندھ کی علیحدگی کی بات نہ تھا۔ اس بات پر ذکر ہے

اور دفعہ ۷ میں صوبہ سرحدی کے بعد بلوچستان کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہوں قرارداد نمبر ۱۰ و ۱۱۔

ہو کر بنائے جائیں گے حکومت کی شکل وہی ہوگی۔ جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں ہو۔

موتی لال نہرو
 علی امام
 بیچ بہادر پیر و
 ام۔ اس۔ آنے
 منگل سنگھ
 شیب قمری
 سوہاس چندر بوس
 جی آپر دھان

بہار۔ بدقسمتی سے مسٹر شیب قمری کی کئی کے آخری جلسہ میں شریک نہ ہو سکے۔ جس میں رپورٹ کے مسودہ پر غور کیا گیا تھا لیکن مسودہ ان کی خدمت میں پہنچا دیا گیا تھا اور انہوں نے ہمیں مطلع کیا کہ ان کے بانی کی سفارشات کے متعلق اگلی سال جو کہ مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کے لئے ایک تہائی نشستیں محفوظ ہونی چاہئیں اس کے علاوہ وہ کہتے ہیں کہ ”جو لائی کے نجی مشورہ میں جو قرار منظور ہوئی تھی اس میں اتفاق کرتا ہوں لیکن اس کی موافقت میں جو اعداد اور دلائل پیش کیے گئے ہیں ان سب کو تسلیم نہیں کرتا۔“

سر علی امام، مسٹر سوہاس چندر بوس، اور شری۔ آپر دھان نے اپنی کھٹی کے آخری جلسہ میں شرکت نہ کر سکے لیکن مسودہ کو پڑھنے کے بعد انہوں نے رپورٹ میں اتفاق کی اطلاع دی

نجی کانفرنس اور اس کے بعد کے حالات پر ایک نوٹ

نجی کانفرنس کی قرارداد جس کا ذکر رپورٹ کے پہلے پر کیا گیا ہے، رچولائی مشاعرہ کو منظور ہوئی تھی۔ اس پر ڈاکٹر محمد تارا احمد انصاری، پنڈت موتی لال نہرو۔ پنڈت مدن موہن مالویہ، سر علی امام۔ سر بیج بہادر سپرو اور ابوالکلام آزاد اسٹیجیانت رنہا۔ سی۔ دانی۔ چٹا منی۔ تصدق احمد خان شرفی شگل سنگھ۔ محمد شفیع داؤدی۔ ایم۔ ایس۔ آرنے۔ سیف الدین کچلو۔ سوبھاس چندر بوس۔ شعیب قریشی۔ خلیق الزماں۔ ڈی۔ آر۔ رنجیت سنگھ۔ سید محمود۔ عبدالمجید خواجہ اور جواہر لال نہرو صاحبان کے دستخط ثبت تھے۔ بعض اور صاحبان نے بھی جو موجود تھے اس قرارداد سے اتفاق کیا۔ لیکن جب دستخط لئے گئے ہیں اس وقت وہ تشریف لیجا چکے تھے

اس قرارداد پر بعد ازاں آل پارٹیز کمیٹی نے چند دیگر غیر ممبر اصحاب کے ساتھ جو مدعو کیے گئے تھے غور کیا۔ کمیٹی کی رومہاد میں سے بعض اقتباسات درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

رچولائی کی کمیٹی کی رومہاد سے اقتباسات

صبح کا جلسہ

حاضرین۔

پنڈت موتی لال نہرو۔

مسٹر ایس۔ ایم۔ آرنے

مسٹر شعیب قریشی۔

سر دار شگل سنگھ

مسٹر سوبھاس چندر بوس

مندرجہ ذیل غیر اراکین بھی دعوت پر شریک جلسہ تھے۔

ڈاکٹر فقیر احمد انصاری

مولانا ابوالکلام آزاد

مسٹر تصدق احمد خاں شیروانی

مسٹر میر شیخ داؤدی

ڈاکٹر سیف الدین کچلا

ڈاکٹر سید محمد داؤد

مسٹر خواہر لال نہرو۔

مسلم اقلیت کے لئے مرکزی جماعت قانون ساز میں نشستیں محفوظ کرنے کے مسئلہ پر غور کیا گیا۔ مگر یہ بیان کیا گیا کہ گذشتہ دن کے متحدہ فیصلہ (اول حصہ) کے بعد اس قسم کا تحفظ اقلیتوں کے لئے بھی نہیں ہو سکتا۔ اس کے جواب میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا کہ بلا تحفظ کے یہ غلبہ ہے کہ پانچ سو اراکین کی مجلس قانون ساز میں صرف ۳۰ یا چالیس مسلمان منتخب ہوں گے۔ یہی نتیجہ ان صوبوں میں ہو گا جہاں مسلمان ایک چھوٹی اقلیت میں ہیں۔ بخوبی یہ پیش ہوئی کہ اس مسئلہ کا ازالہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ چھوٹی اقلیتوں کے لئے مرکزی اور صوبہ کی مجلس قانون ساز میں نشستوں کا تحفظ کر دیا جائے۔ لیکن اکثریتوں کے لئے نہ کیا جائے۔ اس کے معنی یہ تھے کہ کل کے متحدہ فیصلہ پر نظر ثانی کی جائے۔ کوئی فیصلہ ہو سکا اور معاملہ شام کے اجلاس کے لئے ملتوی کیا گیا۔

درجہ لائی کی شام کا اجلاس

ڈاکٹر سیف الدین کچلا اور ڈاکٹر سید محمود کے سوائے جو لوگ صبح حاضر تھے وہ اس وقت بھی موجود

تھے۔ اور سرتیج بہادر سپر د بھی موجود تھے۔

اقلیت کی نمایندگی کا مسئلہ جو صبح کے اجلاس میں ملتوی کر دیا گیا تھا۔ اس پر بحث کی گئی۔ اور یہ متفقہ طور پر منظور ہوا کہ مارچولائی کی غیر رسمی کانفرنس کی قرارداد کے اول حصہ میں اس طرح ترمیم کی جائے کہ جس سے اقلیتوں کے لئے مرکزی مجلس قانون میں آبادی کی بنا پر نشستوں کا تحفظ ہو سکے۔

بعد ازاں چھوٹی اقلیتوں کے لئے صوبہ کی کونسل میں نشستوں کے تحفظ کے مسئلہ پر غور کیا گیا۔ کمیٹی کی یہ استثناء ممبر شعیب قریشی یہ رائے تھی کہ دلائل جو مرکزی مجلس قانون ساز کے لئے استعمال کئے گئے تھے وہ اتنی ہی قوت کے ساتھ صوبہ کی مجلس قانون ساز پر بھی منطبق ہو سکتے ہیں۔ اس رائے کی تائید حاضر الوقت غیر راہین نے بھی کی۔ اس لئے یہ بات طے ہو گئی کہ آل پارٹیز کانفرنس کو لکھا جائے کہ چھوٹی اقلیتوں کو صوبہ کی قانون ساز جماعت میں ان کی آبادی کے تناسب سے نشستوں کا تحفظ عطا کیا جائے۔ اور ساتھ ہی یہ حق بھی دیا جائے کہ وہ اور زیادہ نشستوں کے لئے انتخاب میں مقابلہ کر سکیں۔

نقشہ نمبر امور متعلقہ مرکزی حکومت

- ۱۔ دوسرے ممالک اور ہندوستان میں داخلی و خارجی تجارت اور ہندوستان میں تجارتی اور مالی اور پودوسی کارپوریشنوں کا قیام
- ۲۔ محاصل اُن محاصل کے علاوہ جو اس دستور میں صوبوں یا ان کے حصوں کے لئے مخصوص کر دیئے گئے ہیں لیکن بشمول مندرجہ ذیل
سائر مالگذاری۔ آبکاری۔ انکم ٹیکس۔ سوپر ٹیکس۔ کارپوریشن کے نفع پر ٹیکس۔
افیون جس میں کاشت۔ افیون سازی۔ افیون فروشی کی نگرانی شامل ہیں۔ محاصل برآمد۔
- ۳۔ اشیائے ہرماندگی پیداوار پر سرکاری امداد۔
- ۴۔ دولت مشترکہ کی جائداد۔ مال دالملک اور ساکھ پر فرض لینا۔ دولت مشترکہ کا قرضہ سرکاری۔
- ۵۔ رواج زرہ مسکہ سازی اور قانونی زرہ۔
- ۶۔ بینک کا کام۔ بیسہ۔ اور سیونگ بینک۔ بینکوں کی کمپنی بنانا اور زرہ کاغذی اور اسٹاک ایکسچینج کا جاری کرنا۔
- ۷۔ تبادلہ کے پرچے، چک، ہنڈیاں اور پرامیٹری نوٹ
- ۸۔ جہاز سازی۔ اور جہاز رانی۔ اس میں ان داخلی آبزی راہوں کے لئے جہاز سازی اور ان پر جہاز رانی بھی شامل ہے جن کی قومی اہمیت کا اعلان کر دیا جائے۔ بندرگاہ۔ بڑے ساحلی شہر، روشنی کے منارے، آکاس دئے، ہلکے جہاز اور لنگرنا۔
- ۹۔ ریلوے اور ٹیکس جو فوج اور تمام ہندوستان کے لئے اہمیت رکھتی ہوں۔
- ۱۰۔ ہوائی بیڑا اور اس سے متعلق معاملات

۱۱۔ ڈاک۔ تار۔ اور ٹیلیفون جس میں لاسلکی خبر رسائی اور اس کے مرکز قائم کرنا

شامل ہیں۔

۱۲۔ تحفظ ہند اور تمام دیگر معاملات جن کا تعلق دولت مشترکہ کی بحری، بری، یا ہوائی افواج سے ہو۔ اس میں ملیشیا، ہندوستانی بحری، سروس اور تمام دیگر افواج جو ہندوستان میں بھرتی کیجائیں شامل ہیں۔ لیکن ایسی فوجی اور مسلح پولیس شامل نہیں ہے جس کا بار کفالت تمامت صوبہ کی حکومت برداشت کرتی ہو۔ بحری اور عسکری تعمیرات اور چھاونیاں، فوجی بحری اور ہوائی تعلیم کے لئے اسکول اور کالج۔

۱۳۔ خارجی اور بیرونی تعلقات جس میں ہندوستان کی ریاستوں سے تعلقات اور سیاسی مطالبات بھی شامل ہیں۔ ملکی بنانا، سکونت مستقل کا تعین، غیر ملکوں سے برتاؤ راہداری کے پرانے، اور ہندوستان سے باہر جج اور زیارت

۱۴۔ ملک سے ہجرت اور ملک میں داخلہ۔

۱۵۔ بندرگاہ کے قریب اور بحری ہسپتال

۱۶۔ دولت مشترکہ کی سرکاری ملازمتیں اور دولت مشترکہ کا پبلک سروس کمیشن۔

۱۷۔ دولت مشترکہ کا محکمہ محاسبی

۱۸۔ سپریم کورٹ آف انڈیا اور ہائی کورٹ کے متعلق قانون سازی

۱۹۔ قانون دیوانی جس میں حیثیت، معاہدہ، ملکیت، مدنی حقوق اور ذمہ داریاں

اور ضابطہ دیوانی شامل ہیں۔

۲۰۔ قانون فوجداری جس میں ضابطہ فوجداری اور قوانین اخراج شامل ہیں۔

۲۱۔ دیوالہ اور نفلیسی۔

۲۲۔ نکاح، طلاق، اور معاملات نکاح، حق وراثت، نابالغوں کی سرپرستی اور ولایت

ان کی حیثیت اور سن بلوغ

۲۳۳۔ حق تصنیف۔ اخبار اور کتابیں۔ ایجادوں۔ ڈیزائنوں اور تجارتی نشانوں کے

پٹنٹ۔

۲۳۴۔ دولت مشترکہ کی طرف سے اپنے یا دوسرے اغراض کے لئے حصول اراضی

۲۳۵۔ قانون رجسٹری دستاویزات

۲۳۶۔ قانون اندراج پیدائش۔ موت اور نکاح۔

۲۳۷۔ اعداد و شمار اور مردم شماری

۲۳۸۔ اسلحہ اور گولہ بارود کی نگرانی

۲۳۹۔ (الف) مٹی کے تیل اور پھٹنے والی چیزوں کی نگرانی۔

(ب) سمیات کی نگرانی۔

۳۰۔ اوزان اور پیمائشوں کے معیار

۳۱۔ ہندوستان کے سمندروں میں تین میل کی حد سے باہر ماہی گیری کے مقامات

۳۲۔ ہندوستان کی پیمائش۔ ارضیاتی سروے فلکیاتی اور موسمی مشاہدات۔

۳۳۔ پارلیمنٹ کے انتخابات۔

۳۴۔ دولت مشترکہ کی گورنمنٹ کا صدر مقام۔

۳۵۔ مختلف صوبوں کے باہمی معاملات۔

۳۶۔ قانون کارخانہ جات۔

۳۷۔ صنعتی امور۔

» (الف) مزدوروں کی بہبودی۔

» (ب) پراویڈنٹ فنڈ۔

» (ج) صنعتی بیمہ۔ صحت عامہ۔ اور حادثات

۳۸۔ کانوں کی نگرانی

- ۳۹۔ طبی اہلیتیں اور معیار۔
- ۴۰۔ دولت مشترکہ کے لئے ذخائر اور اسٹیشنری۔
- ۴۱۔ اشتہار اور خبر رسائی کا مرکزی محکمہ
- ۴۲۔ حیواناتی سرے نباتاتی سرے۔ آثار قدیمہ۔
- ۴۳۔ تحقیق علمی، صنعت اور پیشوں کی تعلیم اور مخصوص علوم کی ترقی کے لئے مرکزی ادارے جن میں رصد گاہیں بھی شامل ہیں۔
- ۴۴۔ صوبوں کی درمیانی سرحدوں کے علاوہ حدود ملکی میں تغیرات اور ان کے متعلق قوانین کا اعلان۔
- ۴۵۔ دولت مشترکہ کی تمام ممالک
- ۴۶۔ جنگلات کے متعلق قانون
- ۴۷۔ غیر عدالتی اسٹامپ کے متعلق قوانین۔

نقشہ نمبر ۲

امور متعلق حکومت صوبہ

- ۱۔ مالگزاری اراضی جس میں منتقلہ مالگزاری بھی شامل ہے۔ کوئی اور ٹیکس جو زمین یا زرخیز اندنی پر عائد کئے جائیں۔ پانی کے مطالبات۔ سروسے اور بندوبست۔ سرکاری زمین کا علیحدہ کرنا اور اسکو آباد کرنا۔ اور سرکاری جائیدادوں کا انتظام۔
- ۲۔ آبکاری یعنی شرب اور دیگر منشیات (ماسولے افیون) کی تیاری، انتقال قبضہ خرید و فروخت پر نگرانی۔ اور ان اشیاء پر یہ ان کی بابتہ آبکاری کے محاصل اور لائسنس کی فیس کا عائد کرنا اور دیگر امتناعی محصول۔
- ۳۔ تمام مقامی محاصل مثلاً ساڑ زمین یا زمین کی قیمت پر سیس۔ عمارتوں پر ٹیکس۔ گاڑیوں اور کشتیوں پر ٹیکس۔ جانوروں پر ٹیکس۔ جنگلی اور دیسی اشیاء پر جو ایک مقامی حلقہ سے درآمد یا برآمد ہوں۔ ٹرنل ٹیکس۔ تجارتوں۔ پیشوں اور حرفوں پر ٹیکس۔ نجی منڈیوں پر ٹیکس۔ قمار بازی پر ٹیکس۔ مقامی حکومت کی خدمات کے عوض میں ٹیکس۔
- ۴۔ صوبہ کے اندر یا صوبہ کی طرف سے حصول اراضی۔
- ۵۔ جنگلات کا انتظام اور شکار کی حفاظت۔
- ۶۔ زراعت جس میں علمی تحقیقات کے ادارے۔ تجربہ اور مشاہدہ کے فارم شامل ہیں۔ کیرڈوں اور گزندنہ پنچانے والے جانوروں سے محافظت۔
- ۷۔ ماہی گیری کے مقامات جن میں دولت مشترکہ کے ایسے مقامات شامل نہیں ہیں۔
- ۸۔ پانی کی فراہمی۔ آبپاشی کی نہریں۔ بدرویں اور پشے۔ پانی کے ذخائر۔ اور پانی کی قوت۔ سولے ان صورتوں کے جن میں کئی صوبوں کے درمیان کا معاملہ ہو یا ایک صوبہ اور کسی ریاست یا دوسرے علاقہ کے تعلقات پر اثر پڑتا ہو۔

۹۔ صوبہ کی تعمیرات عامہ جس میں عمارتیں، سڑکیں، پل، نہریں، سرنگیں، سی کے راستے، پل کے سروں کے رستے، ٹریوے، لائٹ اور فیڈر ریلوے، داخلی آبی راہیں، اور دیگر وسائل آمدورفت شامل ہیں سولے۔

(الف) ایسی ریلوے سڑکوں اور داخلی آبی راہوں کے جو مرکزی حکومت کے تحت میں ہیں۔

(ب) تمام ایسے کام جو ایک صوبہ کی حدود سے باہر پھیلے ہوئے ہوں۔

(ج) ایسے کام جنہیں دیا وچو اس کے کہ وہ بالکل صوبہ ہی میں واقع ہیں، پارلیمنٹ تمام ہندوستان کے لئے اہم قرار دیے۔

۱۰۔ انجن ہائے امداد باہمی

۱۱۔ معدنی ذرائع کی ترقی

۱۲۔ قحط زدوں کی امداد

۱۳۔ ہندوستان کے اندر جاترا اور زیارت۔

۱۴۔ لوکل سلف گورنمنٹ جس میں میونسپل کارپوریشن، لوکل بورڈ، گاؤں کی پنچایت امپروومنٹ ٹرسٹ، آبادیوں کے نقشے بنانے والے بورڈ اور صوبہ کی دوسری مقامی بااختیار جماعتیں شامل ہیں۔ ان کے لئے دستور بنانا اور انہیں اختیارات دینا اور لوکل فنڈ کا محاسبہ۔

۱۵۔ طبی انتظامات جس میں ہسپتال، دواخانے، استھان اور طبی تعلیم کا انتظام شامل ہے

۱۶۔ صحت عامہ اور صفائی اور اعلا و پیدائش دامت۔

۱۷۔ تعلیم جس میں یونیورسٹیاں اور صنعتی تعلیم شامل ہیں۔ صوبہ کے ایسے ادارے جن میں

پیشہ اور صنعت کی تعلیم دیکھائی ہے۔ اور صنعتی تعلیمات کی ترقی سب شامل ہیں۔

۱۸۔ کورٹ آف وارڈس اور ایسی ریاستیں جن پر بارہو یا قرق ہو چکی ہوں

- ۱۹۔ زمین کو ترقی دینے اور زراعت کے لئے قرضے۔
- ۲۰۔ حقیقت آراضی اور زمیندار۔ کاشتکار اور لگان کے قوانین۔
- ۲۱۔ ڈومسٹرک جنرل اور سرکاری امناء جو مرکزی مجلس قانون ساز کے قانون کے ماتحت ہوں گے۔
- ۲۲۔ صنعتوں کی ترقی جس میں تحقیق صنعتی بھی شامل ہے۔
- ۲۳۔ پولیس جس میں فوجی۔ مسلح پولیس جس کی کفالت صوبہ کرتا ہے۔ اور ریلوے پولیس ان قوانین کے ماتحت شامل ہے جو پارلیمنٹ اس کے حدود اقتدار اور مصارف میں ریلوے کے حصہ رسد کے متعلق بنائے۔
- ۲۴۔ کھانے کی چیزوں اور دوسری اشیاء میں میل۔
- ۲۵۔ (الف) گاڑیوں کی نگہداشت۔ مگر موٹر گاڑیوں کے لائسنس کے لئے جو تمام ہندوستان میں تسلیم کئے جاسکیں مرکزی جماعت مقننہ کے قانون کی پابندی کیجائے گی۔
- (ب) سینما اور ڈراما کے کھیلوں کی نگہداشت۔
- ۲۶۔ جیلخانے۔ قیدی۔ اصلاح خانے اور آوارہ گردی۔
- ۲۷۔ لہباندہ قبائل اور ان کی نئی بستیاں۔
- ۲۸۔ دفینے۔
- ۲۹۔ صوبے میں عدل و انصاف کا انتظام جس میں عدالت ہائے دیوانی و فوجداری کا نظام اور ان کی کفالت شامل ہے۔
- ۳۰۔ صوبے کی جماعت قانون ساز کے انتخابات۔
- ۳۱۔ صوبے کے متعلق معاملات میں صوبہ کے کسی قانون کی خلاف ورزی کی صورت میں جرمائد۔ سزا اور قید مقرر کرنے والے قانون بنانا۔
- ۳۲۔ صرف صوبہ کی ساکھ پر فرض لینا مرکزی حکومت کی منظوری کے ماتحت صوبہ کے

واجب الاصول اور املاک۔

۳۳۔ موت۔ پیدائش اور نکاح کے جسٹری کی متعلق قانون کا انصرام۔

۳۴۔ صوبے کی قانونی رپورٹیں۔

۳۵۔ چھوٹے بندرگاہ۔

۳۶۔ پبلک کتب خانے سوائے کلکتہ کی امپریل لائبریری کے۔ عجائب گھر سوائے انڈین میوزیم

امپریل وار میوزیم اور کلکتہ کے وکٹوریہ میوزیم۔ چڑیا خانے۔ اور نباتاتی باغات۔ اور انجنوں کی جسٹری۔

۳۷۔ مویشی خانے اور مویشی کی وجہ سے پائمالی کا سرباب۔

۳۸۔ محکمہ صالحہ حیوانات جس میں وٹری ٹریننگ۔ نسل مویشی کی بہتری اور جانوروں کے

امراض کا سرباب شامل ہے۔

۳۹۔ کارخانے۔ مرکزی حکومت کے قوانین کے ماتحت۔

۴۰۔ مزدوروں کے جھگڑوں کا تصفیہ۔

۴۱۔ گیس اور بجلی۔

۴۲۔ بائیلر۔ (Boilers)۔

۴۳۔ وہابیوں کی حضرت عام

۴۴۔ مزدوروں کے لئے مکانات

۴۵۔ اسباب موت کو تحقیق کنندہ

۴۶۔ صوبہ کے دفاتر اور اسٹیشنری

۴۷۔ صوبہ کی حکومت کا مطبع

۴۸۔ صوبہ کی ملازمتیں اور پرائشل سروسز کمیشن

۴۹۔ صوبہ کی حکومت کا صدر مقام

۵۔ مرکزی حکومت کے قانون کی ماتحت انتخاب کی نگرانی۔

۵۱۔ فیس جس میں کورٹ فیس۔ وصیت ناموں پر رسو م۔ جائیداد اور وراثت پر محصول۔

شامل ہیں۔

۵۲۔ مرکزی مجلس کے قوانین کی ماتحت۔ پیداوار۔ رسد اور تقسیم دولت کی نگرانی۔

۵۳۔ مرکزی مجلس قانون ساز کے قوانین کے ماتحت صنعتوں کو ترقی دینا۔

۵۴۔ مذہبی اور خیراتی اوقاف۔ مرکزی مجلس قانون ساز کے قوانین کے ماتحت۔

۵۵۔ قمار بازی اور شرط بازی کی نگرانی، مرکزی مجلس قانون ساز کے قوانین کے ماتحت۔

۵۶۔ جانوروں پر ظلم کا سد باب۔ پرندوں اور جانوروں کی حفاظت۔ مرکزی مجلس

قانون ساز کے قوانین کے ماتحت۔

۵۷۔ غیر عدالتی اسٹامپ مرکزی مجلس قانون ساز کے قوانین کے ماتحت اور عدالتی اسٹامپ

مجلس قانون ساز کے ان قوانین کے ماتحت جو ہائیکورٹ کے ان مقدمات اور عدالتی کارروائیوں کے متعلق کورٹ فیس کی بابت بنائے جائیں جو ان کے ابتدائی اختیار سماعت میں داخل ہوں۔

۵۸۔ مرکزی مجلس قانون ساز کے قوانین کے ماتحت دستاویزوں کی رجسٹری۔

۵۹۔ اوزان اور پیمائے جن کے معیار کے متعلق مرکزی مجلس قانون ساز کے قوانین کی

پابندی کی جائے گی۔

۶۰۔ سمیات۔ اسلحہ اور گولہ بارود۔ پٹرولیم۔ اور پھٹنے والی چیزوں کی نگرانی۔ مرکزی

مجلس قانون ساز کے قوانین کے ماتحت۔

۶۱۔ اخباروں کی نگرانی مرکزی مجلس قانون ساز کے قوانین کے ماتحت

۶۲۔ ٹیلی اور دیگر پیشوں کے قابلیت و معیار کی نگرانی مرکزی مجلس قانون ساز کے ماتحت۔

۶۳۔ لوکل فنڈ حساب کی جانچ۔

ضمیمہ (الف)

زمہب کے اعتبار سے پنجاب کی آبادی کے اعداد کا تجزیہ

(یعنی ایک نوٹ پنجاب کی آبادی کے اعداد کے متعلق جس میں خاص طور پر اس بات کا ذکر ہے کہ مجلس قانون ساز میں مختلف مذہبی گروہوں کی نیابت غالباً کس قدر ہوگی)

یہ نوٹ مندرجہ ذیل مفروضات پر مبنی ہیں :-

۱۔ یہ کہ معمولی علاقہ دار نمائندگی، مخلوط یا مشترک حلقہ ہائے انتخاب کے ساتھ ہوا اور کسی قسم کا تحفظ نشست نہ ہو۔

۲۔ یہ کہ ہر بالغ کو حق رائے دہندگی حاصل ہو، یا کم از کم ایسا حق رائے دہندگی جس میں مختلف فرقوں کے منتخب کر نیوالوں کی تعداد کا تناسب ایک دوسرے سے وہی ہو جو ان کی آبادی کے اعداد کا تناسب ہے۔

ان نوٹوں میں اعداد و شمار تہہ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری پر مبنی ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ مسلمانوں میں اضافہ آبادی کا تناسب منبذوں سے کچھ زیادہ ہے۔ مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق اس اضافہ کا سبب زمہب کی تبدیلی نہیں بلکہ بعض معاشرتی اسباب ہیں مثلاً نکاح بوجگان اور سن مناکحت کا مسلمانوں میں زیادہ ہونا۔ ابتدائی عمر کی شادی کی وجہ سے منبذوں میں بچوں کی موتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ اس لئے یہ قرین قیاس ہے کہ آج پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی ۱۹۲۱ء کے اعداد مردم شماری کے مقابلہ میں نسبتاً کسی قدر زیادہ ہوگی۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ان نوٹوں میں حساب جہاں تک مسلمانوں کا

تعلق ہے ایسے اعداد سے کیا گیا ہے جو اصل سے کچھ کم ہی ہیں اور حقیقت ان کے لئے اعداد سے زیادہ موافق ہے۔

مجلس قانون ساز کے معاملہ میں مردم شماری کی رپورٹ کے آبادی کے اعداد سے کسی صحیح قیاس پر پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ اس کا انحصار بہت کچھ حلقہ انتخاب کی ترتیب پر موقوف ہے۔ اور یہ بھی یقینی نہیں ہے اور بلاشبہ سخت نا پسندیدہ امر ہے کہ مشترک حلقہ ہائے انتخاب میں ایک مسلمان ہمیشہ مسلمان کو رائے دے اور ایک ہندو، ہندو کو۔ لیکن ان حسابات میں ان کے لئے گنجائش نہیں نکالی جاسکتی۔ چونکہ سوال پر فرقہ وارانہ حیثیت سے غور کیا جا رہا ہے اس لئے ہمیں یہ فرض کر لینا چاہئے کہ عموماً رائیں فرقہ وارانہ خیال سے دی جائیں گی۔ چونکہ حلقہ انتخاب ابھی تک نہیں بنے ہیں۔ اس لئے صرف انفرادی اضلاع کے اعداد ہی کی جانچ کی جاسکتی ہے۔ اس کا زیادہ امکان ہے کہ ایک پورا ضلع یا اس کا ایک حصہ حلقہ انتخاب بنایا جائیگا۔ پنجاب کی آبادی (ہندوستانی ریاستوں کو خارج کر کے) ۱۹۲۱ء میں ۲۰۶۸۵۰۲۴ تھی۔ یہ مندرجہ ذیل طریقہ پر تقسیم تھی:-

مسلمان	۱۱۴۴۲۳۲۱	۵۵.۳ فیصدی
ہندو	۴۵۶۹۲۶۰	" ۳۱.۸
سکھ	۲۲۹۲۲۰۰	" ۱۱.۱
دیگر (خصوصاً عیسائی)	۳۶۷۲۳۶	" ۱.۸

" ۱۰۰

۲۰۶۸۵۰۲۴

اس طرح اگر اور سب کو ملا بھی دیا جائے تو مسلمان ایک کھلی موٹی، گویا بڑی نہ سہی، اکثریت میں ہیں۔ اگر تقسیم آبادی کو اور زیادہ قریب سے جانچا جائے تو نظر آئے گا کہ کل پنجاب کے اعداد سے جو ظاہر ہوتا ہے مسلمان اس سے بھی کہیں زیادہ مضبوط حیثیت رکھتے ہیں۔ اس

کا سبب یہ ہے کہ سکھ اور منہو و صوبہ کے جنوبی حصہ یعنی قسمت انبالہ اور جالندھر میں زیادہ تعداد میں ہیں۔ ان دو قسموں میں مسلمان قلیل التعداد ہیں لیکن وہ اس کی تلافی اپنی اکثریت کو دوسری جگہوں میں بڑھا کر کر لیتے ہیں۔

پنجاب کو تین قدرتی حلقوں یا علاقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ (۱) جہاں مسلمان غالب ہیں۔ (۲) جہاں غلبہ کسی کو حاصل نہیں مگر مسلمانوں کی اکثریت ہے اور (۳) سہوؤں اور سکھوں کا حلقہ۔

اگر ہم موجودہ قسموں کو ان حلقوں سے تقریباً مطابق تسلیم کر لیں تو ہمیں مندرجہ ذیل تین علاقے ملتے ہیں۔

۱۔ راولپنڈی اور ملتان کی قسمیں یعنی مسلم حلقہ اقتدار جن میں مسلمان بہت بڑی اکثریت رکھتے ہیں (یعنی بالترتیب ۸۶٫۹ اور ۶۴٫۹ فیصدی)۔

۲۔ قسمت لاہور جن میں کسی کا اقتدار نہیں لیکن مسلمان تمام دوسروں کی مشرکہ آبادی کے مقابلہ میں اکثریت میں ہیں (یعنی ۵۵ فیصدی)۔

۳۔ انبالہ اور جالندھر کی قسمیں یعنی منہو و سکھ حلقہ جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں (یعنی بالترتیب ۳۶٫۳ فیصدی اور ۲۲٫۲ فیصدی)۔

ان فرقہ وارانہ حلقوں کی بنیاد پر ہم مجلس قانون ساز میں نیابت کا ایک دھندلا سا تصور قائم کر سکتے ہیں اگر ہر لاکھ پیچھے ایک رکن ہو تو یہ صورت ہوگی:-

آبادی	اراکین مجلس قانون ساز
پنجاب ۲۰۶۸۵۰۰۰	۲۰۰
راولپنڈی ۳۴۶۱۰۰۰	{ ۳۵
ملتان ۴۲۱۸۰۰۰	{ ۲۲
لاہور ۴۹۹۴۰۰۰	۵۰

اراکین مجلس قانون ساز

آبادی

۳۸ ۸۰ { ۲۲	۳۸۲۶۰۰۰ ۴۱۸۲۰۰۰ } ۳ قسمت انبالہ جالندھر
---------------	--

۲۰۶

میزان

ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ مسلمان، مسلم حلقہ اقدار میں تمام نشستوں اور سندھ و سکھ اپنے حلقہ اقدار میں تمام نشستوں پر قبضہ کر لیں گے۔ قسمت لاہور میں ممکن ہے کہ کچھ حصہ بٹ جائے۔ یہ بات کلیتہاً نہ واقع ہو سکتی ہے نہ ہونی چاہئے۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ ایک قسمت کی نمائندگی صرف ایک فرقہ کی طرف سے ہو۔ لیکن ایک موٹے حساب سے ہم یہ ضرور فرض کر سکتے ہیں کہ وہ نشستیں جو مسلمان سندھ و سکھ حلقہ میں حاصل کریں ان نشستوں کی تلافی کر دیں جو ہندو اور سکھ مسلمان حلقہ میں حاصل کریں گے۔ اور حقیقت حال یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے ہندو سکھ حلقہ میں نشستوں کے حاصل کرنے کا امکان زیادہ ہے چونکہ مسلم اکثریت راولپنڈی اور ملتان کی قسٹوں میں بچد ہے (یعنی ۸۶ فی صدی اور ۶۹ فی صدی)

اس طرح ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ مسلمان لازمی طور پر اپنے حلقہ میں، نشستوں پر قبضہ کریں گے اور ہندو سکھ مشترکہ طور پر اپنے حلقہ میں ۸۰ نشستوں پر تیسرے حلقہ یعنی قسمت لاہور میں نشستیں آپس میں تقسیم ہو جائیں گی لیکن تقسیم کے مسلمانوں کے موافق ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ وہ آبادی میں ۵۵ فیصدی ہیں، سندھ ۲۰ فیصدی ہیں اور سکھ ۱۶ فیصدی۔ عیسائی وغیرہ کی تعداد ۱۶ فیصدی ہوتی ہے لیکن ان کو ہم یہاں نظر انداز کر سکتے ہیں کیونکہ ان کے متعلق یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ انہیں کثیر التعداد جماعتوں سے کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے اور یقیناً کسی صورت سے بھی مسلمانوں کے مخالف یا ہندو سکھوں کے ساجھی نہیں سمجھے جاسکتے ہیں۔ اس طرح مسلمان ہندو سکھوں کے مقابلہ میں ڈیڑھ گنا زیادہ مضبوط ہیں۔ فرق کافی ہے اور انتخاب کے موقع پر مسلمان اپنی قوت کا احساس ضرور کر سکیں گے۔

اور جو مسلمانوں کی اکثریت اس قسمت میں اپنی آبادی کے تناسب سے زیادہ نشستوں پر قبضہ کر سکیگی۔ اور اگر اس نے ٹھیک اپنے حق کے مطابق ہی نشستوں پر قبضہ پایا تو بھی اُسے ۲۹ نشستیں ملیں گی۔ اس میں اگر ۷ نشستیں مسلم علاقے والی شامل کر دی جائیں تو تعداد ۱۰۶ ہو جاتی ہے جو ۲۰۷ اراکین کی مجلس قانون ساز میں تمام فرقوں اور گروہوں کے مقابلہ میں ایک چھوٹی لیکن کھلی موٹی اکثریت ہے۔ یہ اکثریت ہندو اور سکھوں کے مقابلہ میں تو حقیقتاً اور بھی زیادہ ہوگی کیونکہ اقلیت میں ”دیگر“ اقوام بھی شامل ہیں۔

پھر یہ سب اُس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ یہ باور کر لیا جائے کہ ہندوؤں اور سکھوں کے اغراض یکساں ہیں اور تمام مواقع پر یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے۔ لیکن بلاشبہ یہ فرض کرنا صحیح نہیں ہے اور اس کا گمان غالب ہے کہ وہ ہمیشہ ایک ساتھ کام نہ کریں۔ ایسی صورت حالات میں مسلمانوں کی ٹھوس اکثریت کے مقابلہ میں ان دونوں فرقوں کا بری طرح اقلیت میں ہونا اور بھی نمایاں ہو جائے گا۔

چونکہ قسمت لاسو پر فیصلے کا دار و مدار ہونا ممکن ہے اس لئے اس کی اور شرح و بسط کے ساتھ جانچ کی جائے تو بہتر ہے۔ اس قسمت کے چہہ اضلاع میں سے تین اضلاع یعنی سیالکوٹ، گوجرانوالہ اور شیخوپورہ میں مسلمانوں کی کافی اکثریت ہے۔ اور چونکہ ”دیگر اقوام“ (عیسائی وغیرہ) ان میں قابل لحاظ تعداد میں موجود ہیں اس لئے مسلم اکثریت ہندو اور سکھوں کے مقابلہ میں اور بھی زیادہ بلکہ بالکل غالب ہو جائے گی۔

اعداد درج ذیل ہیں :-

ضلع سیالکوٹ	
مسلمان	۹۱ ر فیصدی
ہندو	۵ ۱۹ ر
سکھ	۸
دیگر اقوام	۵ ۱۰ ر

۱۹ نشستیں

ہندو اور سکھ ملکر ۲۷۵ فی صدی سمٹے ہیں جس کے مقابلہ میں مسلمان ۶۱٫۹ فی صدی ہیں۔ اس طرح مؤخر الذکر ہندو اور سکھوں کی مجموعی تعداد سے دو گئے ہیں۔

ضلع گوجرانوالہ

مسلمان	۱۷ فی صدی
ہندو	" ۱۵٫۸
سکھ	" ۸٫۲
دیگر اقوام	" ۵

ہندو اور سکھ ملکر ۲۴ فی صدی ہیں اور ان کے مقابلہ میں مسلمان ۱۷ فی صدی ہیں۔ اس طرح مؤخر الذکر ہندو اور سکھوں کی مجموعی تعداد کے تین گئے ہیں۔

ضلع بنوں پورہ

مسلمان	۳۳٫۳ فی صدی
ہندو	" ۱۶
سکھ	" ۱۵٫۹
دیگر اقوام	" ۲٫۸

ہندو سکھ ملکر ۳۱٫۹ فی صدی ہیں۔ ان کے مقابلہ میں مسلمان ۳۳٫۳ فی صدی۔ اس طرح مؤخر الذکر ہندو اور سکھوں کی مجموعی تعداد کے ٹھیک دو گئے ہیں۔

ان تین ضلعوں میں مسلمان استبداد مضبوط ہیں کہ کوئی انہیں زیر نہیں کر سکتا۔ در حقیقت یہ اضلاع مسلم حلقے کا حصہ ہیں اور انہیں کے ساتھ ان پر غور کرنا چاہئے۔ ان اضلاع کو مجلس قانون ساز میں ۲۱ اراکین بھیجنے کا حق حاصل ہوگا۔ ان کو مسلم علاقے کے اراکان میں جوڑے تو مجموعہ ۹۷ ہوتا ہے۔

قسمت نامہ کے دوسرے اضلاع میں جو صورت حال ہے وہ درج ذیل ہے۔

ضلع لاہور

انشتیں	{	۵۷۱۳ فیصدی	مسلمان
		" ۲۱۰۵	ہندو
		" ۱۵۰۹	سکھ
		" ۵۰۳	دیگر اقوام

میاں ہندو سکھ ملکر ۳۷۰۳ فیصدی ہیں۔ ان کے مقابلہ میں مسلمان ۵۷۱۳ فیصدی ہیں۔ مسلمانوں کی اکثریت اس قدر زیادہ نہیں ہے جتنی کہ شمالی اضلاع میں لیکن پھر بھی کافی ہے۔ مسلمان ہندوؤں اور سکھوں سے تعداد میں بہت زیادہ ہیں یعنی ان کے ڈیڑھ گنے سے زیادہ۔

ضلع امرت سر

انشتیں	{	۴۵۰۶ فیصدی	مسلمان
		" ۲۱۰۶	ہندو
		" ۳۰۰۹	سکھ
		" ۱۰۰۸	دوسری اقوام

اس ضلع میں ہندو اور سکھ ملکر ۵۲۰۵ فیصدی ہیں اور مسلمانوں کی ۴۵۰۶ فیصدی کے مقابلہ میں یہ خاصی اکثریت ہے۔

ضلع گورداسپور

انشتیں	{	۴۹۰۶ فیصدی	مسلمان
		" ۲۶	ہندو
		" ۱۶۰۴	سکھ
		" ۸۰۲	دیگر اقوام

یہاں مسلمانوں کی تعداد ہندو اور سکھوں کے مجموعہ سے زیادہ ہے یعنی ۲۲۲ کے مقابلہ میں ۲۹۱ لیکن اکثریت کچھ زیادہ نہیں۔ امرت سر کے ضلع میں جو صورت حال تھی وہ یہاں الٹ جاتی ہے۔ ”دیگر“ یہاں خاصی تعداد میں ہیں۔

پس ان تین ضلعوں کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ لاہور میں مسلمانوں کی حیثیت مضبوط۔ گرداسپور میں خاصی اور امرت سر میں کمزور ہے۔ لیکن آخر الذکر ضلع میں بھی اگر فرقوں کو الگ الگ دیکھا جائے تو مسلمان ہی سب سے زیادہ مضبوط ہیں۔ یہ بہت قرین قیاس ہے کہ مسلمان ان اضلاع میں اور خصوصاً لاہور میں کچھ نشستیں حاصل کر لینگے۔ اس طرح قیمت لاہور کی نیابت زیادہ تر مسلمان کریں گے۔ اور یہ نیابت شمال اور مغرب کے حلقے سے ملکر انہیں ایک کھلی ہوئی اکثریت دلا دیگی۔

اس سوال پر ایک دوسرے نقطہ نگاہ سے بھی غور کیا جاسکتا ہے یعنی قیمتوں پر مجموعی حیثیت سے غور کرنے کے بجائے ہر ہر ضلع کو لیا جائے اور اس سے غالباً زیادہ صحیح تصور پیدا ہو سکے۔

پنجاب میں ۲۹ اضلاع ہیں۔ یہ اضلاع چار قسموں میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں۔
(۱) مسلمانوں کے غلبے کے اضلاع جہاں ان کی حیثیت اس قدر مضبوط ہے کہ کوئی ان کو دیا نہیں سکتا۔

(۲) مسلمانوں کے اقتدار کے اضلاع جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے لیکن اتنی زیادہ نہیں جس قدر نمبر (۱) میں ہے۔

(۳) وہ اضلاع جن میں کسی فرقہ کو اقتدار نہیں۔

(۴) ہندو یا سکھوں کے غلبہ یا اقتدار کے اضلاع۔

۱۔ مسلمانوں کے غلبے کے اضلاع :-

مسلمانوں کی فی صدی آبادی ہر ضلع کے نام کے آگے درج ہے

تعداد اراکین مجلس قانون ساز

۸	۸۶۵۲	۱۔ گجرات
۷	۸۲۱۸	۲۔ شاہ پور
۵	۸۸۶۷	۳۔ جھلم
۶	۸۲۵۶	۴۔ راولپنڈی
۵	۹۰۵۹	۵۔ تھک
۴	۸۶۵۳	۶۔ میان والی
۷	۷۱۵۸	۷۔ منٹگری
۱۰	۶۰۵۷	۸۔ لائل پور
۶	۸۳۵۳	۹۔ جھنگ
۹	۸۲۵۲	۱۰۔ ملتان
۵ ½	۸۶۵۸	۱۱۔ مظفر گڑھ
۵	۸۸۵۳	۱۲۔ ڈیرہ غازی خان
۹ ½	۶۱۵۹	۱۳۔ سیالکوٹ
۶	۷۱	۱۴۔ گوجرانوالہ
۵	۶۳۵۳	۱۵۔ شیخوپورہ
۹۸		میران

۲۔ وہ اضلاع جنہیں مسلمانوں کا اقتدار ہے:-

۱۱

۲۱۵۵	ہندو	۱۔ لاہور
۵۷۱۳	مسلمان	
۱۵۵۹	سکھ	
۵۱۳	دیگر اقوام	

۸ $\frac{1}{3}$ ۱۹ $\frac{1}{3}$

۲۹	ہندو	۲۔ گرداسپور
۴۹۱۶	مسلمان	
۱۶۶۲	سکھ	
۸۱۲	دیگر	

مسیحان

۲۔ وہ اضلاع جن میں کسی قوم کو اقتدار نہیں۔

۲۹۱۲	ہندو	۱۔ جالندھر
۴۴۶۵	مسلمان	
۲۵۶۱	سکھ	
۱	دیگر	

۸

۲۶۱۶	ہندو	۲۔ فیروزپور
۴۶۶۶	سکھ	
۴۳۶۹	مسلمان	
۱۹	دیگر	

۱۱

۲۱۱۶	ہندو	۳۔ امرتسر
۳۰۶۹	سکھ	
۴۵۶۶	مسلمان	
۱۱۸	دیگر	

۹

مسیحان

۲۰

ان اضلاع میں بھی مضبوط ترین واحد جماعت مسلمانوں کی ہے۔

۳۔ ایسے اضلاع جن میں سکھوں اور ہندوؤں کو غلبہ و اقتدار حاصل ہے۔

۸	۴۶۱۱	ہندو	۱۔ حصار
۸	۷۸	"	۲۔ دہلیک
۷	۴۶۱۷	"	۳۔ گورکھانوں
۸	۴۷۱۵	"	۴۔ کرنال
۷	۵۳۱۸	"	۵۔ انبالہ
$\frac{1}{2}$	۷۱۱۲	"	۶۔ شملہ
۸	۹۴	"	۷۔ کانگرہ
۹	۵۳۱۳	"	۸۔ مویشیاریور
	۲۳۱۶	ہندو	۹۔ لدھیانہ
	۴۱۱۵	سکھ	
۶	۳۴۱	مسلمان	
	۱۹	دیگر	
<hr/>			
$\frac{1}{2}$	۷۱	میسران	

اس طرح مسلمانوں کو اپنے ۵۵ اضلاعوں کے خاص حلقہ

۹۸ سے جہاں وہ بہت زیادہ قوی ہیں نشستیں ملیں گی

۷۱ $\frac{1}{2}$ ہندوؤں کو اسی طرح اپنے ایسے ہی حلقہ سے

۱۹ $\frac{1}{2}$ ان دو اضلاع سے جنہیں مسلمانوں کا اقتدار ہے

تین اضلاع سے جہاں دونوں قریب قریب یکساں ہیں

لیکن مسلمان ہر ایک میں مضبوط ترین واحد جماعت ہیں

$\frac{2.8}{2.06}$

۴۔ انہستوں سے مجلس قانون ساز میں اکثریت مطلق پیدا ہو جاتی ہے۔ اضلاع

کے اعداد کا تجزیہ مندرجہ ذیل نتائج کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

۱۔ صرف مسلم حلقے سے جہاں مسلمانوں کو کوئی دبا نہیں سکتا
مسلمانوں کو ۹ نشستیں ملتی ہیں یعنی کل نشستوں کی

۳۶۶ فیصدی

۲۔ ہندو اور سکھوں کے حلقے سے جہاں وہ بہت مضبوط

" ۲۹۱۸

ہیں انہیں ۱۱ نشستیں ملتی ہیں یعنی

۳۔ ان دو اضلاع سے جن میں مسلمانوں کو اقتدار حاصل

" ۹۶۴

۴۔ ۹ نشستیں ہیں یعنی

۵۔ تین اضلاع میں جہاں مختلف فرقوں میں تقریباً توازن

پایا جاتا ہے لیکن ہر ایک میں مسلمان مضبوط ترین واحد جماعت ہیں ۲۸

نشستیں یعنی ۱۳۱۵

۱۰۰

یہ بہت زیادہ قرین قیاس ہے کہ نمبر ۲ مندرجہ بالا سے جس میں مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہے مسلمانوں کو کم سے کم ۱۱ نشستوں میں سے ۹ نشستیں ملیں گی اور یہ اگر ان کے خاص حلقہ کی نشستوں میں جوڑ دی جائیں تو ۱۰ نشستیں ہوتی ہیں جو مجلس قانون ساز میں ایک کھلی ہوئی اکثریت ہے۔ نمبر ۳ مندرجہ بالا میں بھی مسلمانوں کو کچھ نہ کچھ نشستیں ضرور ملیں گی کیونکہ وہ مضبوط ترین واحد جماعت ہیں۔ اور وہ نہایت اطمینان کے ساتھ ۲۸ میں سے ۱۲ کا یقین رکھ سکتے ہیں۔ اس سے مسلمانوں کی تعداد مجلس قانون ساز میں ۲۰۶ میں سے ۱۲۰ ہو جاتی ہے یعنی ۵۸ فی صدی اور اس طرح بہت محتاط تخمینے کی رو سے مسلمانوں کے لئے غالب امکان ہے کہ وہ ۵۸ فی صدی نشستیں حاصل کر لیں گے۔

پنجاب (برطانوی علاقہ) آبادی کے تفصیلی اعداد

پنجاب		
کل آبادی	۲۰۶۸۵۰۲۴	۱۰۰ فی صدی
مسلمان	۱۱۴۴۴۳۲۱	" ۵۵.۳
ہندو	۶۵۷۹۲۶۰	" ۳۱.۸
سکھ	۲۲۹۴۲۰۷	" ۱۱.۱
دیگر اقوام (خصوصاً عیسائی)	۳۶۷۲۳۶	" ۱.۸

پنجاب کی قسمیں

تعداد اراکین مجلس قانون ساز
(لاکھ پیچھے ایک رکن)

آبادی تناسب فی صدی -

قسمت انبالہ

۳۸	{	۱۰۰	۳۸۲۷۰۰۰	کل
		۶۶.۶	۲۵۵۶۰۰۰	ہندو
		۲۶.۳	۱۰۰۶۰۰۰	مسلمان
		۴.۲	۱۵۸۰۰۰	سکھ
		۲.۸	۱۰۶۰۰۰	دیگر

قسمت جالندھر

۴۲	{	۱۰۰	۴۱۲۸۰۰۰	کل
		۴۵	۱۸۹۳۰۰۰	ہندو
		۳۲.۸	۱۳۷۰۰۰۰	مسلمان

۲۱	۸۸۰۰۰۰	سکہ
۲۹	۳۰۰۰۰	دیگر
<u>قسمت لاہور</u>		

۱۰۰	۲۹۹۷۰۰۰	کل
۲۰۱۷	۱۰۳۳۰۰۰	ہندو
۵۷۱۰	۲۸۲۹۰۰۰	مسلمان
۱۶۱۲	۸۱۳۰۰۰	سکہ
۶۱۱	۳۰۳۰۰۰	دیگر
<u>قسمت ملتان</u>		

۱۰۰	۲۲۱۸۰۰۰	کل
۱۴۱۳	۶۰۲۰۰۰	ہندو
۷۶۱۹	۳۲۲۶۰۰۰	مسلمان
۶۱۹	۲۹۰۰۰۰	سکہ
۱۱۹	۸۰۰۰۰	دیگر

قسمت راولپنڈی

۱۰۰	۳۲۶۱۰۰۰	کل
۸۷۵	۲۹۶۰۰۰	ہندو
۸۶	۲۹۷۳۰۰۰	مسلمان
۲۱۲	۱۵۳۰۰۰	سکہ
۱۷۱	۳۸۰۰۰	دیگر

پنجاب کے اضلاع

۱۔ اضلاع جن میں مسلمانوں کا غلبہ ہے

تعداد ارکان مجلس قانون ساز	تناسب فی صدی	آبادی	نام ضلع
۸۶۲	{ ۱۰۰	۸۲۴۰۰۰	۱۔ <u>بجرات کل</u>
	{ ۷۶۲	۵۹۰۰۰	ہندو
	{ ۸۶۶۲	۷۱۰۰۰۰	مسلمان
	{ ۶	۴۹۰۰۰	سکھ
	{ ۱۷	۶۰۰۰	دیگر
۷۶۲	{ ۱۰۰	۷۲۰۰۰۰	۲۔ <u>شیما پور کل</u>
	{ ۱۱	۷۹۰۰۰	ہندو
	{ ۸۲۶۸	۵۹۶۰۰۰	مسلمان
	{ ۴۶۲	۳۰۰۰۰	سکھ
	{ ۲۶۱	۱۵۰۰۰	دیگر
۴۶۸	{ ۱۰۰	۴۷۷۰۰۰	۳۔ <u>جھلم کل</u>
	{ ۶۶۹	۳۳۰۰۰	ہندو
	{ ۸۸۶۷	۴۲۳۰۰۰	مسلمان
	{ ۴	۱۹۰۰۰	سکھ
	{ ۱۴	۲۰۰۰	دیگر
	{ ۱۰۰	۵۶۹۰۰۰	۴۔ <u>راولپنڈی کل</u>
	{ ۹۶۷	۵۵۰۰۰	ہندو

۵۶۷	{	۸۲۶۶	۴۷۰۰۰	مسلمان
		۵۶۶	۳۲۰۰۰	سکه
		۲۶۱	۱۲۰۰۰	دیگر
۵۶۸	{	۱۰۰	۵۱۲۰۰۰	۵- <u>آب کل</u>
		۵	۲۵۵۰۰	هندو
		۹۰۶۹	۴۶۵۵۰۰	مسلمان
۳۶۹	{	۳۶۹	۲۰۰۰۰	سکه
		۶۲	۱۰۰۰	دیگر
		۱۰۰	۳۵۸۰۰۰	۴- <u>میانوالی کل</u>
۳۶۷	{	۱۲۶۶	۲۵۰۰۰	هندو
		۸۶۶۳	۳۰۹۰۰۰	مسلمان
		۶۸	۳۰۰۰	سکه
۶۶۱	{	۶۳	۱۰۰۰	دیگر
		۱۰۰	۷۱۲۰۰۰	۷- <u>پنجگڑی کل</u>
		۱۲۶۹	۹۲۰۰۰	هندو
۶۶۱	{	۷۱۶۸	۵۱۳۰۰۰	مسلمان
		۱۳۶۳	۹۶۰۰۰	سکه
		۱۰۶۸	۱۲۰۰۰	دیگر
۹۶۸	{	۱۰۰	۹۸۰۰۰۰	۸- <u>لاہور کل</u>
		۱۸۶۱	۱۱۷۰۰۰	هندو
		۶۰۶۷	۵۹۵۰۰۰	مسلمان

		۱۶۱۴	۱۶۱۰۰۰	سکه
		۴۱۸	۴۷۰۰۰	دیگر
		۱۰۰	۵۷۰۰۰۰	۹ جنگ کل
		۱۴۱۷	۸۴۰۰۰	هندو
۵۱۷		۸۳۱۳	۴۷۵۰۰۰	مسلمان
		۱۶۶	۹۰۰۰	سکه
		۶۴	۲۰۰۰	دیگر
		۱۰۰	۸۹۰۰۰۰	۱۰. ایلخان کل
		۱۴۱۵	۱۲۹۰۰۰	هندو
۸۱۹		۸۲۱۲	۷۳۲۰۰۰	مسلمان
		۲	۱۸۰۰۰	سکه
		۱۶۲	۱۱۰۰۰	دیگر
		۱۰۰	۵۶۸۰۰۰	۱۱. منظم گنده کل
		۱۱۶۶	۶۶۰۰۰	هندو
۵۱۷		۸۶۱۸	۴۹۳۰۰۰	مسلمان
		۶۹	۵۰۰۰	سکه
		۶۷	۴۰۰۰	دیگر
		۱۰۰	۴۹۶۰۰۰	۱۲. دیره غازی شاه کل
		۱۰۶۹	۵۲۰۰۰	دیسین پوچ - هندو
۵		۸۸۶۳	۴۳۸۰۰۰	علاقه شامل مسلمان
		۶۲	۱۰۰۰	سکه

	۶۶	۳۰۰۰	دیگر
	۱۰۰	۹۳۸۰۰۰	۱۳۔ سیالکوٹ کل
	۱۹۱۵	۱۸۳۰۰۰	ہندو
۹۶۴	۶۱۶۹	۵۸۱۰۰۰	مسلمان
	۸	۷۵۰۰۰	سکھ
	۱۰۶۵	۹۹۰۰۰	دیگر
	۱۰۰	۶۲۴۰۰۰	۱۴۔ گوجرانوالہ کل
	۱۵۶۸	۹۸۰۰۰	ہندو
۶۶۲	۷۱	۴۴۳۰۰۰	مسلمان
	۸۶۲	۵۱۰۰۰	سکھ
	۵۶۱	۳۱۰۰۰	دیگر
	۱۰۰	۵۲۳۰۰۰	۱۵۔ پنجپورہ کل
	۱۶	۸۴۰۰۰	ہندو
۵۶۲	۶۳۶۳	۳۳۱۰۰۰	مسلمان
	۱۵۶۹	۸۳۰۰۰	سکھ
	۴۶۸	۲۵۰۰۰	دیگر
۹۶۶۶۔ اراکین			۱۵۔ اضلاع

۱۔۲۔ ایسے اضلاع جن میں مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہے
 جہاں مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں اور سکھوں کی مجموعی تعداد سے زیادہ ہے لیکن اس
 قدر زیادہ نہیں جتنی مندرجہ بالا اضلاع میں ہے

۱۰۰	۱۱۳۱۰۰۰	۱۔ لاہور کل
-----	---------	-------------

۱۱۶۳	{	۲۱۱۵	۲۲۳۰۰۰	ہندو
		۵۷۵۳	۶۲۸۰۰۰	مسلمان
		۱۵۵۹	۱۸۰۰۰۰	سکھ
		۵۱۳	۶۰۰۰۰	دیگر
۸۶۵	{	۱۰۰	۸۵۲۰۰۰	۲۔ گوراپور کل
		۲۶	۲۲۲۰۰۰	ہندو
		۲۹۵۶	۲۲۳۰۰۰	مسلمان
		۱۶۵۲	۱۳۸۰۰۰	سکھ
		۸۶۲	۷۰۰۰۰	دیگر

۱۹۱۸-۱۹۱۹

۲ ضلع

۳۔ ایسے اضلاع جنہیں کسی فرقہ کو خاص طور پر اقتدار نہیں ہے
(لیکن مسلمان سب سے زیادہ مست واحد جماعت ہیں)

۸۶۲	{	۱۰۰	۸۲۲۵۰۰	۱۔ جالندھر کل
		۲۹۱۲	۲۲۲۰۰۰	ہندو
		۲۲۵۵	۳۶۶۵۰۰	مسلمان
		۲۵۵۱	۲۰۶۰۰۰	سکھ
		۱	۸۰۰۰	دیگر
۱۱	{	۱۰۰	۱۰۹۸۰۰۰	۲۔ فیروزپور کل
		۲۶۵۶	۲۰۳۰۰۰	ہندو
		۲۳۱۹	۲۸۲۰۰۰	مسلمان
		۲۶۵۶	۳۰۳۰۰۰	سکھ

۹۶۳	{	۱۹	۱۰۰۰۰	دیگر
		۱۰۰	۹۲۹۰۰۰	۳۔ اترتسر کل
		۲۱۶۶	۲۰۱۰۰۰	ہندو
		۴۵۶۶	۴۲۴۰۰۰	مسلمان
		۳۰۶۵	۲۸۶۰۰۰	سکھ
		۱۶۸	۱۶۰۰۰	دیگر

۵۔ ۲۸۶۔ اراکین

۳۰۔ اضلاع

۴۔ اضلاع جن میں ہندوؤں اور سکھوں کو علیہ اقدار حاصل ہے

۸۶۲	{	۱۰۰	۸۱۶۰۰۰	۱۔ اجمار کل
		۶۶۶۱	۵۴۰۰۰۰	ہندو
		۲۶۶۴	۲۱۶۰۰۰	مسلمان
		۵۶۶	۴۶۰۰۰	سکھ
		۱۶۸	۱۵۰۰۰	دیگر
۷۶۷	{	۱۰۰	۷۷۲۰۰۰	۲۔ ریتک کل
		۷۸	۶۰۲۰۰۰	ہندو
		۱۶۶۲	۱۲۵۰۰۰	مسلمان
		۶۱	۱۰۰۰	سکھ
		۵۶۷	۴۴۰۰۰	دیگر
۶۶۸	{	۱۰۰	۶۸۲۰۰۰	۳۔ گورگالو کل
		۶۶۶۷	۴۵۵۰۰۰	ہندو
		۳۱۶۸	۲۱۶۰۰۰	مسلمان

	۶۱	۱۰۰۰	سکه
	۱۶۳	۹۰۰۰	دیگر
	۱۰۰	۸۲۹۰۰۰	۳- <u>کرنال کل</u>
	۶۷۵۵	۵۶۰۰۰۰	هندو
۸۳۳	۲۸۵۵	۲۳۶۰۰۰	مسلمان
	۱۶۳	۱۲۰۰۰	سکه
	۲۶۶	۲۱۰۰۰	دیگر
	۱۰۰	۶۸۲۰۰۰	۵- <u>انباله کل</u>
	۵۳۶۸	۳۶۷۰۰۰	هندو
۶۶۸	۳۰۶۲	۲۰۹۰۰۰	مسلمان
	۱۴۶۳	۹۸۰۰۰	سکه
	۱۶۶	۱۱۰۰۰	دیگر
	۱۰۰	۴۵۰۰۰	۴- <u>شمله کل</u>
	۷۱۶۲	۳۲۰۰۰	هندو
۶۴	۱۵۱۵	۷۰۰۰	مسلمان
	۲۶۲	۱۰۰۰	سکه
	۱۱۱۱	۵۰۰۰	دیگر
	۱۰۰	۷۶۶۰۰۰	۷- <u>کانگرا کل</u>
	۹۳	۷۲۲۳۰۰	هندو
۷۵۷	۵	۳۸۳۰۰	مسلمان
	۶۳	۰۲۰۰۰	سکه

	۱۷	۳۲۰۰	دیگر
۹۶۳	۱۰۰	۹۲۷۰۰۰	۸۔ خوشیار پور کل
	۵۳۱۳	۴۹۲۰۰۰	ہندو
	۳۱۱۲	۲۸۹۰۰۰	مسلمان
	۱۳۱۳	۱۳۳۰۰۰	سکھ
	۱۱۲	۱۱۰۰۰	دیگر
۵۱۷	۱۰۰	۵۴۸۰۰۰	۹۔ لدھیانہ کل
	۲۳۱۶	۱۳۲۰۰۰	ہندو
	۳۲	۱۹۳۰۰۰	مسلمان
	۴۱۱۵	۲۳۶۰۰۰	سکھ
	۱۹	۵۰۰۰	دیگر

۱۰۴۰۔ اراکین

۹۔ اضلاع

یہ اعداد ظاہر کرتے ہیں کہ پنجاب کے تین چوتھائی حصہ میں مصنوعی تحفظ نشست سے قطع نظر کر کے قدرتی تحفظ نشست موجود ہے۔ ایک چوتھائی سے کچھ کم میں آزاد مقابلہ کی گنجائش ہے۔ آبادی کی تقسیم کافی حد تک مسلمانوں کی اکثریت کے موافق ہے۔

ضمیمہ (ب)

مذہب کے اعتبار سے بنگال کی آبادی کے اعداد

بنگال میں برطانوی علاقہ کی آبادی ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۵۵۳۶۶۹۵۵ تھی۔ اسکی تقسیم مذہب کے اعتبار سے حسب ذیل تھی۔

مسلمان	۲۵۳۱۰۸۰۲	۵۴	فیصدی
ہندو	۲۰۲۰۳۵۲۷	۳۳.۳	"
دیگر	۱۲۸۱۲۰۷	۲.۷	"

”دیگر“ میں خصوصیت کے ساتھ عیسائی اور قبائل کے مذاہب شامل ہیں جن میں سے آخر الذکر زیادہ تر پہاڑی علاقوں میں پائے جاتے ہیں انہیں ہین اور بدھ مذہب کے پیر بھی شامل ہیں۔ لیکن ان کی تعداد بہت مختصر ہے۔

مسلمانوں کو اس طرح تمام لوگوں کی مجموعی آبادی کے مقابلہ میں چار فی صدی کی چھوٹی اکثریت ہے۔ لیکن یہ اکثریت تمام علاقوں میں برابر برابری نہیں ہے۔ ہندو بنگال کا ایک حصہ میں بڑی حد تک مجتمع ہیں یعنی برودان کی قسمت اور قسمت پرسیدنی کے ایک حصہ میں جبکہ نتیجہ یہ کہ دوسری جگہوں میں مسلمانوں کی اکثریت ۴ فیصدی سے کہیں زیادہ ہے۔ پنجاب کی طرح بنگال میں بھی ہندو اور مسلم آبادی کے علاوہ علاوہ حلقے ہیں۔ ان حلقوں کا جب ایک قسمت دار سرسری جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تین قسموں میں مسلمانوں کا غلبہ ہے۔ ایک میں ہندوؤں کا اور ایک میں کم و بیش دونوں برابر ہیں۔ ہندوؤں کی ضرر چار فیصدی کی اکثریت ہے۔

تعداد اراکین مجلس قانون ساز

لاکھ پیچھے ایک

۶۰

۱۲۸

۱۰۳

۸۰

۹۵

الف) مسلمانوں کا علاقہ

۱۔ قیمت بنیادگانگ		
مسلمان	۷۲۱۶	فیصدی
ہندو	۲۳۰۸	"
۲۔ قیمت ڈھاکہ		
مسلمان	۶۹۷۷	"
ہندو	۲۹۷۷	"
۳۔ قیمت راج شاہی		
مسلمان	۶۱۰۲	"
ہندو	۳۳۷۷	"

ب) حلقہ جس میں ہندوؤں کا غلبہ ہے۔

۴۔ قیمت بردوان		
مسلمان	۱۳۷۲	فیصدی
ہندو	۸۲۷۲	"

ج) حلقہ جس میں ہندوؤں کی تعداد کچھ زیادہ ہے۔

۵۔ قیمت پرسیدنی		
مسلمان	۴۷۷۵	فیصدی
ہندو	۵۱۷۲	"

۴۶۶

اس حساب سے کل بنگال کی نشستیں

گویا مسلمانوں کے علاقہ میں نشستیں ۲۹۱ ہیں اور برہمنوں کا علاقہ میں ۸۰ اور متوسلہ علاقہ میں ۹۵۔ اگر لاکھ پیچھے ایک ممبر ہو تو نشستوں کی کل تعداد ۴۶۶ ہوتی ہے اور اس طرح ۲۳۴ سے صاف اکثریت مل جاتی ہے۔ صرف مسلمانوں کے علاقہ میں ۲۹۱ نشستیں ہیں یعنی اکثریت کے لئے حقد ضرورتاً ہے اس سے ۵۰ زیادہ۔ مگر ریٹینڈی قسمت میں مسلمان ۵۰، ۴ فیصدی ہیں اور یہ ممکن نہیں ہے کہ انکو نظر انداز کیا جاسکے۔ وہاں کچھ نشستیں ان کے لئے ملنا یقینی ہیں۔ آبادی کی تقسیم اس طرح رہے کہ وہ ضروری اپنی تعداد سے زیادہ نشستیں حاصل کر لیں گے۔ ممکن ہے وہ اقتصادى ابواب اور تعلیمی ہستی کی وجہ سے گھٹے میں ہوں لیکن اس کی وجہ سے انہیں جو نقصان پہنچے گا اس سے کسی طرح وہ فائدہ اٹا لیں نہیں ہو سکتے جو مسلم حلقہ کی ٹھوس اکثریتوں سے انہیں حاصل ہوں گے۔ اب ہم ضلع دار آبادی کے اعداد کو تفصیل کے ساتھ جانچتے ہیں۔ اصلی اعداد مذہب کے اعتبار سے اس نوٹ کے اخیر میں درج ہیں۔ ان اعداد کو مندرجہ ذیل طریقہ پر تقسیم کیا جاسکتا ہے:-

تعداد دار کہن محلین نوں سار

(الف) وہ اضلاع جن میں مسلمانوں کا بہت غلبہ ہو۔

۱۶

چٹاگانگ

۱۵

نوناکھالی

۲۷

ٹبرا

۴۸

مین سنگھ

۲۶

باتر گنج

۲۳

فرید پور

۳۱

ڈھاکہ

۱۴

پینا

۱۰	پوگرا
۲۵	زنگیہود
۱۵	راج شاہی
۱۷	بیسوہ
۱۵	نادیا
<hr/>	
۲۸۲	

(ب) وہ اضلاع جن میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے۔

۱۳	رشد آباد
۱۰	مالدہ
<hr/>	
۲۳	

(ج) وہ اضلاع جن میں ہندوؤں کو اکثریت حاصل ہے۔

۹	جلپائی گورڈی
---	--------------

(د) وہ اضلاع جن میں کسی کو غلبہ یا اقتدار نہیں ہے۔

۱۳	کھلنا
۱۷	دیان پور
۲	چٹاگانگ کے پہاڑی قبیلے
<hr/>	
۳۲	

(۵) وہ ضلع جن میں ہندوؤں کو غلبہ حاصل ہے۔

۱۴	برودان
۸	بیرھوم
۱۰	بنکورا
۲۷	بنالپور
۱۱	بوغلی
۱۰	بھوپا
۲۶	۲۴ پرگنہ
۹	کلکتہ
۳	دارجلنگ
<hr/>	
۱۱۸	

ضلع کے ان اعداد کا تجزیہ یہ ہیں انی نتیجہ پر پہنچا ہے جس پر قیمت کے اعداد کے تجزیہ سے ہم پہنچتے تھے۔ اگر رائیں مذہبی اعتبار سے دی جائیں تو مسلمانوں اور ہندوؤں کے علاقے بالکل ٹھوس ہیں اور قدرتی طور پر حفظ نشست کر دیتے ہیں مسلمانوں کے علاقے میں اگر شرق (الف) اور دب (مندرجہ بالا) کو شامل کر لیتے تو ۲۰۵ نشستیں ملتی ہیں اگر شرق (ب) کو چھوڑ بھی دیا جائے تو ۲۸۲ نشستیں ہوتی ہیں جو اکثریت کے لئے جس عدد کی ضرورت اس سے کہیں زیادہ ہیں۔

نیزہ کے اعتبار سے بنگال کی آبادی کا تجزیہ

تعداد دار اکین جلیق نون باز

(الف) بنگال کی قسمیں

تناسب فی صدی
(لاکھ پیچھے ایک
کے حساب سے)

آبادی

قسمت پروانہ

۸۰	{	۱۰۰	۸۰۵۰۰۰۰	کل
		۸۲٫۱	۶۶۰۰۰۰۰	ہندو
		۱۳٫۲	۱۰۸۲۰۰۰	مسلمان
		۴٫۵	۳۶۱۰۰۰	دیگر

قسمت پستی

۹۵	{	۱۰۰	۹۲۶۱۰۰۰	کل
		۵۱٫۲	۴۸۶۲۰۰۰	ہندو
		۲۷٫۵	۲۴۷۶۰۰۰	مسلمان
		۱٫۲	۱۲۰۰۰	دیگر

قسمت راجسٹری

۱۰۳	{	۱۰۰	۱۰۳۲۵۰۰۰	کل
		۳۳٫۷	۳۲۸۰۰۰۰	ہندو
		۶۱٫۲	۶۳۲۹۰۰۰	مسلمان
		۴٫۹	۵۰۸۰۰۰	دیگر

قسمت ڈاکہ

۱۰۰	۱۲۸۳۰۰۰	کل
-----	---------	----

۱۳۸	{	۲۹/۷	۳۸۱۳۰۰۰	ہندو
		۶۹/۷	۸۹۴۶۰۰۰	مسلمان
		۱۶	۷۸۰۰۰	دیگر
<u>تفت چٹاگانگ</u>				
۶۰	{	۱۰۰	۶۰۰۰۰۰۰	کل
		۲۳/۸	۱۴۳۲۰۰۰	ہندو
		۷۲/۶	۲۳۵۶۰۰۰	مسلمان
		۳/۵	۲۱۲۰۰۰	دیگر
<u>بنگال کا کل برطانوی علاقہ</u>				
۴۶۷	{	۱۰۰	۴۶۶۹۵۰۰۰	کل
		۲۳/۲۲	۲۰۲۰۳۰۰۰	ہندو
		۵۴	۲۵۲۱۱۰۰۰	مسلمان
		۲/۷	۱۲۸۱۰۰۰	دیگر

(ب) اضلاع بنگال

تعداد و اراکین مجلس قانون ساز
لاکھ پچھو ایک کے حساب سے

۱۲۷	{	تناسب فی صدی			اضلاع
		۱۰۰	۱۲۳۹۰۰۰	۱۔ بروہان کل	
		۷۸	۱۱۲۲۰۰۰	ہندو	
		۱۸/۵	۲۶۶۰۰۰	مسلمان	
		۳/۵	۵۰۰۰۰	دیگر	
		۱۰۰	۸۴۸۰۰۰	۲۔ بیرہوم کل	

۸	{	۶۸۰۱	۵۴۴۰۰۰	ہندو
		۲۵۰۱	۲۱۳۰۰۰	مسلمان
		۶۱۸	۵۸۰۰۰	دیگر
۱۰	{	۱۰۰	۱۰۲۰۰۰۰	۳۔ بنسکوار محل
		۸۶۰۳	۸۸۰۰۰۰	ہندو
		۲۱۶	۲۴۰۰۰	مسلمان
	{	۹۱۱	۹۳۰۰۰	دیگر
		۱۰۰	۲۶۶۴۰۰۰	۴۔ مدناپور محل
		۸۸۰۲	۲۳۵۲۰۰۰	ہندو
۲۴	{	۶۱۸	۱۸۱۰۰۰	مسلمان
		۵	۱۳۲۰۰۰	دیگر
		۱۰۰	۱۰۸۰۰۰۰	۵۔ بنگلی محل
۱۱	{	۸۱۰۹	۸۸۵۰۰۰	ہندو
		۱۶	۱۴۳۰۰۰	مسلمان
		۲۰۱	۲۳۰۰۰	دیگر
۱۰	{	۱۰۰	۹۹۴۰۰۰	۶۔ بوڑا محل
		۷۹۰۳	۷۹۱۰۰۰	ہندو
		۲۰۰۳	۲۰۲۰۰۰	مسلمان
	{	۱۲	۲۰۰۰	دیگر
		قیمت پرسیدٹسی		
		۱۰۰	۲۶۲۸۰۰۰	۷۔ چوہین پرگنہ محل

۲۶	{	۶۲/۲	۱۶۸۶۰۰۰	هندو
		۳۲/۶	۹۱۰۰۰۰	مسلمان
		۱/۲	۳۱۰۰۰	دیگر
۹	{	۱۰۰	۹۰۸۰۰۰	۸- کلکته کل
		۴۰/۸	۶۲۳۰۰۰	هندو
		۲۳	۲۰۹۰۰۰	مسلمان
۱۵	{	۶/۲	۵۶۰۰۰	دیگر
		۱۰۰	۱۲۸۶۰۰۰	۹- نادوا- کل
		۳۹/۱	۵۸۲۰۰۰	هندو
۱۳	{	۶۰/۲	۸۹۵۰۰۰	مسلمان
		۱/۴	۱۰۰۰۰	دیگر
		۱۰۰	۱۲۶۲۰۰۰	۱۰- مرشد آباد کل
۱۴	{	۲۵/۱	۵۶۹۰۰۰	هندو
		۵۳/۶	۶۴۶۰۰۰	مسلمان
		۱/۳	۱۴۰۰۰	دیگر
۱۴	{	۱۰۰	۱۴۲۲۰۰۰	۱۱- جیسور- کل
		۳۸/۲	۶۵۶۰۰۰	هندو
		۶۱/۴	۱۰۶۳۰۰۰	مسلمان
۱۲	{	۱	۲۰۰۰	دیگر
		۱۰۰	۱۲۵۳۰۰۰	۱۲- کولنا- کل
		۵۰	۴۲۴۰۰۰	هندو
۱۲	{	۲۹/۸	۴۲۳۰۰۰	مسلمان
		۱/۲	۳۰۰۰	دیگر
		۱۰۰	۱۲۸۹۰۰۰	۱۳- راجشاهی کل
				قسمت راجشاهی

۱۵	{	۲۱/۲	۳۱۸۰۰۰	هندو
		۷۶/۶	۱۱۲۰۰۰	مسلمان
		۲/۱	۱۳۰۰۰	دیگر
۱۷	{	۱۰۰	۱۷۰۵۰۰۰	۱۲- دیناج پور کل
		۲۲/۱	۷۵۲۰۰۰	هندو
		۲۹/۱	۸۳۷۰۰۰	مسلمان
		۶/۸	۱۱۶۰۰۰	دیگر
۹	{	۱۰۰	۹۳۶۰۰۰	۱۵- چلیانی گوری کل
		۵۵	۵۱۵۰۰۰	هندو
		۲۲/۸	۲۳۲۰۰۰	مسلمان
		۲۰/۲	۱۸۹۰۰۰	دیگر
۲۵	{	۱۰۰	۲۵۰۷۰۰۰	۱۶- رنگ پور کل
		۳۱/۵	۷۹۱۰۰۰	هندو
		۶۸/۱	۱۷۰۶۰۰۰	مسلمان
		۱/۲	۱۰۰۰۰	دیگر
۱۰	{	۱۰۰	۱۰۲۸۰۰۰	۱۷- بوگرا کل
		۱۶/۶	۱۷۲۰۰۰	هندو
		۸۳/۵	۸۶۵۰۰۰	مسلمان
		۱/۶	۹۰۰۰	دیگر
۳	{	۱۰۰	۲۸۳۰۰۰	۱۸- دارجلنگ کل
		۷۱	۲۰۱۰۰۰	هندو
		۳/۲	۹۰۰۰	مسلمان
		۲۵/۸	۷۳۰۰۰	دیگر
		۱۰۰	۱۳۸۹۰۰۰	۱۹- پینا کل
		۲۲/۱	۳۳۲۰۰۰	هندو

۱۴	{	۴۵۶۸	۱۰۵۵۰۰۰	مسلمان
		۲۱	۱۰۰۰	دیگر
	{	۱۰۰	۹۸۵۰۰۰	۲۰-الده-کل
		۴۰۶۴	۴۰۰۰۰۰	هندو
		۵۱۶۴	۵۰۸۰۰۰	مسلمان
		۴۶۸	۴۴۰۰۰	دیگر
				قیمت و صا که
۳۱	{	۱۰۰	۳۱۲۵۰۰۰	۲۱-ڈہاکہ-کل
		۲۴۶۲	۱۰۶۹۰۰۰	هندو
		۶۵۶۴	۲۰۴۳۰۰۰	مسلمان
		۱۴	۱۳۰۰۰	دیگر
۲۳	{	۱۰۰	۲۲۵۰۰۰۰	۲۲-فریدی پور-کل
		۳۶۶۳	۸۱۶۰۰۰	هندو
		۶۳۶۵	۱۴۲۸۰۰۰	مسلمان
		۱۳	۶۰۰۰	دیگر
۲۶	{	۱۰۰	۲۶۲۳۰۰۰	۲۳-باتر گنج-کل
		۲۸۶۴	۴۵۴۰۰۰	هندو
		۴۰۶۴	۱۸۵۱۰۰۰	مسلمان
		۱۶	۱۸۰۰۰	دیگر
۴۸	{	۱۰۰	۴۸۳۸۰۰۰	۲۴-میں سنگھ-کل
		۲۴۶۳	۱۱۴۴۰۰۰	هندو
		۴۴۶۹	۳۶۲۴۰۰۰	مسلمان
		۱۸	۴۰۰۰۰	دیگر
				قیمت چٹاگانگ
		۱۰۰	۲۴۴۳۰۰۰	۲۵-ٹیرا-کل

۲۷	{	۲۵۰۰	۷۰۸۰۰۰	ہندو
		۷۴۱	۳۰۳۳۰۰۰	مسلمان
		۱	۲۰۰۰	دیگر
۱۵	{	۱۰۰	۱۴۷۲۰۰۰	۲۶۔ نو اکھا لی۔ کل
		۲۲۰۳	۳۲۹۰۰۰	ہندو
		۷۷۱۶	۱۱۴۲۰۰۰	مسلمان
		۱	۱۰۰۰	دیگر
۱۶	{	۱۰۰	۱۶۱۱۰۰۰	۲۷۔ چٹاگانگ۔ کل
		۲۲۱۶	۳۶۴۰۰۰	ہندو
		۷۲۱۸	۱۱۷۲۰۰۰	مسلمان
		۴۱۶	۷۲۰۰۰	دیگر
۲۸۔ چٹاگانگ کے پھاڑی علاقے۔				
۲	{	۱۰۰	۱۷۳۰۰۰	کل
		۱۸۱۵	۳۲۰۰۰	ہندو
		۴۱۱	۷۰۰۰	مسلمان
		۷۷۱۴	۱۳۴۶۰۰۰	دیگر

کل ۴۹۵

ضمیمہ (ج)

ہنگال کے ڈسٹرکٹ بورڈ نہیں منتخب شدہ اراکین کی کیفیت
(۱۹۲۷ء و ۱۹۲۸ء)

ضلع کا نام	کل نشستیں	تعداد ہندو اراکین	تعداد مسلم اراکین
۱۔ چوہیں پرگنہ	۲۰	۱۶ (۶۴/۲)	۴ (۳۴/۶)
۲۔ بوگرا	۱۵	۴ (۱۶/۶)	۱۱ (۸۲/۵)
۳۔ باقر گنج	۲۰	۵ (ایک عیسائی) (۲۸/۷)	۱۵ (۷۰/۶)
۴۔ مڈا پور	۲۲	۲۱ (۸۸/۲)	۱ (۶/۸)
۵۔ راج شہی	۱۸	۷ (۲۱/۳)	۱۱ (۷۶/۲)
۶۔ زنگ پور	۱۸	۷ (۳۱/۵)	۱۱ (۶۸/۱)
۷۔ کھانا	۱۶	۱۱ (۵۰)	۵ (۴۹/۸)
۸۔ بنگلی	۲۰	۱۷ (۸۱/۶)	۳ (۱۶)
۹۔ وارجلنگ	۲۰	۱۸ (غیر مسلم) (۷۶)	۲ (۳۰/۲)
		(دیگر ۳۵/۸)	
۱۰۔ سین سنگھ	۲۲	۰ (۲۴/۳)	۲۲ (۷۴/۹)
۱۱۔ پینا	۱۶	۳ (۲۴/۱)	۱۳ (۷۵/۸)
۱۲۔ نواکھالی	۱۶	۶ (۲۳/۳)	۱۰ (۷۷/۶)
۱۳۔ جلیانی گڑی	۱۶	۱۲ (۵۵)	۴ (۲۴/۸)
		(دیگر ۲۰)	

۱۴- پیرا	۱۹	۱۳ (۲۵/۸)	۴ (۷۴/۱)
		(تین راکین نامزد کئے گئے ہلے کہ چاندیو)	(۲ نامزد شدہ)
		میں انتخابات اکام رہی	
۱۵- نادیا	۲۰	۱۵ (۳۹/۱)	۵ (۶۰/۲)
۱۶- بردوان	۱۶	۱۴ (۷۸/۱)	۲ (۱۸/۵)
۱۷- مرشد آباد	۱۵	۷ (۲۵/۱)	۸ (۵۳/۶)
۱۸- فرید پور	۲۰	۸ (۳۶/۳)	۱۲ (۶۳/۵)
۱۹- مالہ	۱۵	۸ (۴۰/۶)	۷ (۵۱/۶)

انتخابات اکام رہے۔ سب نامزد ہوئے۔

۲۰- موڑا	۱۲	۱۰ (۷۹/۳)	۲ (۲۰/۳)
۲۱- بیرہویم	۱۶	۱۵ (۶۸/۱)	۱ (۶/۱) (۲۵/۱)
۲۲- ٹیکورا	۱۰	۹ (۸۶/۳)	۱ (۴/۶)
۲۳- جیسور	۱۶	۱ (۳۸/۳)	۱۵ (۶۱/۷)
۲۴- ڈاکہ	۲۲	۱۶ (۳۴/۲)	۴ (۶۵/۴)
۲۵- چٹاگانگ	۲۰	۰ (۲۲/۶)	۲۰ (۷۴/۸)
۲۶- دیناج پور	۱۸	۴ (۴۴/۱)	۱۴ (۴۹/۱)

توسین میں دئے ہوئے اعداد کل آبادی کے ساتھ نسبت ظاہر کرتے ہیں۔

آل پارٹیز کانفرنس

منعقدہ
لکھنؤ ۲۸ اگست ۱۹۴۷ء

خلاصہ کارروائی

آل پارٹیز کانفرنس کا چوتھا اجلاس بنگالہ لکھنؤ قیصر باغ کی بارہ دری میں ۲۸ سے ۳۱ اگست ۱۹۴۷ء تک کی تاریخوں میں منعقد ہوا۔ کانگریس کی مجلس عاملہ کے علاوہ مندرجہ ذیل جماعتوں کے نمائندے شریک ہوئے۔

آل انڈیا لبرل فیڈریشن

آل انڈیا مسلم لیگ

ہندو بہا سبھا

مرکزی خلافت کمیٹی

سنٹرل سکولیک

ہوم رول لیگ

ہندوستانی عیسائیوں کی آل انڈیا کانفرنس

جمعیت المسلمان

ریاستوں کے لوگوں کی آل انڈیا کانفرنس

آسلی کی کانگریس پارٹی

آسلی کی سینٹ پارٹی

پرنس انڈین ایسوسی ایشن 'اودھ'

انڈین ایسوسی ایشن بنگلہ

ہمارا شہر جمیر آف کرس

نڈہ نیشنل لیگ

وکن بھا

سوا دین بھارت سنگھ اور مندرجہ ذیل صوبوں کی کانگریس کمیٹیاں :-

جمیر، آندھرا، بہار، بنگال، برما، سی پی (ہندوستانی) سی پی (مرہٹی)، دہلی، گجرات،

کرناٹک، کیرلا، پنجاب، سندھ، صوبجات متحدہ، آٹھل،

متحدہ نمائندوں کے پیام موصول ہوئے تھے جو شریک جلسہ نہ ہو سکتے تھے۔ ان میں عدم شرکت

پر اظہارِ رائے ہوئے تھا اور کانفرنس کی کامیابی کی دعائیں۔ ملک کے تمام حصوں سے بڑی کثیر تعداد آروں

اور خطوں کی آئی تھی جس میں کانفرنس کی کامیابی کی خواہش ظاہر کی گئی تھی۔

کاروائی ۲۸ اگست کو دوپہر کے بعد ہی شروع ہوئی۔ ڈاکٹر تھما صاحب انصاری صدر

جلسہ تھے۔ ہمارا راجہ صاحب محمد آباد نے نمائندوں کا خیر مقدم کیا۔ انہوں نے یتھاق لکھنؤ یا دولا یا اور

امید ظاہر کی کہ اس کانفرنس کی کاروائیوں میں بھی وہی روح کارفرما ہوگی۔ انہوں نے اس موقع کا

اظہار فرمایا کہ تمام جماعتیں نہرو کمیٹی کی رپورٹ کی غیر مشروط تائید کریں گی۔

اس کے بعد جناب صدر نے جلسہ کو مخاطب فرمایا۔ انہوں نے نہرو کمیٹی کو مبارکباد دی اور

اس انہماک کی تصدیق کی جس کے ساتھ کمیٹی کے صدر اور اراکین نے اس عہد آفریں کام کو انجام دیا

ہے۔ اس رپورٹ کے ساتھ جو عظیم الشان معاملات وابستہ ہیں ان پر زور دیتے ہوئے اپنے فرمایا۔

”ہندوستان کشمکش حریت کے بہت سے مختلف دوروں سے گزرا ہے لیکن اس ملک کی جنگ

آزادی کی اس تاریخ میں جس میں دہو پ ہے جھاؤں بھی، چڑیا بول بھی میں اتار بھی کبھی یہ نہیں ہوا کہ

سیاست کے تمام مذاہب کے نمائندے اس لئے یکجا ہوئے ہوں کہ اپنے دستور حکومت کا ٹھیک ٹھیک

خاکہ تیار کریں۔ یہ کام اب اس کمپنی نے انجام دیا ہے یہ بجائے خود ایک تاریخی واقعہ ہے۔ پھر جب ہم پچھلے چند سال کے تاریک واقعات کی فضا پر نظر کرتے ہیں جب بس کبھی کبھی تاریکی صحرا میں روشنی پہنچانے کی بے اثر کوششیں ہوتی تھیں، جب اس انتشار مقاصد و اغراض پر نگاہ کرتے ہیں جس میں ہم نے اپنی کوگم کر دیا تھا، اور ان دعوئہ بے نبرہ آزمائی کو جو خود ملک کے اندر سے اور سات سمندر پار سے ہمیں دی جا رہی تھیں، جب ہم ان سب پر نظر کرتے ہیں تو اس کے کہنے کی کیا ضرورت ہو کہ یہ رپورٹ اور بھی اہم تاریخی واقعہ بن جاتی ہے۔ اراکین مجلس! ہم آج جو کچھ کریں گے اس کے نتائج کل یا برسوں ختم نہ ہو جائیں گے۔ وہ باقی رہیں گے اپنے مستقبل کا نانا بگاڑنا خود ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے آج کے اعمال سے جو نتائج نکلیں گے انہیں اچھی طرح سمجھنا چاہیئے اور ان کی بابت غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے۔

آگے چل کر جناب صدر نے فرمایا کہ نہرو اسکیم ان ۳ کڑوں انسانوں کی آخری امید ہے جو پر دسی حکومت اور اندرونی منافقوں کے دوہرے ناقابل برداشت غدا میں مبتلا ہو لیکن یہ دعویٰ نہیں ہو کہ یہ رپورٹ غلطی اور خطا سے بری ہے۔

صدر نے اس اپیل کے ساتھ اپنی تقریر ختم کی: ”جو نمائندے آج یہاں جمع ہوئے ہیں اگر ان کے ہاتھ میں ہندوستان کے علاج کی کبھی ہو تو انھیں کے ہاتھ میں اس کی مصیبت اور ابتلا کے جاری رکھنے کی کبھی بھی ہو جواب اور بھی سخت ہو جائے گی۔ آپ پر یہ سخت ذمہ داری عائد ہوئی ہے۔ ان میں سے ایک کو چن لیں کہ اسپر ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ منحصر ہے۔ میں دل سے امید کرتا ہوں کہ آپ ٹھیک فیصلہ کریں گے۔“ اس کے بعد صدر نے پنڈت مو تی لعل نہرو سے رپورٹ پیش کرنے کے لیے کہا اور پنڈت نہرو نے باضابطہ طور پر رپورٹ کو کانفرنس کے سامنے پیش کیا۔

لالہ لاجپت رائے نے پھر مندرجہ ذیل تجویز پیش کی:-

۱۔ کہ ”یہ کانفرنس اس کمیٹی کے صدر جو اس کانفرنس نے ہندوستان کے دستور سازی کے

تین کے لیے مقرر کی تھی یعنی پنڈت موتی لال نہرو اور ان کے ساتھی سر علی امام، سر تیج بہادر سپرو
مسٹر آٹے، سردار منگل سنگھ، مسٹر شعیب قریشی، مسٹر سوہاس بوس، اور مسٹر جی۔ پردھان
اراکیں کے کام پر اپنی احسانندی اور پسندیدگی کا اظہار کرتی ہو۔“

اس تجویز کی تائید مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمائی۔ تجویز کی موافقت میں پنڈت مدن موہن
مالوی، مولانا شوکت علی، ڈاکٹر انی بیسٹ، مسٹر جے۔ ایم۔ سین گپتا، مولوی محمد یعقوب۔ مسر
سہرہ جی ناندو، مسٹر سی۔ وجیاراگھوچاریار، گیانی شیر سنگھ، راجہ سر رامپال سنگھ، مولانا احمد
مسٹر سی۔ والی۔ چٹا منی، مسٹر م۔ چھاگلہ، چودھری بہاری لال، اور مسٹر طفیل احمد نے تقریریں کیں۔
کانفرنس کے ایک لمے کن، مسٹر حسرت موہانی نے تجویز کی مخالفت کی۔ تجویز صرف ایک راے
کی مخالفت کیساتھ منظور ہوئی۔

پنڈت موتی لال نہرو اور سر علی امام نے کمیٹی کی طرف سے کانفرنس کا شکریہ ادا کیا۔
دوسری تجویز پنڈت مدن موہن مالوی نے پیش کی۔ تجویز حسب ذیل تھی۔

۳۔ ”اُن سیاسی جماعتوں کی آزاد عمل کو محدود کیے بغیر جن کا مقصد کامل خود مختاری ہے یہ
کانفرنس اعلان کرتی ہو کہ

(۱) ہندوستان میں حکومت کی جو شکل قائم ہو وہ ذمہ دار حکومت ہونی چاہیے، یعنی
ایسی حکومت جس میں قوتِ عاملہ ایسی جمہور کی منتخب کردہ قوتِ قانون ساز کے سامنے
ذمہ دار ہو جسے تمام اور کامل اختیارات ہوں۔

(۲) یہ حکومت کسی صورت میں خود مختار نوآبادیوں کی حکومت سے کم درجہ کی نہ ہوگی۔“

سر سی۔ پی۔ راماسوامی آئر نے اس تجویز کی تائید کی اور سر تیج بہادر سپرو نے تائید فرمید۔
اس تجویز پر مباحثہ ختم نہیں ہوا تھا کہ کانفرنس کا جلسہ اگلے دن کے لیے ملتوی ہو گیا۔

دوسرا دن ۲۹- اگست

پنڈت من موہن مالوی کی تجویز بابت ”درجہ نوآبادی“ پر مباحثہ جاری رہا۔ پنڈت جواہر لال نے درجہ نوآبادی کی مخالفت کی اور کہا کہ منزل مقصود خود مختاری ہونا چاہیئے۔ ان لوگوں کی طرف سے جو خود مختاری کے حامی ہیں انہوں نے ذیل کا بیان پڑھایا۔

”ہم اس بیان پر دستخط کرنے والے، یہ رسلے رکھتے ہیں کہ ہندوستان کے دستور کی بنیاد کامل خود مختاری پر ہونی چاہیئے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ جو تجویز آل پارٹیز کانفرنس کے سامنے پیش کی گئی، یہ وہ اپنے حامیوں کو ایسے دستور کا پابند کر دیتی ہے جو اس حیثیت پر مبنی ہو جسے درجہ نوآبادیات کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ہم اس کے قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔ اس لیے نہ ہم اس تجویز کی تائید کر سکتے ہیں نہ اسے قبول کر سکتے ہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ تجویز کی تہدید میں ہیں یہ حق دیا گیا ہے کہ ہم خود مختاری کی موافقت میں اپنا کام جاری رکھیں لیکن یہ تہدید کسی طرح سے اس پابندی کو ہلکا نہیں کرتی جو تجویز کے دوسرے حصہ سے عائد ہوتی ہے۔“

لیکن ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کانفرنس کے کام میں خارج نہ ہوں نہ اس میں رکاوٹ ڈالیں۔ لیکن ہم اس مسئلہ پر اپنی سوچی سمجھی رائے کا اظہار کر دینا چاہتے ہیں اور اس خاص تجویز سے جہاں تک کہ یہ ”درجہ نوآبادی“ کے قبول کرنے پر ہمیں پابند کرے اپنے کو علیحدہ رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم اس تجویز کے سلسلے میں جو کارروائی ہوگی اس میں کوئی حصہ لینے نہ ہم ترمیمیں پیش کریں گے اور نہ اس پر رائے دیں گے۔ کامل خود مختاری کی موافقت میں ہم جو کچھ کام ضروری اور مناسب سمجھیں گے اسے جاری رکھیں گے۔

مولانا کفایت اللہ، مولوی محمد شفیع، مسٹر سبھاس چندر بوس، پنڈت ہرد ناتھ، ڈاکٹر کچھو، ڈاکٹر محمد عالم، مسٹر ٹی۔ وشنو ناتھن، اور سر دال سنگھ نے مباحثہ میں حصہ لیا۔

مسٹر مسرت موہانی نے ایک ترمیم پیش کی کہ تجویز کا دوسرا حصہ حذف کر دیا جائے۔ چونکہ کوئی موید نہ تھا اس لیے یہ ترمیم رد ہو گئی۔
 پنڈت مالوی جب جواب دے چکے تو تجویز پر رائے لی گئی اور یہ نعرہ اسے مسرت کے ساتھ منظور ہوئی۔
 کانفرنس کا جلسہ اگلے روز کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔

تیسرا دن ۳۰ اگست

کانفرنس میں تیسری تجویز مسٹر مہنی لال کوٹھاری نے پیش کی یہ ہندوستانی ریاستوں کے متعلق تھی اور اس کے الفاظ حسب ذیل تھے۔
 ۳۔ یہ کانفرنس ہندوستانی ریاستوں کے متعلق کمیٹی کی سفارش کو پسند کرتی ہے۔
 مسٹر پاتھک نے اس کی تائید کی۔ سر تیج بہادر سپرو، مولانا ظفر علی خاں اور پنڈت مدن موہن مالوی نے بھی تجویز پر تقریریں کیں اور یہ بہ اتفاق رے منظور ہوئی۔
 کارروائی یہاں تک پہنچی تھی کہ صدر نے اعلان کیا کہ مسئلہ سندھ پر ایک سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ اس اعلان پر بہت اظہار مسرت و پسندیدگی کیا گیا صدر نے اس سمجھوتہ کو ایک تجویز کی شکل میں کرسی صدارت سے پیش کیا۔ تجویز کے الفاظ درج ذیل ہیں۔
 ۴۔ "نہر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق حکومت کے قیام کے ساتھ ہی ساتھ سندھ بمبئی سے جدا کر دیا جائے گا اور ایک علیحدہ صوبہ بنا دیا جائے گا بشرطیکہ
 (۱) تحقیقات کے بعد یہ معلوم ہو کہ

(الف) سندھ مالی اعتبار سے کافی بالذات ہے۔

(ب) یا جب یہ معلوم ہو کہ وہ مالی اعتبار سے کافی بالذات نہیں ہے تو

اگر علیحدگی کی تجویز اپنی مالی اور انتظامی حیثیتوں میں اہل سندھ کے سامنے پیش کی جائے اور باشندوں کی اکثریت اس تجویز کی موافقت کرے اور نئے انتظام کی مالی ذمہ داریوں کو برداشت کرنے پر آمادگی ظاہر کرے :-

(۲) سندھ میں حکومت کی شکل وہی ہو جو اس دستور کے ماتحت دوسرے صوبوں میں ہوگی۔

(۳) سندھ کی غیر مسلم اقلیت کو صوبہ کی اور مرکزی مجالس قانون سازی میں نیابت کے متعلق وہی رعایتیں حاصل ہوں گی جو مسلمان اقلیتوں کو ہندو کیسے رپورٹ کی رو سے ان صوبوں میں دی گئی ہیں جہاں مسلمان اقلیت ہیں“

تجویز بہ اتفاق ریلے اور نرہاسے تحمین کے ساتھ منظور ہوئی۔

پانچویں تجویز صوبوں کی انٹر پرووینسیل تقسیم کے متعلق تھی۔ اسے پنڈت دوار کا پرشاد نے پیش کیا اور مولوی عبدالحمید نے اس کی تائید کی۔

مقتدد ترمین بھی گئی تھیں لیکن بالآخر ایک متفقہ تجویز جس میں بعض ترمیمیں شامل کر لی گئی تھیں کانفرنس کے سامنے پیش کی گئی اس کے الفاظ یہ تھے۔

۵۔ صوبوں کی تقسیم نو اور ان کی حیثیت کے متعلق رپورٹ کی سفارشات پر غور کرنے کے بعد یہ کانفرنس انہیں متفقہ دستور کے ضروری جزو کی حیثیت سے منظور کرتی ہے۔ اور سفارش کرتی ہے مسودہ دستور کے دفعہ ۲ میں جس کمیشن کا ذکر ہے وہ مذکورہ سفارشات کے اصولوں کے مطابق اور ایسی کمیٹی یا کمیٹیوں کی مدد سے بہترین کا نقشہ تیار کرے۔ مناسب سمجھے۔

(الف) تمام ضروری کارروائیاں کرے تاکہ کرناٹک اور انڈسٹریاں

صوبے بنا دیے جائیں۔

(دب X ب) مختلف صوبوں کے اوڑیہ بولنے والے علاقوں کو متحد کرنے اور اس متحدہ رقبہ کو علیحدہ صوبہ بنانے کی تدابیر اختیار کرے اگر اس رقبہ کے باشندے اس مالی بار کو برداشت کرنے کے قابل یا اسے برداشت کرنے پر آمادہ ہوں جو علیحدگی کا لازمی نتیجہ ہے۔

(دج) ہندوستانی-سی۔ پی۔ کیرلا، اور دوسرے لسانی رقبوں کے متعلق رپورٹ کرے۔ جو علیحدہ صوبے بننے کی خواہش کرتے ہوں۔

(دھ) آسام اور بنگال، بہار اور اڑیسہ، ہندوستانی سی۔ پی۔ کیرلا، اور کرناٹک کی حدود کو کمیٹی کے پیش کردہ اصولوں کے مطابق از سر نو متعین کرے۔“

صدر نے اس تجویز کو کرسی صدارت سے پیش کیا اور یہ بہ اتفاق رائے منظور ہوئی۔ اس کے بعد لالہ لاجپت رائے نے ایک تجویز پیش کی کہ ہندو کمیٹی کی رپورٹ میں جو دستور اساسی کا خاکہ پیش کیا گیا ہو اسے اصولاً قبول کیا جائے۔ اس کی تائید مسٹر لے-رنگھا سوامی آئیگر نے کی اور تائید مزید مسٹر بین چندر پال نے۔ مسٹر چاگلہ نے ترمیم دستور کے متعلق ایک ترمیم پیش کی۔ بعد کو مسٹر چاگلہ کی ترمیم میں تبدیلی کر دی گئی اور اسے کانفرنس نے ایک علیحدہ تجویز کی صورت میں ۳۱ اگست کو منظور کیا۔ یہ تجویز اس دن کی کارروائی میں درج ہے۔

اس کے بعد کانفرنس کا جلسہ ۳۱ اگست کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔

چوتھا دن - ۳۱ اگست

لالہ لاجپت رائے کی قرارداد پر بحث و مباحثہ جاری رہا۔ مسٹر جیا رگھو آچاریا نے ایک ترمیم پیش کی جس میں تجویز کیا تھا کہ کل رپورٹ کو اصولی حیثیت سے منظور کر نیلے بجائے اس کے ایک ایک ٹکڑہ پر علیحدہ علیحدہ غور کیا جائے، اس کی تائید مسٹر وسو ناتھن نے اور مسٹر ہین چند پال نے اس کی مخالفت کی۔

اس کے بعد لالہ لاجپت رائے کی قرارداد پر بحث و مباحثہ ملتوی کر دیا گیا اس وجہ سے کثیر آئی کہ پنجاب کے مسئلہ پر پنجابی نمائندوں نے ایک سمجھوتہ کر لیا ہے۔ لالہ لاجپت رائے کی قرارداد کو کچھ ترمیم کیا تھا بعد کو پیش کیا گیا۔

پنجاب کے سمجھوتہ کے متعلق صدر کے اعلان کا کانفرنس نے مسلسل نمائندے مسرت سے خیر مقدم کیا۔ اس سمجھوتہ پر حسب ذیل حضرات کے دستخط تھے: ڈاکٹر سیف الدین بھٹی، مولانا ظفر علی خاں، ڈاکٹر محمد عالم، مسٹر عبدالرحمن غازی، محمد داؤد غزنوی، مسٹر افضل حق، مسٹر سراج الدین راجا، مسٹر عبدالقادر قصوری، مسٹر حامد الدین، سردار سردول سنگھ کاوشیہ، لالہ لاجپت رائے، لالہ دوئی چند، پنڈت ہر دت شرما، ڈاکٹر ستیہ پال، لالہ گرو دھاری لال۔

ماسٹر تارا سنگھ اور گیانی شیر سنگھ نے اپنا ایک بیان اس سمجھوتہ کے ساتھ شامل کیا۔

جناب صدر نے یہ سمجھوتہ اور بیان کانفرنس کی منظوری کے لیے پیش کیا۔ سمجھوتہ اور بیان حسب ذیل ہے:-
۶۔ نہر کیٹی کی تجویز کردہ اسکیم کے نفاذ کے ساتھ ہی مسلمانان پنجاب کی مٹی مذکور کی ان سفارشات کو تسلیم کرتے ہیں جن کا تعلق فرقہ وارانہ نمائندگی سے ہے جس میں مخلوط انتخاب شامل ہے۔ بلا اس کے کہ صوبہ پنجاب کے کسی فرقہ کے لئے نشستوں کا تحفظ کیا جائے بشرطیکہ ہر اٹھ گھنٹے کا حق دیا جائے۔
نیز اس شرط سے کہ فرقہ وارانہ نمائندگی کے مسئلہ پر دس سال کے بعد دوبارہ غور کر لیا جائے ہو گا، اگر

مجوزہ طریقہ پر بدت مذکور تک عمل کرنے کے بعد کوئی فرقہ اس کی خواہش کرے

ماسٹر تارا سنگھ اور گیانی شیر سنگھ کا بیان :-

(۱) ہم سکھ دستخط کنندگان ہذا نہر دیکھنی کی رپورٹ کی آئید کرتے ہیں بشرطیکہ پنجاب میں انتخاب سہاظرہ نامزدگی بہ اعتبار تناسب کے اصول پر ہو۔

(۲) ہم اس سے متفق ہیں کہ ہر بالغ کو حق رائے و مناسب زیادہ جمہوری اصول ہو لیکن ہمارا خیال ہے کہ موجودہ حالات میں یہ بالکل ناقابل عمل ہے اور قبل از وقت ہے۔

(۳) بہر کیف اگر فوراً ہر بالغ کو حق رائے دینے کا فیصلہ ہو جائے تو ہمارے اظہار خیال کو بھی دمج کر لیا جائے۔

ہم یہ صاف طور پر ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ اگر باغین کو حق رائے دیا گیا تو ہم لوگ اسکو چھٹکا دیتے ہیں بنائیں گے اسوجہ پر کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہر بالغ کو حق رائے دینا جمہوری اصول پر مبنی ہے اور ہم یہ ماسٹریٹو ہیں کہ باغین کو حق رائے دینے کے بالواسطہ یا براہ راست یہ معنی نہیں ہیں کہ فرقہ دارانہ نامزدگی کے اصول کو تسلیم کر لیا گیا ہے جس کے ہم سخت مخالف ہیں۔

مولانا شوکت علی نے ایک بیان دیا کہ مرکزی خلافت کمیٹی نے اسوقت تک اپنی اصلی قرار داد کو جیسا کہ اسکا تعلق پنجاب کے سمجھوتے سے تبدیل نہیں کیا اور اس لئے وہ اسی پر قائم ہے۔ ڈاکٹر محمد عالم اور عبدالقادر تصلوی نے مولانا شوکت علی سے اختلاف کیا اور کہا کہ مرکزی خلافت کمیٹی نے مولانا شوکت علی کو اس بیان کے لئے مجاز نہیں کیا تھا جو انہوں نے دیا ہے۔

پھر کانفرنس نے پنجاب کے سمجھوتہ پر مبنی دوری کا اظہار کیا اور نعرائے مسرت کیساتھ اسکو قبول کر لیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر انجینیئر بسنٹ اور مشیر سر جی ناسدو نے مجلس کو مخاطب کیا اور تمام جماعتوں کو آؤ ملک کو تباہ کرنا دوی کر ایک پراچھلکڑا خوش آئند طریقہ پر ختم ہو گیا۔ ہندوستان کا اتحاد اور ہندوستان کے جذبہ آزادی کو فرقہ پروری پر ختم ہوئی۔

مسٹر اکرم خاں اور مسٹر مین گپتا نے قاعدہ کے طور پر بنگال کے ہندو مسلمانوں کی طرف سوریورٹ

کی ان دفعات کو قبول کیا جو بنگال کے متعلق تھیں۔
دستور اساسی میں ترمیم کر نیے متعلق مسٹر جھانگل کی تجویز پر کچھ بحث و مباحثہ ہوا اور بالآخر حسب ذیل
قرار داد بالاتفاق منظور ہوئی :-

۷۔ ”یہ کانفرنس سفارش کرتی ہے کہ ہر دکنی کو مجاز کیا جائے کہ وہ اپنی سفارشات کی دفعہ ۸ پر
دوبارہ غور کر سکے اور اس میں ایسی ترمیم کر سکے کہ جہاں تک دستور اساسی میں ترمیم کر نیے کا قاعدہ کا تعلق ہو مرکزی
مجلس قانون ساز میں مختلف اقلیتوں کے حقوق و مفاد کی حفاظت ہو جائے۔ اس کے بعد کانفرنس نے
حسب ذیل قرار داد بالاتفاق منظور کی :-

۸۔ ”ہندوستانی ریاستوں کا کوئی باشندہ جو معمولاً دولت مشترکہ ہند کے علاقوں میں رہتا ہے یا تجارت
کرتا ہے اس کو دولت مشترکہ ہند کے باشندوں کے کل حقوق حاصل ہوں گے۔ اس کے بعد مولوی شیخ داؤد
نے تحریک کی کہ دولت مشترکہ ہند کی زبان ہندوستانی ہونی چاہیے جو اردو اور ہندی رسم الخط میں ہو۔
اس پر کچھ مباحثہ ہوا اور کئی ترمیمیں پیش کی گئیں بالآخر مندرجہ ذیل قرار داد بالاتفاق منظور ہوئی۔
۹۔ آل پارٹیز کانفرنس کی کمیٹی حسب ذیل باتوں پر غور کر کے رپورٹ کرے۔

(۱) اقلیتوں کے اس حق کا تحفظ کہ وہ اپنے بچوں کو مدارس میں اپنی ہی زبان کے ذریعہ تعلیم دلائیں اور
اس رسم الخط میں جو ان میں رائج ہو۔

(۲) ہندوستانی زبان کا دولت مشترکہ کی زبان کی حیثیت سے استعمال اور اردو یا ہندی رسم الخط کا استعمال
بطور عام رسم الخط کے اور انگریزی زبان کے استعمال کی اجازت۔

(۳) ہر صوبہ میں اس صوبہ کی زبان کا بطور سرکاری زبان کے استعمال کی اور ہندوستانی یا انگریزی
زبان کے استعمال کی آزادی۔

اس کے بعد میڈٹ بدن موہن مالویہ نے تجویز کی کہ حسب ذیل دفعہ ”اعلان حقوق“ میں شامل کر لیا جائے۔

۱۰۔ ذاتی اور شخصی املاک پر وہ تمام حقوق جو قانوناً حاصل کے گئے ہوں اور جو دولت مشترکہ ہند کے قیام

کے وقت لوگوں کو حاصل ہوں ان کے تحفظ کی ضمانت کی جاتی ہو۔

اس تجویز کی مخالفت کی گئی لیکن کچھ بحث و مباحثہ کے بعد کثرت آمار سے منظور کی گئی۔ کانفرنس نے کثرت رائے سے یہ بھی منظور کیا کہ :-

۱۱۔ ”اعلان حقوق کی دفعہ ۷ میں ”بیکاری“ کے لفظ کے بعد یہ اضافہ کر دیا جائے کہ ”اور پارلیمنٹ ایسے قوانین بھی وضع کرے گی جس سے کاشتکاروں کے معقول لگان، اور حقیقتاً راضی کے استقلال اور تعین کی ضمانت ہو سکے“۔
کانفرنس نے بالاتفاق منظور کیا کہ :-

۱۲۔ رپورٹ کے صفحہ ۴۵ پر سفارش نمبر ۷ میں ”شمالی مغربی صوبہ“ کے بعد ”بلوچستان“ کا اضافہ کر دیا جائے۔“

اس کے بعد لالہ لاجپت رائے کی تحریک پر پھر بحث شروع کی گئی کہ نہر دیکھنی کی رپورٹ کو اصولی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے۔ اس قرارداد میں کافی اضافہ بھی کر دیا گیا تھا اور اسپر جو ترمیمیں پیش ہوئیں وہ نامعلوم ہوئیں اور بالآخر یہ قرارداد حسب ذیل صورت میں صرف ایک رائے کے اختلاف سے منظور ہوئی :-

۱۳۔ یہ کانفرنس اس رپورٹ پر غور کرے گی بعد جو نہر دیکھنی کی طرف سے پیش کی گئی ہے اس دستور اساسی کو اصولی حیثیت سے منظور کرتی ہے جس کا خاکہ رپورٹ میں پیش کیا گیا ہے۔

یہ کانفرنس قرارداد بھی کرے کہ نہر دیکھنی دوبارہ مقرر کیا جائے اور اس کو دیگر اراکین شامل کر سکا اختیار دیا جائے۔ تیسرا سکو مجاز کیا جائے کہ ایک پارلیمنٹی مسودہ تیار کرنا منتخب کرے اور اس کو ہدایت کرے کہ جس تہذیب اساسی کا خاکہ اس نے تیار کیا اور جسکی اس نے سفارش کی ہو اور جس صورت میں کہ وہ کانفرنس میں منظور کیا گیا ہو۔ مع ان تمام ضروری ضمنی اور ذیلی دفعات کے جو اس سے منتج ہوں ایک مسودہ کی صورت میں ترتیب دے۔ جو تمام سیاسی، تجارتی، مزدوروں کی انجمنوں اور ملک کو ان تمام دیگر انجمنوں کے نمائندوں کے ایک جلسہ میں پیش کیا جائے جو اس کانفرنس میں موجود ہیں اور ان دوسری انجمنوں کے نمائندوں کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ اس شرط کے تحت کہ نہ کوئی ایسا اضافہ کیا جائے گا۔
نہ ترمیم جو اس کانفرنس کے سجدہ و فیصلوں کے مخالف ہوں۔

کیٹی مذکورہ بالا جہہ کو کسی ایسی تاریخ پر منعقد کر نیکیے لئے جو وہ مقرر کرے، تمام ضروری کارروائی کرے گی۔

مسودہ قانون تیار کرتے وقت کمیٹی رپورٹ کے ضمیمہ نمبر اول نمبر اکو بی پیش نظر رکھے گی اور کمیٹی مجاز ہے کہ مذکورہ ضمیموں میں ایسی ضروری تبدیلیاں کرے جو وہ مناسب خیال کرے۔
ماسٹر تارا سنگھ اور گوبانی شیر سنگھ نے اس قرارداد کے متعلق حسب ذیل بیان دیا:-
”ہم اس قرارداد کو قبول کرتے ہیں لیکن اس بیان کے تحت جو ہم نے پنجاب کے مجھوتہ کے متعلق پیش کیا ہے“

آل انڈیا انڈین کرپشن کانفرنس کی طرف سے مسٹری احمد شاہ نے حسب ذیل بیان دیا:-
”ہندوستانی عیسائیوں کی آل انڈیا کانفرنس نہایت پرزور طریقہ پر اپنا معاملہ آل پارٹیز کانفرنس کے سامنے پیش کرتی ہے اور درخواست کرتی ہے کہ چونکہ شمالی مغربی صوبہ میں ہندوستان کی سب سے بڑی اکثریت رکھنے والی جماعت (ہندوؤں) کے لئے خاص حقوق تسلیم کئے گئے ہیں، دیگر صوبجات ہند میں سب سے قوی اقلیت (مسلمانوں) کے لئے جہاں کہیں وہ اقلیت میں ہیں ان کے لئے خاص حقوق تسلیم کئے گئے ہیں اور آخر میں ایک خاص دفعہ پنجاب میں سکھوں کی نمائندگی باعتبار تناسب کے لئے رکھی گئی ہیں اس لئے ہم درخواست کرتے ہیں کہ۔“

انصاف اور حق کے نام پر مجالس قانون ساز میں اسی طرح کا حق نمائندگی ہندوستان کی تیسرے درجہ کی سب سے بڑی اقلیت رکھنے والی جماعت یعنی عیسائیوں کو بھی دیا جائے۔
صاحب صدر نے حسب ذیل قرارداد کو سی صدارت سے پیش کی:-

۱۴۔ یہ کانفرنس اعلان کرتی ہے کہ مذکورہ بالا قراردادوں میں جو مجھوتہ کیا گیا ہے وہ اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ نہرو رپورٹ میں جس سکیم کا خاکہ پیش کیا گیا ہے اور جس کو اس کانفرنس نے منظور کر لیا ہے اس پر مجموعی حیثیت سے عمل درآمد ہوگا، اس لئے کہ اسکی مختلف دفعات ایک دوسرے پر موقوف ہیں، اور تمام جماعتیں جو اس کانفرنس میں موجود ہیں وہ متفق ہیں کہ انہیں سے ہر ایک اس کی کلی حیثیت پر قائم رہے گی اور کسی

ایک حصہ کو بغیر دوسرے حصے کے کلی نفاذ کے قبول کرنے سے انکار کر دی گئی۔
اس شرط کے ساتھ اس اسکیم میں کوئی تبدیلی تمام جماعتوں کی منظوری اور رضامندی سے کی جاسکتی ہے۔

یہ قرارداد صرف ایک رائے کے اختلاف سے منظور کی گئی۔ دوسری اور آخری قرارداد بھی صدر
کی طرف ہی پیش کی گئی، وہ حسب ذیل ہے۔

۱۵۔ یہ آل پارٹیز کانفرنس سنہ ۱۹۴۷ء سے درخواست کرتی ہے اور انکو مجاز کرتی ہے کہ ہندوستان
کے باشندوں کی طرف سے پیغام تبریک و تهنیت مالک مغرب کے باشندوں کو پہنچا دیں جہاں وہ مغرب
جانیوالی ہیں اور یہ کہ اپنی آزادی کے لئے ہندوستان عزم راسخ کر چکا ہے جس سے تمام عالم کے لئے امن کی
نفسا پیدا ہو جائیگی۔

نڈتہ دن موہن مالویہ نے صاحب صدر کے شکریہ کی تجویز پیش کی، مہاراجہ محمود آباد نے اس کی
تائید کی اور کانفرنس نے پرجوش فرمائے سرست سے اسکو منظور کیا۔ صاحب صدر نے اس کے جواب
میں تقریر فرمائی۔

نڈتہ موتی لال نہرو نے لکھنؤ کے ان تمام لوگوں کے لئے شکریہ کی تحریک پیش کی جنہوں نے کانفرنس
کے لئے ضروری انتظامات میں حصہ لیا، اور ہمیں کام کیا اور سنہ ۱۹۴۷ء نے اسکی تائید کی اور جلسہ نے اس
قرارداد کو پرزور تالیوں کے ساتھ منظور کیا۔

اس کے بعد صاحب صدر نے جلسہ کے ختم کا اعلان کیا۔

مطبوعه جامعه ملیہ اسلامیہ پریس، دہلی

۱۳۹۱



DUE DATE ۱۳۲۵ ۵۲۰۶

URDU STACKS

۱۳۹۴۰

URDU STACKS

۳۹۹ ر	۳۲۲۵۲۰۴		
رہبریت	آل یار رہبریت		
۹۴۰			
DATE	NO.	DATE	NO.